رجسٹرڈ اول نمبر ۱۹۶۱ — قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ مطبوعہ جامعہ برقی پریس، دہلی

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے ۔

۲۔ حروف علت کا استعمال ۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات ۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگراں تعلیمی مرکز نمبر ۱ آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں ، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں ، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے ، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے ۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے ، وہ اس میں درج ہے ، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو **رہنمائے قاعدہ** کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا

قیمت ۔ ۲ر

علم[1] کی ترغیب[2]

لڑکو! بالو! سنو کہانی — دیکھو طبیعت کی جولانی
اپنی بیتی تم کو سنائیں — کام کی سب باتیں سمجھائیں
سنی کہانی کام میں آئے — گر کوئی سنکر کام میں لائے
سب کو دیکھا کام پیارا — نہیں کسی کو چام پیارا
جب ہم چھوٹے چھوٹے سے تھے — کھیلتے کھاتے سو رہتے تھے
نیلوں میں تھا دودھ ہماری — اسپہ تھی کھیل اور کود ہماری
بے پروائی تھی دنیا سے — اور بے فکری تھی عقبیٰ[3] سے
غم نہ کمانے کھانے کا تھا — رنج نہ کچھ مرجانے کا تھا
چاہ تھی پیسے کی نہ ٹکے کی — پرکھ تھی کھوٹے کی نہ کھرے کی
شر سے بشر کے نفرت پیدا — انس پہ انسانوں کے شیدا
گھڑک دیا تو ہٹے جھجک کے — پیار کیا تو گئے ہمک کے
جاڑے میں جاڑے کا نہ خطرہ — گرمی میں گرمی کا نہ شکوہ
اس سے نہ کاہل اس سے نہ لرزاں — گرمی جاڑا دونوں یکساں
کچھ نہ نجاست سے نفرت تھی — اور نہ نفاست سے رغبت تھی
شرم نہ تھی ننگے پھرنے سے — خوف نہ لگتا تھا گرنے سے
ہم کو لباس سے بے پرواہی — اور نہ زینت سے آگاہی
بھوک لگی تو رونے لگے ہم — پیٹ بھرا تو سونے لگے ہم
بہت سی چیزیں ہمنے توڑیں — بہت سی باتیں ہمنے جوڑیں
جو چاہا مونھ سے بک ڈالا — بات انوکھی کام نرالا
اس سن جب آگئے اور بڑھے ہم — ایک نئی آفت میں پڑے ہم
مکتب میں لیجا کے بٹھایا — قید میں آزادوں کو پھنسایا
قاعدہ تھا ہاتھوں میں ہمارے — باتوں میں مشغول تھے سارے
قاعدے کے ورقوں کو مروڑا — پھٹ گئے تو تھوک سے جوڑا
مونھ میں جو آتا بکتے رہتے — ہر ایک کا مونھ تکتے رہتے
دیواروں سے باتیں کرتے — ذرا ذرا سی بات میں لڑتے
بیٹھے بیٹھے دل گھبراتا — مکتب سے جی اکتا جاتا
پیٹ میں گاہے درد بتایا — دھوپ میں بیٹھ بخار چڑھایا
ہر دم کر کے نیا بہانہ — غرض ہمیں مکتب سے جانا
سارا وقت یونہی کھوتے تھے — تھے بیدار مگر سوتے تھے
کھیل اور کود میں شوق سے جاتے — مکتب جانے سے کنیاتے
چیختے چلاتے اور روتے — کہتے کہ ہم پیدا ہی نہ ہوتے
اوّل اوّل رہی مصیبت — رفتہ رفتہ پڑ گئی عادت

باقی

(از حضرت سجاد کوتانوی)

[1] یہ نظم ۱۱ اگست ۱۸۹۹ء کو ہوشیارپور پنجاب میں لکھی گئی (جواد)

[2] شوق دلانا [3] چمڑا [4] آخرت - مرنے کے بعد کی دنیا [5] شرارت

عجائب خانہ سمندر

۶ - اُڑنے والی مچھلی :- فلائنگ فش

یعنی اُڑنے والی مچھلی - یہ مچھلی گرم ملکوں کے سمندروں

میں پائی جاتی ہی۔ اس کا قد تقریباً ایک فٹ لمبا ہوتا ہی۔ دم غیر معمولی طور پر بڑی اور پھیلی ہوئی ہوتی ہے اور دونوں پر بھی نہایت طاقتور ہوتے ہیں جن سے یہ پرندے کے پروں کی طرح کام لیتی ہی اس کے گلپھڑوں میں ہوا کے گولے بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اس کو اُڑنے والی مچھلی اس لئے کہا جاتا ہی کہ یہ

سمندر کی سطح سے بلند ہو کر اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہی۔ ایک زمانہ تک دنیا کے عقلمند یہ سمجھا کرتے تھے کہ فلائنگ فش اُڑتی نہیں بلکہ بہت لمبی جست کرتی ہی، مگر بعد میں ثابت ہو گیا کہ یہ حقیقت میں پرندوں کے مانند اُڑتی ہی، جب تک پانی میں رہتی ہی اسکے پر دبے اور جسم سے چمٹے ہوئے رہتے ہیں، مگر جب اُڑنا چاہتی ہی تو پروں کو دو چھتریوں کے مانند کھول لیتی ہی اور گلپھڑوں میں ہوا کے جو گولے ہیں اُن کو ہوا سے بھر لیتی ہے اور پانی کی سطح سے جست کر کے ہوا میں بلند ہو جاتی ہی۔ بعض وقت تو بڑے بڑے جہازوں کے سکانوں سے بھی اونچی اڑتی دکھائی دیتی ہے۔

اس کے پروں میں اڑنے کے وقت پرندے کے پروں کی طرح حرکت نہیں ہوتی بلکہ کیڑوں کے پروں کی مانند وہ آہستہ آہستہ ہلتے رہتے ہیں۔ بعض وقت پانی کے قریب پہنچکر پانی میں اُترے بغیر پھر سیدھی ہوا میں اونچی ہو جاتی ہی، لوگوں نے اسے تقریباً ایک ایک میل تک مسلسل اُڑتے دیکھا ہی اور جب اسکے پروں کا پانی خشک ہو جاتا ہی تو اڑ نہیں سکتی بڑے دریائی جانوروں کے علاوہ انسان بھی اس کا گوشت بہت لذیذ سمجھکر کھاتا ہی۔

۷ - شہسوار مچھلی، شہسوار مچھلی کو انگریزی میں سکنگ فش ——— کہتے ہیں اس لئے کہ اس کی پیٹھ میں گردن سے لے کر دُم تک چھوٹے چھوٹے طشتریوں کے سے ڈھانچے بنے ہوتے ہیں اور ان میں جذب کرنے، چوسنے، ہوا کھینچنے اور چمٹ جانے کی ایسی غیر معمولی طاقت ہوتی ہی کہ جس جانور یا پتھر کو ایک مرتبہ چمٹ جاتی ہی پھر چھوڑائے نہیں چھوٹتی شارک ایک بڑے قسم کا نہایت خونخوار دریائی جانور ہوتا ہوتا ہی جس کو دریائی شیر بھی کہتے ہیں، یہ سکنگ فش عموماً شارک کی پیٹھ سے چمٹ جایا کرتی ہی اور جیسے سی اینوں ہر مٹ کراب کی پیٹھ پر سوار سمندروں میں پڑا پھرتا ہی ویسے ہی سکنگ فش شارک کی پیٹھ پر ہزاروں

میل کا دریائی سفر کرتی پھرتی ہی بعض وقت جہازوں کو شارک سمجھ کر جھپٹ جاتی ہی اور کبھی کبھی دریائی گھوڑے بھی اس کے لیے گھوڑے کا کام دیتے ہیں۔

۵۔ ماہی گیر مچھلی:- ماہی گیر مچھلی کو انگریزی میں انگلر فش کہتے ہیں،

یہ نہایت ہی بدوضع، بدہیئت اور ڈراؤنی صورت کی مچھلی ہوتی ہی، اور بعض سمندروں میں یہ پانچ پانچ فٹ تک لمبی پائی گئی ہی۔ یہ سمندر کی تہ میں اپنے پروں پر اس طرح چلتی ہی جس طرح انسان اپنے پاؤں پر۔ اس کے مونھ پر سر اور جسم کے جوڑ کے کے پاس سے ایک نہایت پتلی، لمبی، لچکدار اور آگے سے خمیدہ ہڈی نکلی ہوئی ہوتی ہی۔ اس ہڈی میں سے دو نہایت خوبصورت مچھلی کے پروں کے مانند پر لٹکتے رہتے ہیں، یہ ہڈی اور یہ دونوں پر انگلر فش کے لیے وہی کام دیتے ہیں جو تمھیں اور ہمیں مچھلی کے شکار کے وقت کانٹا یا گل کام دیتی ہی۔ بات یہ ہی کہ یہ مچھلی چاہے پروں پر چلتی رہے چاہے تیرتی رہے اتنی بھدی اور سست ہی کہ تیزی اور پھرتی کا اس میں نام نہیں اس لیے دوسرے جانور تیز تیز اس سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے شکار کرنے کا طریقہ یہ ہی کہ پروں سے ریتی سرکا کر اپنے آپ کو اس طرح دفن کر لیتی ہی کہ مونھ کا تھوڑا سا حصہ اور وہ قدرتی گل باہر رہ جاتے ہیں، دوسرے جانور اس گل سے دو پروں کو لٹکا ہوا دیکھ انھیں چھوٹی مچھلیاں سمجھ کر کھانے کیلیے قریب آتے ہیں وہ فوراً ان کا شکار کر لیتی ہے۔

حضرت امام اعظم اور ایک حجام

کوفہ کے رہنے والے اور مسلمانوں کے مشہور امام حضرت ابوحنیفہ کا نام تم نے سنا ہوگا، یہ بڑے بزرگ اور عالم تھے۔ اور علم دین کے بڑے ماہر لیکن اسی زمانہ میں ان کو ایک ایسا اللہ والا حجام ملا جس نے آپ کو بھی دین کی پانچ باتیں بتائیں۔ یہ بہت اچھی اچھی باتیں تھیں۔ ہم تم سے بیان کرتے ہیں امام صاحب نے

اس حجام کی بہت قدر کی اور یہ قصہ خود لوگوں کو سنایا کرتے تھے تاکہ دوسروں کو بھی سبق حاصل ہو۔ قصہ یہ ہے کہ ایک بار امام صاحب حج کے لئے مکہ شریف تشریف لے گئے۔ اور وہیں ایک حجام کو خط بنوانے کے لیے بلایا۔ نائی حاضر ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا: "بھئی کیا اُجرت لوگے"

نائی نے جواب دیا "حاجی لوگ مزدوری نہیں ٹھہراتے"

آپ کو چپ ہونا پڑا۔ اور خط بنوانے کے لئے بیٹھ گئے۔ مگر مونھ قبلہ کی طرف کرکے بیٹھنا یاد نہ رہا نائی نے فوراً پھر ٹوکا اور کہا: "قبلہ کی طرف ہوکر بیٹھیئے"

امام صاحب فوراً قبلہ کی طرف ہوگئے۔ مگر پھر بھول ہوگئی اور بائیں طرف سے خط بنوانے کا ارادہ کیا۔ نائی سے پھر نہ رہا گیا اور اس نے کہا: "نہیں پہلے داہنی طرف سے بنائی جاتی ہے" امام صاحب اپنی غلطی پر شرمندہ ہوکر چپ ہو رہے اور نائی نے خط بنانا شروع کیا تو کہا: "تکبیر پڑھتے رہیئے" آپ تکبیر پڑھتے رہے۔ آخر جب وہ حجامت سے فارغ ہوا تو آپ اُٹھ کر جانے لگے۔ نائی نے کہا: اب آپ کہاں جاتے ہیں" امام صاحب نے جواب دیا: جہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ (یعنی قیام گاہ پر)

نائی یہ سُنکر بولا: "اوّل دو رکعت نماز تو پڑھتے جائیے"

اب تو امام صاحب مان گئے اور اس سے پوچھا: بھائی یہ باتیں اور یہ آداب تم کو کس نے بتلائے نائی نے اس زمانہ کے ایک بزرگ محدث[1] کا نام لیا اور کہا حضرت عطا کا یہی دستور تھا"

اللہ اللہ یہ تھے اس زمانے کے آداب۔ امام صاحب نے بہت قدر کی اور انعام دیکر رخصت کیا۔

محوی لکھنوی
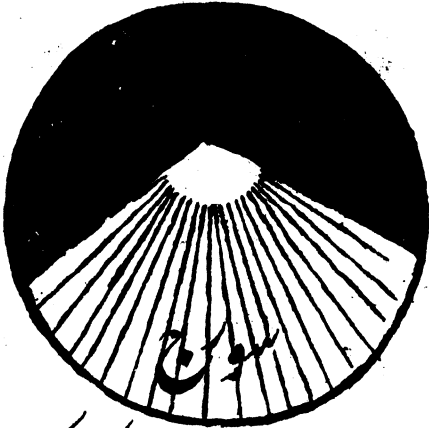
پیام بھائیو! سورج تو تم روز دیکھتے ہو۔ کبھی یہ بھی خیال آیا کہ آخر یہ ہے کیا چیز۔

جس طرح ہماری تمہاری یہ دنیا ہے جس میں ہم

[1] علم حدیث کے بڑے ماہر۔

رہتے بستے ہیں۔ اسی طرح سورج چاند، اور ستاروں
کی بھی دنیا ہے۔ اور جس طرح ہمارے یہاں کی ہر ایک
چیز قاعدے اور انتظام سے ہے اسی طرح وہاں بھی ہر
سورج اس دنیا کے (جسے نظام شمسی بھی کہتے ہیں)
بیچ میں ہے۔

تم نے جغرافیہ میں پڑھا ہوگا کہ ہماری زمین
بالکل گیند کی طرح ہے۔ سورج کا بھی یہی حال ہے۔
فرق یہ ہے کہ سورج ہماری زمین سے کئی ہزار گنا بڑا ہے
مثلاً اگر ایک تیز ریل گاڑی دنیا کے گرد سفر کرے
تو یہ سفر تین ہفتہ کے بعد پورا ہو، اور یہی گاڑی اگر
سورج کے چاروں طرف چکر لگائے تو اُسے چلتے چلتے
تقریباً ۵ سال لگجائیں گے تب جا کر اپنا چکر ختم
کر پائے گی۔

تم کوئلہ یا لکڑی کی آگ تو روز دیکھتے ہو انکی
آنچ کیسی تیز ہوتی ہے۔ اگر دہکتے ہوئے کوئلوں یا جلتی
ہوئی لکڑیوں کے قریب تم ہاتھ لیجاؤ تو فوراً جل جائے
مگر یہ آگ زیادہ دیر تک نہیں رہنے پاتی کوئلہ اور
لکڑی تھوڑی دیر میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں، مگر سورج
کو دیکھو معلوم نہیں کتنے ہزار سال سے دہک دہک کر
ہمکو روشنی پہنچا رہا ہے، مگر ہمیشہ سے اتنے کا اتنا ہی ہے۔
نہ تو وہ کبھی جل کر راکھ ہوا اور نہ کبھی اُس کی جسامت
میں کمی آئی، اور حالانکہ وہ ہم سے ۹۲ کروڑ میل دور
ہے، پھر بھی اُس کی روشنی اور گرمی بہت جلد ہم تک
پہنچتی ہے۔

جو لوگ سورج، چاند ستاروں اور سائنس کا
علم جانتے ہیں اُنھوں نے اس بات پر بہت غور کیا
کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ سورج اتنے ہزار سال سے روشنی
پہنچا رہا ہے لیکن نہ تو اس کی روشنی میں ذرا کمی آئی
نہ گرمی میں، اگر یہ کوئلہ کا ہوتا تو ۲۵ ہزار سال میں جلکر
راکھ ہو جاتا۔ آخر سائنس کا ایک مشہور عالم ہوٹز اس
نتیجہ پر پہنچا کہ یہ روشنی اور گرمی کوئلہ کی نہیں بلکہ مختلف
گیسوں کی ہے۔ اور یہ گرمی اور تپش جو ان گیسوں سے
پیدا ہوتی ہے دن بدن سورج کو سکیڑتی ہے، لیکن اس قدر
کم کہ ہمیں بالکل پتہ نہیں چلتا۔ سائنس کے بہت سے
عالموں نے ہیلم ہوٹز کے کہنے پر سورج کو اسی وقت
ناپ لیا تھا اور ایک مدت کے بعد پھر ناپیں گے تاکہ
یہ معلوم ہو کہ ہیلم ہوٹز کا خیال کہاں تک صحیح ہے۔

اگر تم اُس دوربین سے دیکھو جس سے سورج کی
روشنی کم دکھائی دیتی ہے۔ تو تمھیں سورج کی شکل کا اندازہ
ہو جائے گا۔ پہلے تو تمھیں ایک دہکتا ہوا گولا معلوم
ہوگا۔ پھر بعد میں گیند کی سی صورت معلوم ہوگی۔ تم
یہ بھی دیکھوگے کہ اس کے بیچ میں بہت روشنی ہے لیکن

ادھر ادھر چاروں طرف ڈھندلا سا ہے۔ اس میں بہت سے سفید سفید داغ بھی نظر آئیں گے روشنی انھیں میں سے پھوٹ کر نکلتی ہے۔ انھیں چھوٹی چھوٹی مشعلیں کہتے ہیں لیکن ان سے زیادہ دلچسپ کالے داغ ہیں جب سورج میں طوفان آتا ہے (او روہاں سخت طوفان آتے رہتے ہیں) تو جگہ جگہ سے گیسوں میں دراریں (شگاف) پڑجاتے ہیں اور یہ کالے داغ دکھائی دیتے ہیں، ان میں سے سب سے چھوٹا داغ ہندوستان جیسے کئی ملکوں کے برابر ہوگا۔ اور سب سے بڑا داغ تو ہماری دنیا سے ساٹھ گنا بڑا ہے یہ داغ ہمیشہ نہیں رہتے بلکہ کبھی تو چند گھنٹوں میں غائب ہوجاتے ہیں اور کبھی ہفتوں بلکہ مہینوں تک دکھائی دیتے ہیں۔

تمھیں یہ تو معلوم ہوگا کہ سائنس اور جغرافیہ کے عالموں نے ایک لکیر فرض کی ہے جو زمین کے بیچ سے ایک سرے سے دوسرے سرے میں جانکلتی ہے۔ ہماری دنیا اس لکیر کے گرد چکر لگاتی ہے اور چوبیس گھنٹوں میں اپنا چکر پورا کرتی ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ سورج بھی اپنی لکیر کے گرد چکر لگاتا ہے مگر سورج چونکہ ہماری دنیا سے بہت ہی بڑا ہے اس لیے اس کا چکر بھی کہیں ۲۵ دن میں جاکر پورا ہوتا ہے۔

یہ سورج کے بہت ہی ذرا سے حالات ہیں، اگر پورے حالات لکھے جائیں تو کئی کتابیں طیار ہوجائیں حالانکہ سورج کے متعلق تحقیقات پوری نہیں ہوئی ہے بہت سی حکومتوں نے سائنس جاننے والوں کو اس بات پر مقرر کیا ہے کہ سورج کے متعلق نئی نئی باتیں معلوم کرتے رہیں۔ بہت سی جگہیں بنائی گئی ہیں جہاں یہ لوگ دوربینوں سے سورج کو دیکھتے رہتے ہیں اور اسکے کالے داغوں اور طوفانوں کے حالات معلوم کرتے رہتے ہیں، اور ہر روز دنیا کے سامنے کوئی نہ کوئی تحقیق پیش کرتے رہتے ہیں۔

پیام بھائیو! سورج ہماری بلکہ ساری دنیا کی زندگی کے لیے ضروری چیز ہے، اسی کی کرنوں سے تمام حیوان اور نباتات وغیرہ غرض تمام چیزیں بڑھتی اور بڑی ہوتی ہیں یہ نہ ہو تو تمام دنیا پر اندھیرے اور سخت سردی کی حکومت ہو۔

(دولت خانم بنت حاجی عبداللہ ہارون)

صحت آباد

کھیل میں کام کرنے والے:۔ مسافر لڑکی۔

سپاہی

صحت آباد کی چند لڑکیاں

منظر۔(صحت آباد کی فصیل کے باہر، دروازہ پر سپاہی پہرے پر کھڑا ہی۔ دیوار کے ساتھ ایک بنچ پڑی ہی۔ ایک مسافر لڑکی داخل ہوتی ہی تھکی ماندی کندھے ڈھیلے چھوڑے ہوئے اور پاؤں گھسیٹتی ہوئی چل رہی ہی وہ بنچ پر آکر لیٹ جاتی ہی۔ اپنی ساڑھی کا دامن مونھ پر لے لیتی ہے اور سو جاتی ہی)

سپاہی (ہوشیاری سے) کون ؟

(لڑکی اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہی۔ اور سپاہی کی طرف دیکھنے لگتی ہی۔)

سپاہی (ادب سے) آپ بیمار معلوم ہوتی ہیں کیا میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں۔

لڑکی۔ (تھکی ہوئی آواز میں) شکریہ۔ میں تھوڑی دیر کے لئے، آرام کرنا چاہتی ہوں۔

(لڑکی زور زور سے کھانسنے لگتی ہی۔ لیکن مونھ کے سامنے کوئی چیز نہیں رکھتی)

سپاہی (غصہ سے) دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ ورنہ میں تمھیں گرفتار کرلوں گا۔ اس گاؤں میں جو لوگ اس طرح کھانستے ہیں ان کو گرفتار کرلیا جاتا ہی۔ اس سے کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ہمیشہ کھانستے وقت رومال مونھ پر رکھ لیا کرو (گشت لگانا شروع کردیتا ہی)

لڑکی۔ میرے پاس تو کوئی رومال نہیں۔

سپاہی۔ کوئی رومال نہیں! کیوں؟ یہ تو ایسی ضروری چیز ہی جیسے دانتوں کے صاف کرنے کا برش

لڑکی۔ دانتون کا برش!

سپاہی۔ اس کا یہ مطلب ہی کہ تم کبھی دانت بھی صاف نہیں کرتی ہو۔

لڑکی۔ میں انگلی یا ریت سے دانت صاف کرلیا کرتی ہوں۔

سپاہی۔ ریت سے دانتوں کو نقصان پہنچتا ہی۔ اس سے مسوڑھے پھٹ جاتے ہیں۔ اور اُن سے خون نکلتا ہی۔

لڑکی (شرم کر) مسا[illegible]

رمیا[illegible]

اور اس طرح موںھ میں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں

لڑکی ۔ اوہ ! میں تھک گئی ہوں ۔ کیا قہوے کی ایک پیالی مل سکیگی ؟

سپاہی ۔ اُس سے کیا فائدہ ہوگا ؟

لڑکی ۔ میں تازہ دم ہو جاؤنگی ۔

سپاہی ۔ ہرگز نہیں ۔ ایک لڑکی جو تمام دن سفر کرکے تھک چکی ہو، اُس کے لیے قہوہ کوئی طاقت دینے والی چیز نہیں ہو ۔ اس سے تمہارے دل کی حرکت چند گھنٹوں کے لیے اور تیز ہو جائیگی ۔ اس وقت تمہارے لیے کوئی اور چیز درکار ہے جس سے تمھیں طاقت مل سکے، ایک دودھ کا پیالہ یا چند چپاتیاں مفید ہونگی ۔ ہمارے گاؤں میں ہر ایک گھر سے تمھیں دونوں چیزیں ملجائیں گی ۔

تم بھی یہیں رہو ۔ تاکہ تم تندرست ہو جاؤ اور پھر تمہارا چہرہ ہمیشہ تر و تازہ رہیگا اور تمھیں زکام نہ ہوگا ۔

لڑکی ۔ کھانے سے زکام کا تعلق ہی ؟

سپاہی ۔ دونوں کا بڑا تعلق ہو ۔ ہمارے گاؤں میں زکام کا کہیں نام تک نہیں ۔ گاؤں کے لوگ رہنے سہنے کے معاملہ میں بڑی احتیاط کرتے ہیں ۔

لڑکی ۔ کیا کہا ؟ وہ کیا کرتے ہیں ؟

سپاہی ۔ بہت سی باتیں ہیں ۔ سوتے وقت وہ ہمیشہ کمرہ کی کھڑکیاں کھلی رہنے دیتے ہیں ۔

لڑکی ۔ کیا وہ رات کی سرد ہوا کو کمرے میں داخل ہونے دیتے ہیں ؟ اس وقت بھی اتنی سردی ہے ۔ (کانپنے لگتی ہی)

سپاہی ۔ رات کی سرد ہوا بری نہیں ہوتی ۔ اگر سردی لگے تو اوپر سے لحاف اوڑھ لو ۔ شاید تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جو رات کو موںھ اندر چھپا کر سوتے ہیں ۔

لڑکی ۔ اس میں کیا حرج ہی ۔ ہاں ! میں تو لحاف کے اندر موںھ چھپا کر سوتی ہوں ۔

سپاہی ۔ تم جب سانس لیتی ہو تو گندی ہو نکلتی ہے اور پھر وہی ہوا سانس کے ذریعہ دوبارہ تمہارے اندر چلی جاتی ہی، یہی وجہ ہی کہ تمھیں زکام ہو جاتا ہی

لڑکی ۔ (حیرانی سے) اگر موںھ نہ چھپاؤں تو مجھے بیمار ہو جانے کا ڈر رہتا ہی ۔ کہ کہیں میرے سر کو سردی نہ لگجائے ۔

سپاہی ۔ تم اپنا سر، موںھ کو لپیٹے بغیر بھی ڈھانپ سکتی ہو ۔ کیا تم نے نہیں سنا ۔ کہ ایک دفعہ بہت سے آدمی رات کے وقت ایک کمرے میں بند

کر دیے گئے۔ صبح جب دیکھا گیا تو سب پڑے سسک رہے تھے۔

لڑکی۔ (ڈر کر) میں نے نہیں سُنا۔ یہ کس طرح ہو گیا؟

سپاہی۔ تھوڑی ہوا کے باعث جو ہوا سانس کے ساتھ اندر سے نکلتی ہے وہ زہریلی ہوتی ہے جب دوبارہ وہ ہوا اندر جاتی ہے تو زہر کا اثر بُرا ہوتا ہے۔

لڑکی۔ خدا کی پناہ۔ اب تو اگر میں سردی سے اکڑ بھی جاؤں۔ تو بھی میں مونھ نہ ڈھاپوں گی۔

سپاہی۔ یہ ٹھیک ہے۔ پھر زکام بھی تم سے دور رہیگا۔ آؤ اب میں تمھیں کچھ کھانے کو دوں۔

سائیکل پر علی گڑھ سے آگرہ

۴

آپ کو یاد ہوگا ۲۶ جنوری کو ہم ۶۵ میل چل چکے تھے اور آج بھی ۲۳ میل کی آمد و رفت سے ۲۶ میل کا چکر لگ چکا تھا، پھر وقت بھی کم تھا اور سکندرا ۵ میل واقع تھا۔ میری ہمت نے تو جواب ہی دیدیا تھا لیکن نہ معلوم یونس صاحب جیسی ہڈیوں کے سانچے میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی کہ ع

ہمت تھی بلا کی تو ارادہ تھا غضب کا

صفی اللہ صاحب خاموش اپنی رفتار سے چل رہے تھے۔ ان کی خاموشی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ

اکبر کا مقبرہ

میری طرح ان پر بھی اس وقت سکندرہ جانا ناگوار گذر رہا ہے۔ چودہ برس کی جان پھر ایک سو دو میل کا سفر کر چکے تھے اگر اب بھی تھکن محسوس نہ کرتے تو کیا کرتے۔

مغرب کے وقت ہم سکندرا پہنچ گئے۔ مقبرے کے چاروں طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی صرف میدان ہی میدان نظر آتا تھا۔ آگے ایک پھاٹک نظر آیا اس میں داخل ہوتے ہی ایک شخص نے بڑے تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا اور دربار اکبری میں لے چلا مقبرے کے اندر کے حصہ میں اندھیرا تھا۔ اس تاریکی میں جو جلال محسوس ہو رہا تھا اُسے قلم کے ذریعہ ادا کرنا مشکل ہے، مجاور(۱) نے ایک خوبصورت سی لالٹین اُٹھائی اور آگے بڑھا۔ آخر ایک سفید پتھر کی چٹان کے سامنے جا کر رُک گیا۔ یہ ایسی ہستی کی قبر تھی جسے لوگ شہنشاہ اکبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ نظارہ ایسا ہیبت ناک تھا کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم قبر کے کھُدے ہوئے حرفوں کو دیکھ رہے تھے جو کلام پاک کی آیتیں تھیں اور بہت ہی خوبصورت لکھی ہوئی تھیں ادھر صفی اللہ صاحب کی آنکھیں نم معلوم ہوتی تھیں یونس صاحب نے بھی ہر چند کوشش کی کہ دلی جذبات ظاہر نہ ہونے پائیں، لیکن جتنا ہی ضبط کرتے آنکھیں سرخ ہوتی جاتیں۔

۲۸ جنوری کو عید کا دن ہی ہم بھی نئے کپڑے پہن رہے تھے۔ گرچہ ہاتھ پاؤں قمیص اور پاجامہ پہننے میں مصروف تھے لیکن دماغ میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔ کلکتہ کی عید کا سماں آتا اور گذر جاتا۔ نہ معلوم کتنی زندہ روحیں آتیں اور عید سے پہلے ہی گلے مل کر چلی جاتیں۔ پھر فوراً آنکھیں کالج کا نظارہ دیکھنے لگتیں، کان میں "عید مبارک" کی صدا گونجتی۔ لیکن پھر فوراً اپنے کو آگرہ میں پاتے۔ اس عمر میں ہم تینوں کا یہ پہلا موقع تھا کہ دوہری غریب الوطنی میں عید منا رہے تھے۔

نماز بعد ہم لوگوں نے علی گڑھ کا رستہ لیا اور جس طرح گئے تھے اسی طرح مغرب کے بعد علی گڑھ پہنچ گئے پڑوسیوں نے "عید مبارک" "Tour مبارک" کی صدا بلند کی اور خوب زور سے بھینچ بھینچ کر گلے ملے۔

(معین الدین احمد علی گڑھ یونیورسٹی)

---

(۱) جو شخص بزرگوں اور بڑے لوگوں کے مزاروں اور مقبروں پر جھاڑو دیتا اور دوسری خدمت کرتا ہے مجاور کہلاتا ہے۔

ایک بہادر لڑکا

(۲)

ایک دن نیلو اپنی چھوٹی سی کشتی میں دریا کی سیر کر رہا تھا۔ اس کا چھوٹا بھالا اس کے پاس تھا، پانی بالکل ساکن تھا۔ سامنے کنارہ تھا۔ نیلو وہیں اترنا چاہتا تھا کہ اسے پانی میں غرغراہٹ سنائی دی، اور تھوڑی دیر کے بعد نیلو نے اپنے دشمن دریائی گھوڑے کا سر پانی کے اندر سے اوپر اٹھتے دیکھا۔ نیلو اگرچہ اس بے موقع لڑائی کے لئے تیار نہ تھا مگر دشمن نے کھلا ہوا چیلنج دیدیا تھا مجبوراً اپنے پتوار کو رکھدیا اور بھالا اٹھا لیا۔ گھوڑے نے کشتی میں ٹکر مارنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے نیلو کا بھالا اس کے سر سے ٹکرایا اور اسکو پیچھے ہٹنا پڑا، اسنے دوسری مرتبہ بہت ہی غصہ سے کشتی پر حملہ کیا اور ایک ہی وار میں کشتی چور چور ہوگئی۔ لیکن نیلو اس ٹکر سے پہلے ہی پانی میں کود چکا تھا وہ جلدی سے کنارے پر پہنچ گیا۔ ادھر گھوڑے نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ مگر اب وہ نیلو کا کچھ نہ بگاڑ سکا بلکہ نیلو نے اس کو بری طرح زخمی کردیا مگر اس لڑائی میں نیلو کا بھالا ٹوٹ گیا اور اسنے جلدی سے ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ کوئی اور چیز ملجائے جس سے وہ اپنا بچاؤ کر سکے۔ کھاڑی کے ایک کنارے پر ایک لٹھا سا پڑا تھا نیلو لپک کر اس کے پاس پہنچا اور اس کو پکڑ لیا۔ وہ اسوقت غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اس لیے اس نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ وہ جس کو لٹھا سمجھ رہا ہے وہ ایک گھڑیال تھا جو کنارے کے قریب دھوپ میں پڑا تھا اور جب نیلو نے اس کو پکڑا تو وہ جاگ اٹھا اور اسنے نیلو کا بازو اپنے زبردست جبڑوں میں دبا لیا، نیلو نے کوشش کی کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات پائے، مگر اس کی گرفت سے خلاصی ناممکن نظر آنے لگی، گھڑیال نے اور مضبوطی سے اپنے تیز دانت اسکے بازو میں پیوست کردیے اور اس کو مونھ میں دبائے دریا کی تہ میں چلا گیا۔ کیونکہ گھڑیال اپنا شکار اسوقت تک نہیں کھاتا جب تک اسمیں ذرا سی بھی جان رہتی ہے نیلو اب موت کے مونھ میں تھا اور اب وہ چند منٹ کا مہمان تھا، اس کا سانس گھٹ رہا تھا بازو بے کار ہو چکا تھا مگر اس کے حواس قائم تھے اور وہ بہادری اور استقلال سے موت کا انتظار کرنے لگا۔

خدا کی قدرت اس کا دشمن دریائی گھوڑا جو ابھی تک اس کی تاک میں تھا جب اس نے نیلو کو

گھڑیال کے مونھ میں دیکھا تو اُس پر حملہ کرنے کے لیے
جھپٹا، گھڑیال نے خیال کیا کہ شاید گھوڑا مجھ پر حملہ
کرنا چاہتا ہی اُس نے جلدی سے نیلو کو چھوڑ دیا۔
اگرچہ اس وقت اُس کا سانس لبوں تک آچکا تھا
مگر اس نے ایک بار جان بچانے کے لیے ایک چھلانگ
ماری تو وہ پانی کی سطح پر تھا۔ اُس نے اپنا مونھ کھولا
پھیپڑوں کو ہوا پہنچائی۔ اور جب ذرا سانس قائم ہوا
تو تیر کر کنارے پر پہنچ گیا جو وہاں سے چند فٹ کے
فاصلہ پر تھا۔ وہ مشکل کنارہ پر چڑھا اور دو قدم چلکر
زمین پر گر گیا۔ اس کی ناک اور مونھ سے بہت سا پانی
نکلا۔ وہ ایک مرتبہ پھر اُٹھا، ۴، ۵ گز کی چھلانگ لگائی
اور بیہوش ہو کر گر گیا۔

دوسرے روز نیلو کو اس کے گاؤں والوں نے کنارہ
پر بیہوش پڑا پایا وہ اُس کو اٹھا کر لائے کچھ شوربا اُسکی
حلق میں ٹپکایا۔ تو تھوڑی دیر میں اُس کے ہوش حواس
ٹھیک ہوگئے اور دوسرے دن وہ بالکل اچھا ہوگیا سوائے
اس کے کہ اس کے بدن پر چند زخم تھے۔ اور کوئی بات نہ تھی۔
جب کانگو مشن کے پادری کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اس نے
نیلو کو ایک سونے کا تمغہ دیا۔ مشن کے سب دعورتوں نے
اسکی تعریف کی اور بہت سے لوگ اس بہادر لڑکے کو دیکھنے
آئے اور اب وہ اپنے قصبہ سے دور دور مشہور ہی اور سب اس کی عزت
کرتے ہیں۔

(محمد احمد سبزواری بھوپال)

لندن کا دوسرا خط

سینٹ پال

بھائی نصیر۔ اس سے پہلے کے خط میں تمھیں لندن کے حالات لکھ چکا ہوں اب کچھ اور حالات بھیج رہا ہوں امید ہے کہ تم انھیں دلچسپی سے پڑھو گے۔

(لندن کا دوسرا خط)

سینٹ پال کا گرجا اادرسے پرانی عمارت نہیں ہے۔ یہ گرجا ۱۶۶۶ء میں لندن کی مشہور و معروف آگ کے بعد جس نے آدھے سے زیادہ شہر کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا تیار ہوا تھا۔ اس کا بنانے والا سر کرسٹوفر رین تھا یہ عمارت بنانے کے فن کا بہت بڑا ماہر تھا اس کی قبر اسی گرجے میں ہے اور اس پر یہ الفاظ ہیں "اگر تم میری کوئی یادگار دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے ارد گرد نظر ڈالو"

اول بات تو یہ ہے کہ یہ عمارت ہی بہت اچھی ہے اس میں اور بھی بہت سے مشہور لوگوں کی قبریں ہیں۔ انگلستان کے بحری کپتان نیلسن کی قبر یہیں ہے۔ ولنگٹن جس نے نپولین کو شکست دی تھی اسی جگہ آخری نیند سو رہا ہے، مشہور ادیب ڈاکٹر جانسن کی قبر بھی یہیں ہے۔

اس کا گنبد بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ اوپر جانے کے لیے زینے ہیں۔ گنبد میں ایک گیلری بھی ہے اگر ہم گیلری کی ایک طرف کھڑے ہو کر کوئی بات آہستہ سے کہیں تو یہ دوسری طرف صاف طور سے سنائی دے گی۔

اچھا اب تم لندن کے کون سے حصہ کا حال سننا چاہتے ہو۔ مشرقی حصہ کا یا مغربی حصہ کا؟ میرا خیال ہے کہ مشرقی حصہ کا ذکر بے کار ہے۔ کیونکہ یہاں تو غریب اور نیچے درجے کے لوگ رہتے ہیں، اگرچہ اس حصہ میں بھی کہیں کہیں کھلی سڑکیں اور اچھی دکانیں ہیں لیکن مغربی حصہ کا کیا مقابلہ۔ جہاں عالیشان عمارتیں اور متعدد خوبصورت پارک اور باغات ہیں،

سب سے پہلے میں تمھیں ہائڈ پارک کی سیر کراتا ہوں۔ اس کا نام تو تم نے کئی مرتبہ سنا ہوگا۔ لندن کا سب سے مشہور پارک ہے۔ سینٹ پال سے اگر ہم کسی لاری میں بیٹھ کر چلیں تو راستہ میں سب سے پہلے ہمیں فلیٹ اسٹریٹ ملے گی یہاں اخبارات کے بہت سے دفتر ہیں اور یہاں کی دیواریں تو اخبارات کے اشتہاروں سے بھری رہتی ہیں۔ آگے چل کر ہم اسٹرینڈ میں پہنچتے ہیں، اس کے ایک طرف دریا ہے لیکن اب بڑی بڑی دکانوں کی وجہ سے نظر نہیں آتا قریب ہی نئی کچہریاں ہیں۔ بہت سی عمارتوں، اور تھیٹروں سے گزر کر ہم لندن کے بیچوں بیچ جا پہنچتے ہیں یہاں ایک وسیع اور کھلی جگہ ہے۔ یہ جگہ ایک تو یونہی خوبصورت ہے لیکن فوارے اس کی خوبصورتی کو اور دوبالا کر دیتے ہیں۔ یہیں نیلسن کا مجسمہ بھی ہے۔ اس کے پاس ہی

نیشنل آرٹ گیلری ہی جہاں ہم دنیا کی بہترین تصویریں
دیکھ سکتے ہیں۔

پال مال کو ایک نظر سے دیکھتے ہوئے ہم
پک ڈلے پہنچتے ہیں جو لندن کا خوبصورت ترین بازار
ہی۔ جہاں سے آگے چل کر ہائڈ پارک ہی۔ یہ پارک بہت
ہی خوبصورت ہی اس کے قریب ہی بہت سے ہوٹل
ہیں، یہاں بہت سی لوگ سیر کے لیے آتے ہیں، شام
کے وقت تو عجیب نظارہ ہوتا ہی۔ سبزہ زار، بچوں کا
دوڑنا اور کھیلنا۔ عورتوں کے رنگ برنگ کے لباس،
ہنسی، قہقہے، غرض کیا کہوں۔

میں یہ حالات بہت ہی مختصر لکھ رہا ہوں کیونکہ
میرے پاس وقت بہت ہی کم ہی۔

(باقی آیندہ)

ایک لومڑی کی مکّاری

ایک دفعہ ایک لومڑی کو بہت بھوک لگی۔
سردیوں کا زمانہ تھا۔ تمام زمین برف سے ڈھکی ہوئی
تھی۔ وہ بیچاری ادھر ادھر بہت دوڑی مگر کچھ بھی
کھانے کو نہ ملا۔ اتنے میں ایک آدمی ایک ٹوکری میں
مچھلیاں لیے قریب سے گذرا۔ لومڑی نے سونگھ کر
معلوم کر لیا کہ ٹوکری میں مچھلیاں ہیں۔ اس نے دل میں
سوچا۔ کسی ترکیب سے ایک آدھ مچھلی حاصل کرنا چاہیے
وہ بالکل مردوں کی سی شکل بنا کر اس آدمی کے راستہ
میں پڑ گئی، جب اس کی نظر اس مری ہوئی لومڑی پر
پڑی تو بہت خوش ہوا اور اٹھا کر اپنی ٹوکری میں
مچھلیوں کے ساتھ ڈال دیا۔

لومڑی کو موقع ملا۔ اس نے ایک اچھی سی مچھلی
موںھ میں پکڑ لی اور جھٹ آنکھ بچا کر ٹوکری میں سے
کود پڑی۔ اور ایک لمحہ کے اندر اندر یہ جا وہ جا نظروں
سے غائب ہو گئی۔ آدمی اس کی چال کو سمجھ گیا۔ مگر
"اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

لومڑی یہاں سے فرار ہو کر ایک گھنی جھاڑی میں
جا چھپی، اور مزے لے کر مچھلی کھانے لگی، ایک
گیدڑ خوراک کی تلاش میں کہیں سے آنکلا۔ اور
سونگھتے سونگھتے اس جھاڑی تک پہنچ گیا، اس نے
لومڑی کو مچھلی کھاتے دیکھا اور پوچھا "یہ تمھیں کہاں
سے مل گئی" لومڑی نے سارا قصہ سنا دیا۔

گیدڑ وہاں سے چل دیا۔ وہ آدمی ابھی دور
نہیں گیا تھا کہ گیدڑ نے بھی لومڑی کی طرح اپنے آپ کو
اس کے رستہ میں ڈال دیا۔ آدمی اس فریب کو جب کا
سمجھ گیا تھا۔ اس نے قریب آ کر اس کے ایسی زور
کی لات ماری کہ وہ بد حواس ہو کے بھاگ کھڑا ہوا، اور

اس نے واپس آ کر لومڑی کی بہت تلاش کی مگر ناکام رہا۔

لومڑی ابھی کھا رہی تھی، کہ ایک ریچھ نے اسے دیکھا اور پوچھا کہ یہ مچھلی تمھیں کیسے ملی؟ لومڑی نے جواب دیا کہ میں صبح سویرے فلاں تالاب گئی اور اپنی دم پانی میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر کے بعد نکالی تو دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک مچھلی چپکی ہوئی ہے ریچھ یہ سنکر چلا گیا اور ارادہ کیا کہ کل میں بھی ایسا ہی کروں گا۔

دوسرے دن صبح سویرے ریچھ اُس تالاب پر پہنچ گیا۔ اور اپنی دم پانی میں ڈال دی۔ اس خیال سے کہ اب ایک مچھلی اس کے ساتھ چمٹ جائے گی چونکہ سخت سردی کا زمانہ تھا اس لیے اس کی دُم پانی میں جم گئی۔ جب تھوڑی دیر کے بعد اُس نے دُم نکالنے کی کوشش کی، تو بہت کھینچ تان کے بعد وہ کٹ گئی اور ریچھ چیختا ہوا جنگل کی طرف ہو لیا۔

(احسان اللہ خاں بی اے جامعہ)

خوش خوئی

پیارے بچو! خوشخوئی کے معنی اچھی عادت کے ہیں۔ خوشخوئی ایسی چیز ہے جو کبھی نقصان نہیں دیتی بلکہ اُس سے بے انتہا فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

تم دیکھتے ہو کہ اگر کوئی شخص تم سے نرمی سے بولتا ہے اور تم کو پیار کرتا ہے، تمھارے ساتھ محبت کا برتاؤ رکھتا ہے تو تم اُس سے کتنا ہل جاتے ہو، اور کسقدر اُس کو یاد کرتے ہو، یہ اُس کی اچھی عادت ہی تو ہے جو تمھیں اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اگر تمھارے ماں باپ تمھارے ساتھ میٹھی اور نرم باتیں کرتے ہیں تو تم کتنے خوش ہوتے ہو۔ اور اگر وہ ذرا بھی تیز ہو کر بولیں تو تم ڈر کے مارے کانپنے لگتے ہو۔

حقیقت میں انسان اس خوشخوئی ہی کی وجہ سے عزت اور محبت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اپنے دلی مقصدوں کے پورا کرنے میں بہت جلد کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اُس سے بات کرنے میں بالکل نہیں اکتاتے اور اس کی طرف اس طرح متوجہ ہوتے ہیں جیسے اپنے کسی عزیز کی طرف۔ یہی تو وجہ ہے کہ وہ اپنے مطلبوں کو اتنا جلد پا لیتا ہے کہ دوسرا اتنی جلدی نہیں پا سکتا۔ اور

اس کی یہی عادت مرنے کے بعد بھی اس کا نام زندہ رکھتی ہے۔

خوشخوئی کے معنی یہی نہیں ہیں کہ تم نرمی سے بولو، بلکہ اس میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جن پر عمل کرنا ہر انسان کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ مثلاً کسی پر ظلم نہ کرنا کسی کو تکلیف نہ دینا۔ اپنے بڑوں سے ادب اور چھوٹوں سے محبت و نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ہر شخص سے تواضع اور عاجزی سے پیش آنا۔ انھیں تمام باتوں کا نام خوش خوئی ہے۔ اور وہی شخص خوش خو کہلانے کا مستحق ہے جو ان تمام باتوں پر عمل کرے

غور کرو پہلے بادشاہ جو ان تمام باتوں کا خیال رکھتے تھے تم ان کے نام کس محبت و ادب سے ابتک لیتے ہو۔ نوشیرواں، دارا، فریدوں ہی وہ بادشاہ ہیں جن کا نام خوش خوئی نے ابتک نہیں مٹنے دیا۔

دیکھو! ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے پیارے تھے وہ اسی وجہ سے ہر دلعزیز تھے اور اسی سبب سے اُن سے ہر چھوٹا اور بڑا عزت اور حرمت سے پیش آتا اور اُن کے واسطے اپنی جان تک دینے کو تیار رہتا۔

محمد کاظم منصبیہ کالج
میرٹھ

عقلمند نجومی

ایک بادشاہ نے اپنے شہر کے نجومیوں کی بہت شہرت سُنی اور اُس کے دل میں یہ خیال ہوا کہ ان کو آزمانا چاہئے تب اُس نے اپنا خیال درباریوں پر ظاہر کیا، اور کہا کہ کل نجومیوں کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ حکم کے مطابق نجومی دوسرے دن دربار میں حاضر کیے گئے تو بادشاہ نے انسے پوچھا "میں پہلے مرونگا یا میری ملکہ اور کہا اگر تمھارے کہنے کے مطابق نہیں ہوا تو قتل کر دیے جاؤگے، یہ سوال سنکر نجومی بہت پریشان ہوئے، لیکن ایک نجومی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا کہ آپ کی ملکہ پہلے انتقال کرینگی یہ جواب سُنکر سب اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ دربار برخاست ہونے کے بعد سب نے اُس نجومی سے پوچھا۔ اگر بادشاہ پہلے مرگیا تو تم قتل کر دیے جاؤگے۔ اُس نجومی نے جواب دیا۔ بادشاہ پہلے مرجائے گا تو سزا دینے والا کون رہیگا۔ اور اگر ملکہ پہلے مرجائے گی تو بادشاہ کچھ انعام دیگا۔

پیام بھائیو! ایک کی عقلمندی سے کتنے آدمی بچ گئے، ہمیشہ مصیبت کے وقت اوسان بجا رکھنے چاہئیں اور سوچ کر کام کرنا چاہیئے۔

م - ر

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم اے - پی ایچ ڈی - مطبوعہ جامعہ برقی پریس، دہلی

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروف علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگراں تعلیمی مرکز نمبر ۱، آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو **رہنمائے قاعدہ** کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا

قیمت ۔ ۲ر

علم کی ترغیب

(۲)

ختم کیا اب قاعدہ سارا شروع ہوا قرآن ہمارا
لکھنے کی لَم اور لگائی تختی قلم دوات منگائی
لکھا تھوکا اور مٹایا پھر ملتانی مل کے سکھایا
منھ کالا اور ہاتھ بھی کالے دھبّے سب کپڑوں پر ڈالے
پاجامہ پر گرہیں لکیریں تو کرتہ پر ہیں تحریریں
نیچلے ٹھوڑی کرلی کالی پھر ہونٹوں پر مونچھ نکالی
ساری دوات کو یونہی پھوڑا ہم تو بنیں گے مونچھ مروڑا
پڑھنے اور لکھنے سے زیادہ کھیل تماشے کے دلدادہ[۳]
کوئی جوان مکتب میں آیا ہم نے اُدھر کو دھیان لگایا
سوچتے ہیں یہ اپنے جی میں کیسا پھرتا ہے یہ خوشی میں
پڑھنے کی کچھ فکر نہیں ہے مکتب کا کچھ ذکر نہیں ہے
جس دن اتنے بڑے ہونگے ہم عیش میں خوب پڑے ہونگے ہم
گیند اور بلا۔ گلی ڈنڈا کر ڈالیں گے سب کا منڈا
گیڑیاں جنگل سے کاٹیں گے ٹکوے اور نلے چھاٹیں گے
خوب پتنگ بنائیں گے ہم ڈوریں لوٹ کے لائیں گے ہم
ایسے ہی سب سامان کرینگے پورے سب ارمان کرینگے
گھڑی گھڑی اور پل پل گن گن مکتب کے ہم کاٹتے تھے دن

آتے آتے سمجھ جو آئی عقل نے ٹھیک بات بتائی
تھے بے سود[۱] یہ ذکر ہمارے سارے غلط تھے فکر ہمارے
جاہل اور حیوان ہیں یکساں پڑھے لکھے کا نام ہے انساں
پڑھنے سے ہو جس کو رغبت اُسی کو ملتی ہے سب نعمت
محفل میں عزت ہوتی ہے شہروں میں شہرت ہوتی ہے
فخر کرے ہے اُس پر کنبہ قوم بھرے ہے اُس کا کلمہ
جسے خدا نے علم دیا ہے اُسے خلیفہ اپنا کیا ہے
جب اُمّی[۴] تھے حضرت آدم کرتے تھے طعن فرشتے پیہم
جب اللہ نے علم سکھایا انھیں سے تب سجدہ کرایا
ہے یہ علم کی ساری عزت علم خدا کی بڑی ہے نعمت
جو ہیں عقل کو کام میں لاتے کتے کا جھوٹا نہیں وہ کھاتے
پر جو شکار سکھایا جائے اور وہ شکار پکڑ کر لائے
ذبح کریں گر زندہ پائیں کھاویں ہویں مزے اُڑائیں
ہوا حلال جو کتا لایا علم سے کیسا رتبہ پایا
علم ہے ہر عزت کا دستاره[۲] علم ہے ہر دولت سے زیادہ
جتنا پڑھو اتنا ہی کم ہے پڑھتے جاؤ جب تک دم ہے

[۱] بےفائدہ، بیکار، [۲] تکیہ۔

[۳] شوقین [۴] جاہل

پہاڑی شہزادی

ایک دن صبح کے وقت ایک کمہارن مٹی لینے پہاڑ پر گئی اس کے ساتھ اُس کی چھوٹی بچی بھی تھی۔

جب وہ پہاڑ پر پہونچی، لڑکی کو زمین پر لٹا دیا اور خود مٹی کی تلاش میں نکل گئی۔ اتنے میں ایک عقاب وہاں آیا اور لڑکی کو اُٹھا کر اپنے گھونسلے میں لے گیا، لڑکی بالکل نہیں ڈری اپنے ہاتھ عقاب کی گردن میں ڈال دیئے اور اس سے کھیلنے لگی عقاب اس سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنے بچوں کی طرح سمجھنے لگا۔ وہ لڑکی کو بہت محبّت اور پیار سے پالنے لگا۔ اُسے پھل۔ ناریل، اور دوسری اچھی اچھی چیزیں لا دیتا۔ پہاڑوں پر چڑھنا بھی سکھایا۔

پہلے وہ لڑکی کے واسطے کسی میدان سے کسی کسان کے کپڑے اُٹھا لایا۔ مگر جب وہ بڑی ہوگئی تو عقاب نے سوچا کہ اب لڑکی کو شہزادی کا لباس پہننا چاہیئے۔ چنانچہ وہ بادشاہ کے محل میں گیا اور وہاں سے بوڑھی ملکہ کا چغا چُرا لایا اور لڑکی کو پہنا دیا۔ مگر لڑکی نے جلدی ہی اُتار دیا کیونکہ اس کے پہننے سے لڑکی کو چٹانوں پر چڑھنے میں دقت ہوتی تھی۔ عقاب اس کے لیے محل سے اور بہت سے اچھے اچھے کپڑے چُرا لایا۔ اس سے تنگ آکر ملکہ نے اپنے بیٹے سے عقاب مارنے کو کہا۔

شہزادہ حیران تھا کہ پرندہ کپڑوں کا کیا کرتا ہے۔ اور محل سے کس طرح چرالاتا ہے۔

کئی مہینے بعد شہزادہ پہاڑ پر چڑھا اور آخرکار جب وہ درمیان میں پہنچا تو ایک لڑکی کو بڑی میٹھی آواز سے گاتے سُنا۔ وہ بہت مشکل سے اوپر پہنچا اور دیکھا کہ ایک لڑکی عقاب کے گھونسلے میں بیٹھی ہے۔ شہزادہ اُس کے پاس گیا اور اس سے اُس کی زندگی کی کہانی سُننے کے بعد اُس سے محل میں چلنے اور شادی کرنے کو کہا۔ لڑکی شہزادہ کے ساتھ نیچے اُتر آئی۔ شہزادہ اُسے محل میں اپنے باپ (بادشاہ) کے پاس لے گیا اور اُس سے تمام حال کہہ سُنایا۔ بادشاہ نے لڑکی کو بہت پیار کیا۔ اور حکم دیا کہ شہزادے کی شادی کا انتظام کیا جائے۔

بوڑھی ملکہ کسی غیر لڑکی سے شہزادہ کی شادی کرنا نہ چاہتی تھی اُس نے دو آدمیوں کو حکم دیا

کہ لڑکی کو دریا میں پھینک آؤ۔" چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر عقاب نے لڑکی کے چیخنے چلانے کی آواز سن لی اور پھر اُسے محل میں واپس لے گیا دوسرے دن اُس کی شادی شہزادے کے ساتھ کردی گئی۔ بادشاہ چونکہ بوڑھا ہو چکا تھا اُس نے اپنے لڑکے کو تخت دیدیا۔ اس طرح یہ غریب لڑکی ایک پرندے کی محبت اور ہمدردی کی بدولت ملکہ بن گئی۔

رشید الدین۔ لاہور

ہمارے نبی کی اچھی باتیں

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

۱۔ دو عادتوں سے بڑھ کر کوئی اچھی عادت نہیں اوّل اللہ میاں پر ایمان لانا۔ اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچانا۔

۲۔ فرمایا جو خدا کی پناہ چاہے اُسے پناہ دو۔ جو خیرات مانگے اُسے خیرات دو۔ جو دعوت کرے اُسے قبول کرو۔

(شیخ محمد نصیر الدین سرہندی)

عجائب خانہ سمندر

دریائی خارپشت اور دریائی گھوڑا۔

مچھلیوں کی بعض قسمیں ایسی ہیں کہ اُن کی مُنھ کی وضع لمبی نلیوں کی سی بنی ہوئی ہے۔ اور انھیں نلیوں میں سے وہ پانی کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے کیڑے بھی اپنے میں کھینچ لیتی ہیں۔ انھیں میں پائپ فش اور دریائی گھوڑا بھی ہے۔ پائپ فش کی وضع قطع بالکل ایسی

ہوتی ہے کہ اگر تم اسے کسی چمن میں پڑا دیکھو

تو سمجھو گے کہ درختوں میں پانی ڈالنے کا ایک
لمبا گول فوّارہ پڑا ہوا ہے جس کے ایک
طرف ایک لمبی نلی ہے اور دوسری طرف
چپٹا سوراخ دار منھ بنا ہوا ہے۔ پایپ فش
اور دریائی گھوڑے کے نر جانوروں کے
جسم میں پیٹھ کی طرف دو بڑی بڑی تھیلیاں
بنی ہوتی ہیں۔ اور یہ جانور ان تھیلیوں میں
اپنے چھوٹے بچوں کو لیے پھرتے ہیں
ہیپوکامپس (Hippocampus) کے منھ
کی وضع اور چمکدار آنکھیں گھوڑے سے
اس قدر مشابہ ہیں کہ اس جانور کا نام ہی دریائی
گھوڑا رکھ دیا گیا ہے اس کے سر پر دو ایسے نمایاں
پر ہوتے ہیں کہ دور سے دیکھنے میں بالکل
گھوڑے کے کانوں کے مانند دکھائی دیتے
ہیں یہ مچھلی اپنی دم سے بندروں کی طرح
ہاتھ کا کام بھی لیتی ہے۔ اور سی ویڈین اپنی دم
لپیٹا کر اوندھی لٹکتی رہتی ہے۔ بعض قسمیں مچھلیوں
کی ایسی ہیں جن کا گوشت زہریلا ہوتا ہے۔ انھیں
میں پارکیو پائن فش (Porcupine Fish)
یعنی خارپشت مچھلی بھی ہے۔ اس کے نام ہی سے
تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ کس قسم کا جانور ہوگا۔ اس کے
جسم میں خارپشت یعنی سیہہ کی طرح بڑے
بڑے سخت کانٹے ہوتے ہیں۔ اور

دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے۔ جس وقت
یہ اپنے جسم کو پھلا کر کانٹوں کو کھڑا کر دیتی ہے
تو بڑی سے بڑی شارک کو بھی اس پر حملہ کرنے
کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس دریائی خارپشت
کی ایک اور قسم ہے جس کو تھادن بیک
(Than Back) کہتے ہیں۔ اس کے سر سے
دم تک آرے کے وضع کے بہت بڑے
کانٹے ہوتے ہیں اور دم میں بھی کئی کئی
صفیں کانٹوں کی ہوتی ہیں۔ جب اس پر حملہ
کیا جائے تو یہ اپنی دم اس پھرتی سے ادھر ادھر
مارتی ہے کہ قریب آنے والے جانور بری طرح
سے زخمی ہو جاتے ہیں۔

۱۰:- درختوں پر چڑھنے اور زمین پر چلنے والی

مچھلیاں:۔ انسانوں کی طرح چلنے اور درختوں پر چڑھنے والی مچھلیوں کو انگریزی میں مڈاسکیپرس (Mud skippers) کہتے ہیں۔ یعنی کیچڑ میں پھدکنے والے جانور

جس طرح انگلر فش پانی کے اندر پروں پر چلتی ہے اسی طرح یہ مچھلیاں کیچڑ اور دلدلوں میں، بہرحال زمین پر چلتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ انھیں پروں کے زور پر یہ چھوٹے درختوں پر بھی چڑھ جاتی ہیں، ان کی صورت ایسی بدہیئت ہوتی ہے کہ دیکھنے سے انسان کو بے اختیار ہنسی آجائے، درصل ان کو پانی کا جانور نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ اب یہ مینڈک کی طرح خشکی کے جانوروں میں شمار ہوتے ہیں اور سانس بھی ہوا میں لیتی ہیں۔ خشکی اور پانی کے جانوروں کے سانس لینے میں کیا فرق ہے۔ یہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ سردست یہ سمجھ لو کہ ان مچھلیوں میں قدرت نے بہت دیر تک سانس روک رکھنے کی طاقت عطا فرمائی ہے جس کے سبب یہ مہینوں زمین کے اندر مُردے کی طرح دفن ہو جاتی ہیں، اور پھر جہاں ذرا بارش ہوئی اور زمین نرم ہوئی کہ یہ بیدار ہو غذا کی تلاش میں مصروف ہوئیں۔ غذا کی تلاش اور جان بچانے کی خواہش نے مڈاسکیپرس کو پانی سے زمین کی طرف اور فلائنگ فش کو ہوا کا رخ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

(سید محمد عسکری)

سچائی کی فتح

حجاج بن یوسف کا نام تو تم نے سُنا ہوگا۔ یہ مکہ کا گورنر تھا۔ اگرچہ مسلمان تھا مگر بڑا ظالم تھا، اس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ مسلمانوں کے سردار جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے۔ چنانچہ یہ خطبہ پڑھنے کھڑا ہوا۔ مگر خطبہ اس قدر طولانی (لمبا) تھا کہ نمازی گھبرا گئے اور نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ لیکن اس کے

ظلم کے خوف کی وجہ سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت اور جرأت نہ ہوئی۔ وہیں ایک بے خوف سچے مسلمان بھی موجود تھے۔ وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے "نماز کا وقت ہو گیا ہے زیادہ دیر نہ کرنا چاہیئے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کر سکتا اور نماز میں کسی کی وجہ سے دیر نہیں کی جا سکتی۔ خدائے تعالیٰ اس طرح وقت ضائع کرنے کو معاف نہ فرمائیگا" بھرا مجمع تھا۔ حجاج کو ان کی یہ باتیں ناگوار ہوئیں۔ فوراً اُس نے حکم دیا اسے قید کر دو۔ اُسی وقت ایک سچے مسلمان ٹھکانے کی بات کہنے پر جیل خانہ میں بھیج دیے گئے لوگوں کو ان سے بڑی ہمدردی تھی۔ اور بے گناہ قید ہونے کا نہایت افسوس تھا۔ مگر کیا کرتے۔ ایک روز کچھ لوگ اُن سے ملنے کو جیل خانہ گئے۔ اور اُن سے کہا آپ اپنے کو دیوانہ ظاہر کرو تو چھوڑ دیے جاؤ گے۔ لیکن انھوں نے جواب دیا "خدا نے مجھے تندرست بنایا ہے، میں جھوٹ نہیں بول سکتا، آخر لوگ مجبور ہو کر چلے آئے۔ چند روز کے بعد یہ خبر حجاج کو بھی پہنچی۔ اگرچہ وہ ظالم تھا مگر تھا تو انسان اس صداقت (سچائی) نے اُس کے دل میں گھر کر لیا۔ اور بڑا اثر ہوا۔ اُسی وقت کہنے لگا ایسے سچے آدمی کو قید میں رکھنا مناسب نہیں ہے پھر حکم دیا کہ قیدی رہا کر دیا جائے۔ اس طرح سچائی کی بدولت انھوں نے نجات پائی۔ سچ کہا ہے کہ "سانچ کو آنچ نہیں"

(محمد حسین محوی لکھنوی)

گرمیوں کی ایک سہ پہر

گرمیوں کا موسم، مئی کا مہینہ، دھوپ کی تیزی سے جسم پُھک رہا تھا۔ میں کھانے کے بعد سہ پہر کے وقت اپنے مکان کے برآمدے میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ غضب کی گرمی ہے اس وقت برف میں لیٹ جاؤں تو شاید اطمینان ہو، نیند تو کسی طرح نہیں آسکتی۔ جی چاہتا ہے کہ ایک پنکھا ہاتھ میں لے کر سر تا پا اپنے کو جھل ڈالو، مگر پھر خیال آتا ہے کہ میں یہ کتنی دیر کر سکتا ہوں آخر ہاتھ تھک ہی جائیں گے پھر اس آرام سے کیا فائدہ جو چند منٹ نصیب ہو۔ سامنے ہرے ہرے درخت اس

دھوپ سے مرجھائے کھڑے ہیں۔ ایک ایک
پتی کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہی کہ جان ہی نہیں۔
سورج نکلتے وقت اور اس سے پہلے رات
کی ٹھنڈک نے ان ہی درختوں کو کس قدر
خوش و خرم کر دیا تھا کہ نیم کی ہر پتی پر چمک
اور رونق تھی۔ مگر اس تھوڑے سے وقت
میں کیسا رنگ بدل گیا۔ میں انھیں خیالات
میں غرق تھا کہ آسمان کے ایک کونے سے
بادل کی کڑک کی آواز آئی اور اس کے ساتھ
ہی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ یہ لیجیے بڑے
بڑے تناور درخت دھان کے پودوں کی
مانند جھوم رہے ہیں۔ گرد و غبار میں تمام درخت
مکان بڑی بڑی عمارتیں سب گم ہو گئی ہیں۔
آسمان اور زمین ایک ہو گئی ہیں۔ پتے، درختوں
کی چھوٹی چھوٹی خشک ٹہنیاں سب برآمدے
میں بے تحاشا دوڑی آ رہی ہیں اور کرسیوں
کے نیچے پناہ لے رہی ہیں، سامنے تپائی پر جو
اخبار رکھے تھے وہ اُڑ کر ایک درخت کے
تنے سے اس طرح چمٹ گئے ہیں جیسے کسی نے
گوند سے چپکا دیئے ہوں۔ آنکھ، ناک، کان سب
میں خاک گھسی ہوئی ہی، یا اللہ یہ کیا ماجرا ہی،

یا تو مخلوق گرمی سے بیتاب تھی یا اس درجہ
پریشان اس طوفان نے کر دیا کہ گھر میں رہنا
ہی مشکل ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دھوپ کی
موجودگی میں مینہ نے سلسلہ چھیڑا موٹی موٹی
بوندیں گرنے لگیں معلوم ہو رہا تھا کہ بڑے
بڑے موتی گر رہے ہیں۔ برسات بڑھتے بڑھتے
اس درجہ بڑھ گئی کہ پورے برآمدے میں خدا
جھوٹ نہ بلوائے تو ٹخنوں تک پانی بہنے لگا۔
ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا۔ وہی درخت،
وہی عمارتیں، وہی گھر سب دیکھتے دیکھتے جگمگا
اُٹھے۔ درخت اپنی گرد جھاڑ کر اصلی حالت پر
آ گئے۔ اب مینہ نے ذرا اطمینان کا سانس لیا
یعنی تھم گیا۔ اب کچھ فضا ہی اور تھی نہ وہ مرجھائے
ہوئے درخت ہیں اور نہ وہ افسردہ منظر بلکہ نہایت
ہی خوش گوار چاروں طرف ہرا بھرا سین ہی۔
پرند بھی اپنے کھوئے ہوئے گھونسلوں اور بچوں
کی تلاش میں منڈلاتے نظر آ رہے ہیں۔ سڑکوں
پر بھی لوگوں نے چلنا پھرنا شروع کر دیا ہی، اب
دنیا ہی اور تھی۔ کچھ دیر پہلے سڑک پر آدمی کا نام
و نشان ہی نہیں تھا اور نہ کوئی پرندہ پر مارتا دکھائی
دیتا تھا۔

(محمد بشیر الدین)

ایک مچھیرا اور مچھلی

ایک دن کشنا ندی کے کنارے ایک مچھیرا مچھلی پکڑنے کو آیا، بڑی دیر کے بعد ایک چھوٹی سی مچھلی اُس کے ہاتھ لگی، جب وہ مچھلی کو اپنی ٹوکری میں رکھنے لگا تو ننھی مچھلی اپنے آپ کو مچھیرے کے قبضہ میں پاکر بولی: "پیارے مچھیرے! مجھے چھوڑ دو"

مچھیرا "کیوں؟"

مچھلی: "اس لیے کہ میں بہت ہی چھوٹی ہوں، تھوڑے دنوں کے بعد اب سے دونی موٹی اور بڑی ہوجاؤں گی اور ایک کی جگہ چار کے کھانے کے کام آؤں گی تب تم پکڑ لے جانا بیچوگے تو بازار میں قیمت بھی زیادہ آئے گی۔

مچھیرا! تیرا کہنا ٹھیک ہے مگر پانی میں چھوڑ دینے کے بعد تیرا پھر ملنا ممکن نہیں"

مچھلی: پیارے مچھیرے! سچ کہتی ہو کہ میں یہیں رہوں گی کہیں نہ جاؤں گی"

ماہی گیر: "میں تیری مکاری خوب جانتا ہوں، تو چاہتی ہے کہ جھوٹا اقرار کرکے میرے ہاتھ سے نکل جائے، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اب تجھے میری ٹوکری ہی میں رہنا ہوگا۔

یہ کہہ کر ماہی گیر نے مچھلی کو رکھ لیا۔

پیام بھائیو! جو چیز ہاتھ آجائے اُسے آنے والی اُمید پر نہ چھوڑیئے۔

محمد عبداللہ شرقی شاگرد حضرت مولوی لکھنؤی

دولت اور علم

مصر میں دو امیرزادے رہتے تھے۔ ایک علم سیکھتا تھا۔ دوسرا دولت جمع کرتا تھا۔ پہلا مصر کا عالم ہوا۔ اور دوسرا مصر کا بادشاہ۔ بادشاہ اپنے عالم بھائی کو حقارت سے دیکھتا اور کہتا "میں بادشاہ بن گیا۔ اور تم ویسے ہی غریب رہے" وہ جواب دیتا۔ "اے بھائی، خدا کا شکر ہے کہ میں نے پیغمبروں کی میراث پائی یعنی علم۔ اور تم نے فرعون[1] کی میراث پائی یعنی مصر کا ملک۔

پیام بھائیو! علم دولت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

حمید اللہ

امپیریل لائبریری۔ کلکتہ

[1] فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔

دعا

اے خدا! اور بھی دعا کر لوں
نور سے تیرے اپنا دل بھر لوں
ایسی دنیا بنائی ہے کس نے
ایسی قدرت دکھائی ہے کس نے
چڑیوں کو پَر لگا دیا تو نے
اور اُڑنا سکھا دیا تو نے
کیسے بھاری درخت اُگائے ہیں
پھول سے کیسے پھل لگائے ہیں
کہیں جنگل ہے اور کہیں میدان
ہر جگہہ نت نئی ہے تیری شان
دور تک سبزہ لہلہاتا ہے
چشمہ آئینہ سا دکھاتا ہے
چڑیاں چشموں پہ چہچہاتی ہیں
تیری قدرت کا گیت گاتی ہیں
دل ہی مجھ کو بھی عطا کر دے
یعنی اس دل کو آئینہ کر دے
رات دن تیرا گیت گاؤں میں
اور اس چشمہ پر نہاؤں میں

(ابراہیم عمادی)

صحت آباد

(۲)

(دیوار کی دوسری طرف کسی کے ہنسنے کی آواز آتی ہے)

لڑکی۔ یہ کیا ہے؟

سپاہی۔ یہ ہمارے گاؤں کی لڑکیاں ہیں وہ دیوار کی دوسری طرف کھیل رہی ہیں، وہ سب خوش و خرم ہیں۔ تم بھی بنچ پر کھڑی ہو کر اُن کو کھیلتے دیکھو۔ لیکن خیال رکھنا کہیں کھانس نہ دینا

(وہ لڑکی کو بنچ پر چڑھنے میں مدد دیتا ہے)

مسافر لڑکی (سوچ بچار کے بعد) اُن کا وقت کس خوبی سے گزرتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ کبھی کسی لڑکی کو درد سر بھی نہ ہوتا ہوگا۔

سپاہی۔ ان کو کبھی درد سر نہیں ہوا کبھی زکام یا کسی اور قسم کی بیماری کی شکایت نہیں ہوتی۔ اُنکی طبیعت خراب نہیں ہوتی وہ ہمیشہ خوش رہتی ہیں۔

آوازیں۔ بہن سلام۔ تم بھی اندر آنا چاہتی ہو؟۔ ذرا ٹھہرو ہم سب باہر آرہی ہیں؟

(سپاہی اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پہرہ دیتا ہے۔ لڑکیاں قطار باندھے باہر نکلتی ہیں؟)

سب۔ کیا ہمارے ساتھ کھیلو گی۔؟
مسافر لڑکی۔ ہرگز نہیں کھیلنا لڑکیوں کے لیے بُرا ہی
ایک لڑکی۔ تم تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔
تمھاری کیا عمر ہی؟۔ بارہ سال؟
مسافر لڑکی۔ نہیں میں پندرہ سال کی ہوں
دوسری لڑکی۔ اچھا، تمہیں دیکھ کر تو یہ
معلوم ہوتا ہی کہ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ کیا تمہیں
عمدہ غذا نہیں ملتی۔
تیسری لڑکی۔ ہمارے ساتھ آرہو۔ دیکھو
پھر تم دنوں میں تندرست و توانا ہو جاؤ گی۔
مسافر لڑکی۔ میری ماں نے مجھے بتایا
ہی کہ آج کل کی لڑکیاں نرالی ہیں۔ اُن میں پہلی
عورتوں والی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ کیا
تمہیں کھیلتے ہوئے ڈر نہیں ہوتا۔ کہ تمھاری
اُنگلیاں خراب ہو جائیں گی۔ اور دُھوپ میں
کھیلنے سے جسم جھلس جائے گا؟۔ اس کا خیال ہی
کہ لڑکی کا موٹی تازی اور مضبوط ہونا بُری بات ہی۔
دوسری لڑکی۔ کیا تم اسی طرح نیم مردہ رہنا
پسند کرو گی؟ تمھارا چہرہ اُس گلاب کے پھول
کی طرح ہی جسے سورج کی دھوپ نصیب نہ ہوئی ہو
پہلی لڑکی۔ تمھارا خیال ہوگا کہ اچھی صحت
کے بجائے زرد رنگ بھلا معلوم ہوتا ہی۔
مسافر لڑکی۔ ہرگز نہیں۔ تم تو بہت اچھی
صحت میں ہو اور بھلی معلوم ہوتی ہو۔
تیسری لڑکی۔ تو پھر آؤ۔ اور ہمارے گاؤں
میں چل کر رہو۔
لڑکی۔ مجھے اجازت ہی۔ (یکایک وہ کھانسنے
لگتی ہی۔ لڑکیوں کو پرے ہٹتا ہوا دیکھ کر وہ حیران
ہو جاتی ہی اور فوراً مُنھ پر ہاتھ رکھ لیتی ہے) مجھے
بڑا افسوس ہی!
دوسری لڑکی۔ مجھے افسوس ہی کہ دینا آسان
ہی۔ لیکن اگر تم پھر ایسا کرو گی تو تم ہمارے گاؤں
میں نہیں رہ سکتی۔
پہلی لڑکی۔ ہم تمہیں اپنے گاؤں میں رہنے
کے متعلق ہدایات دینا چاہتے ہیں۔
لڑکی (کھسیانی ہو کر) شاید تمھاری ہدایات
عمدہ ہوں۔
دوسری لڑکی۔ سوتے وقت منھ کھلا رکھو
کمرے کی کھڑکیاں کھلی رہیں۔
مسافر لڑکی۔ یہ تو میں جانتی ہوں۔
تیسری لڑکی۔ رومال کا استعمال کرو۔
روزانہ ایک بار غسل کیا کرو۔ اور ہمیشہ

صبح کے وقت ہر روز ایک گھنٹہ
کھلی ہوا میں کھیلا کرو۔
قہوہ نہ پیو۔
غذا سادہ کھاؤ
پانی زیادہ پیو
کیا تم ان باتوں پر عمل کر سکو گی؟
مسافر لڑکی۔ جب تم کر سکتی ہو۔ تو میں کیوں
نہیں کر سکتی۔
پہلی لڑکی۔ آؤ ہمارے ساتھ چل کر تھوڑا سا
کھانا کھا لو۔ تم بہت تھکی ہوئی ہو۔

(شبیر محمد گجراتی)

ٹیکرا

ٹیکرا بھوپال میں ایک مشہور جگہ ہے
شہر کے باہر ایک پہاڑی
کے سب سے اونچے حصہ پر ایک مندر بنا ہے۔
کہتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں یہاں ایک بھانڈ
"منوا" نامی رہتا تھا۔ اُسی نے یہ مندر بنایا تھا
اسی واسطے اس پہاڑی کو "منوا بھانڈ کا ٹیکرا" بھی
کہتے ہیں، یہاں پر اکثر لوگ سیر و تفریح کے لیے
آتے ہیں، دن بھر یہیں رہتے ہیں اور پہاڑی کا
خوبصورت منظر دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اس مندر
کے بنانے والے کے حالات کچھ زیادہ معلوم
نہ ہو سکے لیکن یہاں ہم جو کچھ لکھیں گے وہ پیام
بھائیوں کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اگر ہم بھوپال میں لال گھاٹی والی سڑک سے
داخل ہوں تو بائیں ہاتھ پر ایک پہاڑی نظر آئیگی
اس پہاڑی پر اور اس کے نیچے خوشنما ہرے
ہرے درخت اور کھیت ہیں جو اس کی خوبصورتی
کو اور بھی بڑھا رہے ہیں۔ اس کے سب سے اونچے
حصہ پر ہم کو ایک گنبد نظر آئے گا۔ یہی جگہ ٹیکرا
کہلاتی ہے۔

ہمیں اس جگہ کے دیکھنے کا بہت شوق تھا،
اس لیے ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُسے
دیکھنے روانہ ہو گئے۔ ہمیں مندر تک جانے کا
صحیح رستہ معلوم نہ تھا۔ اس لیے ہم نے مندر کی
طرف منہ کر کے پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا۔ اور
آخر کار پتھروں اور گھاس وغیرہ سے گذر کر کچھ
گھنے درختوں تک پہنچ گئے۔ ان درختوں کے
سایہ میں بڑی بڑی چٹانیں تھیں ہم انھیں

چٹانوں پر کچھ دیر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔
پہاڑی سنسان تھی اس پر جنگلی پیڑ اُگے ہوئے تھے اور بالکل ایک جنگل معلوم ہوتا تھا لیکن جنگلوں میں جو وحشت ہوتی ہے وہ یہاں بالکل نہ تھی۔ بلکہ یہ ایک پُر فضا جگہ معلوم ہوتی تھی۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم پھر روانہ ہوگئے اور آخرکار مندر تک پہنچ گئے؛

یہ مندر کافی بڑا ہے اور بہت لمبی چوڑی زمین پر بنا ہے۔ عمارت پکی ہے۔ دروازہ پر ایک پتھر گرا ہے کہ کوئی اندر نہ جانے پائے۔
مندر کے سامنے ایک خوب صورت باغیچہ ہے، اس میں چوکیدار، محافظ، اور پجاری وغیرہ رہتے ہیں۔
ہم مندر کے برابر میں کچھ فاصلہ پر چند بڑی بڑی چٹانوں تک گئے اور ایک بڑی سی چٹان کے نیچے (جو اندر سے کٹی ہوئی تھی اور اُس کے سایہ میں چار پانچ آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے تھے) بیٹھ گئے۔

کچھ دیر بعد پیاس معلوم ہوئی اور مندر کے محافظوں کے پاس گئے، وہ اس وقت مندر کی چھت پر تھے۔ انھوں نے مندر کے سامنے اشارہ کرکے کہا، کہ وہاں ایک چشمہ ہے ہم بھی وہیں سے پانی لاتے ہیں، اس وقت پانی نہیں ہے، وہیں چلے جاؤ ہم رستہ بتاتے جائیں گے، آخرکار ہم روانہ ہوگئے، اور چشمہ تک پہنچ گئے۔ چشمہ کے آس پاس کی زمین بالکل برابر تھی۔ ایک کنارہ پر جامن کا درخت تھا۔ چشمہ پہاڑی کی زمین سے کوئی ایک فٹ نیچے ہوگا۔ پانی تک پہونچنے کے لیے ایک قدرتی نالی بنی تھی جو شروع میں تنگ تھی لیکن پانی تک پہونچنے پر کافی چوڑی ہوگئی تھی اس کے ذریعہ ہم پانی تک پہونچ گئے۔ وہاں پہنچ کر ہم نے ایک خاص بات یہ دیکھی کہ وہ جگہہ جہاں بیٹھ کر پانی پیتے تھے اتنی چوڑی تھی کہ ایک آدمی آسانی سے بیٹھ سکے اور جب پانی پینے کے لیے جھکے تو گرنے کا بالکل اندیشہ نہ رہے۔ پانی پی کر ہم پھر مندر واپس گئے اور آس پاس کی اونچی اونچی چٹانوں پر چڑھے ان چٹانوں پر سے پہاڑی کے اوپر اور نیچے کا حصہ بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ پھر ہم مندر کے پیچھے گئے یہاں بھی بہت سی چٹانیں اندر سے کٹی ہوئی تھیں، ایک چٹان تو ایسی کٹی تھی کہ اُس میں ایک کھمبا بھی تھا اور ایک چھوٹا سا گھر معلوم ہوتی تھی۔ ان چٹانوں کے اندر کے حصے آنے

جانے والوں اور سیر و سیاحت کرنے والوں کے ناموں سے لکھے پڑے تھے۔ ان ناموں کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ بہت دور دور سے آئے تھے۔ اب ہمیں بہت دیر ہوگئی تھی، اس لئے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ طے یہ ہوا کہ دوسرے رستہ سے لوٹنا چاہیئے، اس لیے مندر کے پیچھے سے روانہ ہوگئے۔ راستہ میں کانٹوں کے درخت کثرت سے تھے، اُن کے کانٹے کپڑوں میں اُلجھ جاتے تھے اور بہت مشکل سے نکلتے تھے، غرض بڑی دقت سے سڑک تک پہونچے، وہاں اپنے کپڑوں کو صاف کیا اور اپنے اپنے گھر روانہ ہوگئے۔

ہمارا یہ سفر بہت دلچسپ رہا اگر ٹھیک راستہ سے جاتے تو اتنی دلچسپی حاصل نہ ہوتی۔

(سید مسعود علی ترمذی تالگرامی)

کیا آپ کو اپنا نمبر خریداری یاد ہے؟

اگر یاد نہ ہو تو مہربانی فرما کر پتہ کی چٹ پر ملاحظہ فرمالیجیے۔ خط و کتابت میں نمبر کے حوالہ سے بڑی سہولت ہو جاتی ہے ورنہ بسا اوقات جواب دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ براہ کرم اسے نہ بھولیے۔

مہتمم

زبان

زبان انسان کے منہ میں محض دو ڈھائی انچ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ لیکن گوشت کا یہی ناچیز ٹکڑا اپنے اندر وہ قوت اور وہ جادو رکھتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کی طاقتیں، جادو اور منتر بے کار ہیں۔ اسی کے ذریعہ جانی دشمن کو دوست اور غیر کو اپنا بنایا جا سکتا ہے۔ اور یہی وہ بدترین چیز ہے کہ اس کے بُرے استعمال سے دوست دشمن اور اپنے غیر ہو جاتے ہیں۔ غرض انسان کی ترقی اور کامیابی پستی اور بربادی اسی گوشت کے ٹکڑے یعنی زبان پر ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ تیر اور تلوار کا زخم بھر سکتا ہے۔ لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔ اسی لیے عقلمند لوگ جو بات منھ سے نکالتے ہیں سوچ سمجھ کر نکالتے ہیں، زبان اُن کی غلام ہوتی ہے وہ زبان کے غلام نہیں ہوتے، مگر جو لوگ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتے اور بلا سوچے سمجھے جو منھ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں وہ ہمیشہ ذلیل اور خوار ہی رہتے ہیں کوئی ان کو اچھا نہیں سمجھتا کوئی بھلا مانس اُن سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔

ایسے لوگ غصہ اور تیزی میں اول فول بک دیتے
ہیں، بعد کو جب غور کرتے ہیں تو پچھتاتے ہیں اور
پشیمان ہوتے ہیں۔ مگر بے کار ع
"منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات"
کمان سے چھوٹا ہوا تیر پھر کہاں واپس آتا ہے۔
لطف یہ ہے کہ میٹھے بول اور نرم باتوں میں
اپنی گرہ سے کچھ خرچ نہیں ہوتا ہے اور کام وہ نکلتے
ہیں جو نہ تو بندوق اور توپ سے نکل سکتے ہیں نہ
سونے چاندی کا مینہ برسانے سے۔ اس لیے اگر
ہر دلعزیزی اور عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میٹھے
بول بولنا (شیریں کلامی) سیکھو، اگر دلوں پر حکومت
کرنا چاہتے ہو تو بات چیت میں نرمی سے کام لو۔
ترقی اور کامیابی کا یہی سب سے پہلا زینہ ہے۔
کوئی بات کیسی ہی بُری اور سخت ہو، اگر
اچھے انداز میں کہی جائے تو کہنے والے کا مقصد
بھی پورا ہو جاتا ہے اور سننے والوں کو بُری بھی نہیں
لگتی۔ لیکن کوئی اچھی بات بھونڈے اور بدتمیزی
کے طریقہ سے کہی جائے تو سننے والوں کو ناگوار
گزرتی ہے اور اس بات کا کہنے والا نفرت اور
حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
اس موقع پر ایک دلچسپ قصہ یاد آگیا

کسی بادشاہ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اُسکے
تمام دانت گر گئے ہیں۔ صبح ہوتے ہی اُس نے
ایک تعبیر بتانے والے (معبّر) کو بلوایا۔ یہ تعبیر
بتانے والا بہت عالم فاضل تھا۔ اُس میں کمی بس
اس قدر تھی کہ بات کرنے کا سلیقہ نہ تھا۔ خواب
سُن کر وہ بولا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ حضور کے تمام
رشتہ دار اور عزیز حضور کے سامنے ہی مر جائینگے
یہ سُن کر بادشاہ کو بڑا رنج ہوا۔ ساتھ ہی غصہ
بھی آیا اور اُسی وقت اُس نے اُس تعبیر بتانے
والے کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد دوسرا معبر
طلب کیا گیا یہ اپنے فن میں بھی کامل تھا اور تمیز
دار بھی تھا۔ اس نے کہا، جہاں پناہ اس خواب
کی تعبیر یہ ہے کہ حضور کی عمر اپنے تمام رشتہ داروں
سے زیادہ ہوگی۔ بادشاہ یہ سُنکر بہت خوش ہوا
اور معبر کو بہت کچھ انعام دیا۔ دیکھا آپ نے
مطلب دونوں کا ایک تھا مگر ایک اپنی بدتمیزی
اور پھوہڑپن کی وجہ سے سولی پر لٹکا، اور دوسرا
اپنی تمیزداری اور زبان کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنے
کی وجہ سے مالا مال ہوگیا۔

(سید مسعود علی)

لندن کا تیسرا خط

بکنگھم پیلس (شاہی محل) ہائڈ پارک سے کچھ بہت دُور نہیں۔ یہ تو کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں شاہی خاندان رہتا ہی۔ باہر سے تو یہ عمارت کچھ خوبصورت نہیں۔ اور سچ پوچھو تو میں اسے دیکھ کر بہت مایوس ہوا۔ کہاں ہندوستان میں مغلوں کے وقت کی بادشاہی عمارتیں اور کہاں یہ عمارت۔ اس کے سامنے ہر وقت مسلّح (ہتھیار بند) سپاہی پہرہ دیتے رہتے ہیں۔

یہاں سے تھوڑی دور سینٹ جیمس پارک ہی۔ آگے چل کر ہم وائٹ ہال پہنچتے ہیں۔
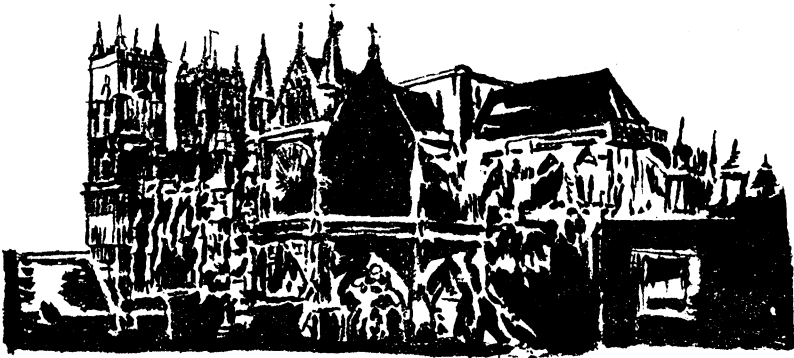
یہاں دُور تک عمارتیں ہی عمارتیں چلی گئی ہیں۔ یہیں حکومت کے بہت سے دفتر ہیں۔ اور انھیں عمارتوں میں بیٹھ کر انگلستان کا وزیرِ اعظم اور اُسکے ساتھی آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت کرتے ہیں۔ انھیں عمارتوں میں پارلیمنٹ کی عمارتیں ہیں یہاں قانون وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ یہیں تین منارے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک گھنٹہ گھر ہی۔ اس کی گھڑی انگلستان میں سب سے بڑی ہے اس کے ہندسے دو دو فٹ لانبے ہیں۔ منٹ کی سوئی سولہ فٹ لمبی ہی اور اس کا وزن دو من

سے بھی زیادہ ہی۔ اس کی آواز پورے شہر میں سنائی دیتی ہی۔ پاس ہی ویسٹ منسٹرایبے ہی تمھیں تو معلوم ہی ہی کہ یہاں انگلستان کے بہت سے عالم فاضل اور بادشاہ دفن ہیں۔ یہاں دفن ہونا بہت بڑی عزت سمجھی جاتی ہی۔ اس میں ایک چھوٹا سا گرجا ہی جس میں انگلستان کے بہت سے بادشاہ دفن ہیں۔ اس کے پاس ہی وہ حصہ ہی جہاں بادشاہوں کے تاج پہننے کی رسم ادا کی جاتی ہی۔ یہاں ایک بہت بڑی لکڑی کی کرسی ہی۔ جس کے نیچے بڑا سا پتھر پڑا رہتا ہی۔ یہ پتھر ایڈورڈ اول اسکاٹ لینڈ سے لایا تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں یہ پتھر متبرک سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی پتھر پر وہاں کے بادشاہو کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔

ایڈورڈ اول جب یہ پتھر وہاں سے لایا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انگلستان کا بادشاہ اسکاٹ لینڈ کا بھی بادشاہ ہی۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہی کہ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کو متحد کرنے (ملانے) والا اسکاٹ لینڈ ہی کا بادشاہ جیمس تھا۔

ویسٹ منسٹر ایبے سے ہو کر ہم ویسٹ منسٹر ہال میں پہونچتے ہیں۔ یہ ہال دعوتوں وغیرہ کے لیے بنایا گیا تھا۔ اور تاج پوشی کے بعد بڑی دعوت اسی جگہ ہوتی تھی۔ ایک زمانہ تک یہ ہال عدالتوں (کچہریوں) کا کام بھی دیتا رہا ہی۔

ویسٹ منسٹر برج لندن کے سارے پلوں سے بڑا اور خوبصورت ہی۔ شام کے وقت لوگ ہزاروں کی تعداد میں یہاں سیر کے لیے آتے ہیں اس سے ہٹ کر بند ہی جو دریا کا پانی روکنے کے لیے بنایا گیا ہی۔

لندن میں اتنی چیزیں ہیں کہ کچھ ٹھکانا نہیں میں نے بہت تھوڑے سے حالات لکھے ہیں۔ اگر ممکن ہوا تو یہاں کے عام حالات اور تعلیم کے متعلق بھی کچھ لکھوں گا۔ یہاں کے پولس والے غالباً دنیا میں سب سے اچھے ہوتے ہیں ان کے متعلق بھی شاید کچھ لکھ سکوں۔ فقط

تمھارا

....

(سید نصیر احمد)

رجسٹرڈ اول نمبر ١٩٦١
قیمت سالانہ دو روپیہ ٨ آنہ

علم کی ترغیب

(۴)

جو نہ پڑھے وہ پچھتاتے ہیں   اور جو پڑھے وہ پھل پاتے ہیں
سیر کریں ہیں روئے زمیں[۱] کی   بات کہیں ہیں عرش[۲] بریں کی
خلوت[۳] میں جلوت[۴] کا مزہ ہے   جن کو خدا نے علم دیا ہے
اگلی پچھلی سب کی خبر ہے   سارا زمانہ زیر نظر[۵] ہے
سیکڑوں ایجادیں کر ڈالیں   اور ہزاروں کلیں نکالیں
مٹی میں سے تیل نکالا   کوئلہ سے شربت کا پیالا
بجلی کو قابو میں کیا ہے   پیک[۶] کا اس سے کام لیا ہے
بھاپ کے زور سے ریل چلی ہے   اور فنر سے بوجھ تُلے ہے
ایک آئینہ ایسا بنایا   ظاہر میں باطن[۷] کو دکھایا
چھپے خزانے بند قوں میں   باتیں بند ہیں صندوقوں میں
سلسلہ ہی فوٹو کا نکالا   سانچہ میں آواز کو ڈھالا
سیکڑوں کوس سے باتیں کر لو   ٹیلیفون کو منہ پر دھر لو
سنتے تھے ہم اڑن کھٹولا   اب بیلونوں[۸] نے عقدہ کھولا
ایسے ہی لاکھوں کام کئے ہیں   علم سے کیسے نام کئے ہیں
صنعت و حرفت کی سب قسمیں   دولت عزت سب کچھ اسمیں
علم پڑھو محنت سے بھائی   دین اور دنیا میں ہو بھلائی
کوشش کرو کمر کس لو   غفلت کے رگ پٹھے مسلو
علم کرو کوشش سے حاصل   کب تک پڑے رہو گے جاہل

سینہ سپر میدان میں آؤ   جرأت کے جوہر کھلاؤ
آگے بڑھو نو خیز جوانو   اس فرصت کو غنیمت جانو
جوش سے ہمت سے بڑھ جاؤ   شوق سے محنت سے بڑھ جاؤ
تم سے آگے بڑھ گئے سارے   تم ہی پڑے ہو پاؤں پسارے
ہمت کے ہتھیار سنبھالو   محنت سے راحت کو جانو
پڑھنے میں اپنی جان لڑاؤ   عرب کی غیرت کو دکھلا دو
علم کے اوپر ٹوٹ پڑو تم   سینہ بسینہ خوب لڑو تم
دیکھو گھرانے کو نہ ڈبونا   کنبے کی عزت مت کھونا
جتنی پڑے محنت سب سہنا   پر بیٹے جاہل مت رہنا
شوق سے محنت پر تن جاؤ   سب کے سب عالم بنجاؤ
کہاں تلک لکھتا ہی رہوں میں   خط کو دعا پر ختم کروں میں
بڑی بڑی عمریں ہوں تمہاری   ڈگریاں لو تم باری باری
بھائی بھائی سب یکدل ہو   اپنایت کی آب و گل[۹][۱۰] ہو
تم سب علم کی دولت پاؤ   دونوں جہاں میں عزت پاؤ
حکم اسلام کے دل سے مانو   درماں[۱۱] قوی درد کو جانو
جس نے نصیحت میری مانی   اسکی شقاوت[۱۲] کی ہے نشانی
تم تو سعادت مند ہو مانو
باتوں کی قیمت پہچانو

۱ روئے زمین سے مراد ساری دنیا ۲ آسمان ۳ تنہائی ۴ ظاہر، خلوت کی ضد ۵ یعنی نظروں کے سامنے ۶ پیام لے جانیوالا ۷ اندر ۸ ہوائی جہاز ۹ آب، پانی ۱۰ گل، مٹی ۱۱ درماں، علاج ۱۲ بدبختی

عجائب خانہ سمندر

بجلی سے ہلاک کرنے والی مچھلیاں:۔

بعض مچھلیاں ایسی ہیں جنہیں قدرت نے جان بچانے کے لئے بجلی کی قوت عنایت کی ہے، تم جانتے ہو کہ بجلی میں جیسے چراغ روشن کرنے کی اور پنکھا چلانے کی قوت ہے ویسے ہی ہلاک کرنے کی بھی قوت موجود ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ بجلی کے گرنے سے کتنے انسان یا جانور ہلاک ہوگئے۔ ان مچھلیوں کے جسم کے بھی مختلف حصوں میں بجلی کے خزانے پائے جاتے ہیں، بہت غور کرنے کے بعد بھی انسان کو اس کا پتہ نہ چلا کہ اس جانور نے پہلے پہل کس طرح بجلی اپنے جسم میں پیدا کی۔ ان بجلی والی مچھلیوں کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ ریز

شارک (دریائی شیر) کی قسم کے جانور ہیں ان کے منہ بھی مچھلی کے منہ کی مانند اوپر نہیں ہوتے بلکہ شارک کے منہ کی طرح سر کے نیچے کے حصے میں ہوتے ہیں، یہ بڑا بد وضع اور سست جانور ہے، اس کے قد کی لمبائی دو فٹ سے چار فٹ تک ہوتی ہے اور یہ سطح آب سے بہت نیچے ریت اور کیچڑ میں رہتی ہے، اس کی دم میں بجلی کی قوت محفوظ ہے اور جب کسی جانور کو دم سے مارتی ہے تو وہ جانور فوراً ہلاک ہو جاتا ہے معمولی سی معمولی الیکٹرک (Electric) ریز کی برقی لہر میں یہ قوت ہوتی ہے کہ انسان ان کی بجلی کے اثر سے بیمار ہو جاتا ہے۔ ایل

۲۔ اسکیٹس ۳۔ ایل۔ ریز اور اسکیٹس دراصل بھی اسی طرح کی مچھلی ہے، یہ سمندروں میں پیدا ہوتی

ہے اور ذرا بڑی ہو کر ندیوں میں انڈے دینے چلی جاتی ہے۔ تمام عمر میں بڑے قسم کی ایل دو کروڑ انڈے دیتی ہے۔ ان کے علاوہ پچاس قسم کی مچھلیاں اور ایسی پائی گئی ہیں کہ جن میں بجلی سے ہلاک کرنے کی قوت ہے۔

۱۲۔ دریائی سانپ :۔ سمندر کے گہرے حصوں میں ایک اور قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے اور ممکن ہے پہلے پہل اسی کو دیکھ کر انسان نے دریائی سانپ کا خیال کیا ہوگا۔ آج کل کے بڑے بڑے عقلمندوں کی رائے یہ ہے کہ جیسا اگلے زمانہ والے بیان کرتے تھے۔ اس وضع کا دریائی سانپ کہیں ہوتا ہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے پہلی مرتبہ ریبن فش کو کہیں دیکھا ہوگا اور سانپ کی بہت مشابہت کے سبب سے اس کو دریائی سانپ سمجھا ہوگا اس مچھلی کی وضع عجیب و غریب ہے۔ یہ تقریباً بیس فٹ لمبی اور ایک آدھ فٹ چوڑی ہوتی ہے مگر اس کے جسم میں کہیں دبازت یا مٹاپے کا نام نہیں، اس قد و قامت پر بمشکل ڈیڑھ انچ کا مٹاپا اس میں پایا گیا ہے۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کاغذ کی بنی ہوئی مچھلی پانی میں تیر رہی ہے۔ اس کے منہ کی وضع چوہے کے منہ سے مشابہ ہوتی ہے اور تیرنے میں سانپ کی طرح لہرا لہرا کر تیرتی ہے، چونکہ یہ بہت ہی گہرے پانی کا جانور ہے اس لئے سمندر کی سطح تک آنے میں پانی کا وزن کم ہو جانے سے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے اور پانی کا وزن جسم پر کیا اثر رکھتا ہے ان عجیب رازوں (بھیدوں) کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

سید محمد عسکری

عالم گیر اور ایک توپچی

ہندوستان کے مشہور بادشاہ عالم گیر نے ایک بار دکن پر چڑھائی کی۔ دکن میں ایک مقام ہے جس کا نام گولکنڈہ ہے۔ اس مقام کو اس نے فوج سے گھیر لیا۔ کئی روز گزر گئے اور وہ محاصرہ کئے رہا۔

گول کنڈہ کے قلعہ میں ایک توپچی تھا اس کا گولا کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اورنگ زیب عالم گیر ہاتھی پر سوار مورچوں کو دیکھتا پھرتا ہے، اس وقت اورنگ زیب شہزادہ تھا اور اس کا باپ شاہجہاں، ہندوستان کا بادشاہ توپ چی نے اپنے ملک کے بادشاہ سے کہا "حضور اجازت دیں تو دلی کے شاہزادہ کو اسی توپ سے اُڑا دوں" اور یہ کہہ کر توپ کا منہ عالم گیر کی طرف پھیر دیا۔ گول کنڈہ کا بادشاہ بڑا شریف اور نیک دل تھا۔ اس نے فوراً توپچی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "ہائیں! یہ کیا کرتے ہو؟ شاہزادوں کی قدر اور عزت کرنی چاہیئے۔ ان کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے"۔ غرض توپ چی نے عالم گیر کو تو چھوڑ دیا مگر اُس کے سپہ سالار کو اُڑا دیا جو فوج سے ذرا آگے نکل آیا تھا۔ عالم گیر ایک حملہ کی تیاری کر رہا تھا مگر اس حادثہ سے حملہ روک دینا پڑا۔

سردار کی موت سے فوج میں بھگدڑ پڑ گئی اور یوں توپ چی نے اپنے ملک کو بچا لیا۔ مگر تم نے دکن کے بادشاہ کی ہمت اور شرافت دیکھی سچ یہ ہے کہ شریف آدمی ہمیشہ شریف آدمی کی قدر کرتا ہے اورنگ زیب اگرچہ اس کا دشمن تھا مگر اس کی جان لینا گوارا نہ ہوا۔ سبحان اللہ مسلمان بادشاہوں میں کیا کیا خوبیاں تھیں۔

مولنا محوی لکھنوی

آتش فشاں پہاڑ

پیام بھائیوں نے آگ پھینکنے والے پہاڑوں یا کوہ آتش فشاں کا نام اکثر سنا ہوگا لیکن بہت کم بھائی یہ جانتے ہوں گے کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟ اس لئے آج ہم انھیں اس کے متعلق کچھ بتانا چاہتے ہیں۔

کوہ آتش فشاں اُس پہاڑ کو کہتے ہیں جس کی چوٹی پر ایک بڑا سوراخ ہوتا ہے۔ یہ زمین کے

کے اندر بہت گہرائی تک چلا جاتا ہے، اور اس میں سے دھواں، شعلے اور کبھی کبھی پگھلی ہوئی چٹانیں بہت زور کے ساتھ نکل کر دور تک چلی جاتی ہیں کبھی کبھی تو ان پگھلی ہوئی چٹانوں کا ایک چشمہ سا بن جاتا ہے جو بالکل سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور دریا کی طرح میلوں تک چلا جاتا ہے۔ یہ پگھلا ہوا پتھر یا لاوہ کہلاتا ہے۔

جس زمین کے اوپر ہم تم چلتے ہیں اس کے اندر کے حصہ میں بہت آگ بھری ہوئی ہے جو ہر وقت جلتی رہتی ہے۔ کسی زمانہ میں اب سے لاکھوں برس پہلے سورج کی طرح ہماری زمین بھی آگ کا ایک گولہ تھی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس گولے کے باہر کا حصہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑتا گیا۔ یہ باہر کا حصہ ناریل کے چھلکے کی طرح سخت اور اس قدر مضبوط ہے کہ ہم اس پر چل پھر سکتے ہیں۔ بڑی بڑی مضبوط اور شاندار عمارتیں بنا سکتے ہیں اور ریلیں چلا سکتے ہیں لیکن زمین کے اندر کا حصہ دہکتی ہوئی آگ سے بھرا ہوا ہے۔ بعض جگہوں میں یہ آگ اتنی زبردست ہوتی ہے کہ زمین کے اوپر کا حصہ پھٹ جاتا ہے اور سوراخ پیدا ہو جاتا ہے، یہ سوراخ اکثر زمین کے اندر بہت ہی گہرے چلے جاتے ہیں آتش فشاں پہاڑ انھیں سوراخوں کو کہتے ہیں۔

کبھی کبھی آتش فشاں پہاڑ میں سے شعلے اور آگ سالہا سال تک نہیں نکلتے۔ لوگوں کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس میں سے آگ وغیرہ نکلنا ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی وہ پہاڑ کے اوپر آ کر بس جاتے ہیں۔ مکانات بنا لیتے ہیں اور کھیتی باڑی شروع کر دیتے ہیں لیکن کچھ دنوں کے بعد یکایک ایک بڑا شور سنائی دیتا ہے، زمین میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سوراخ میں سے اس قدر دھواں باہر نکلتا ہے کہ سورج چھپ جاتا ہے اور رات کا سا اندھیرا گھپ ہو جاتا ہے اور پھر لاوے یعنی پگھلے ہوئے پتھروں اور آگ کا ایک بڑا دریا نکل پڑتا ہے جو لوگوں کو زمین کو مکانوں کو اور کھیتوں کو بالکل ڈھانپ لیتا

ہے۔ اور ہر چیز اس کے نیچے دفن ہو جاتی ہے۔ کوئی دو ہزار سال ہوئے۔ روم کے مشہور شہر پوپیائی میں ایسا ہی ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ خوب صورت اور شاندار شہر بالکل برباد ہو گیا تھا۔

محمد علی نگار گوالیاری از دھلی

کم کھاؤ

خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار کئی ملکوں کے حکیموں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ تم میں ہر ایک کوئی ایسی دوا بتائے جس میں کوئی نقصان نہ ہو۔ ہندوستان کے حکیم نے جواب دیا کہ ایسی دوا جس میں کوئی نقصان نہ ہو کالی ہڑ ہے۔ عراق کے حکیم نے جواب دیا کہ سپندان کا بیج ہے تیسرے حکیم نے گرم پانی بتایا۔ چوتھے حکیم نے جو ان سب میں زیادہ عقلمند تھا کہا کہ ہڑ میں یہ نقصان ہے کہ وہ معدہ میں پیچش پیدا کرتی ہے گرم پانی سے معدہ کم زور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سپندان کے بیج کے بھی اُس نے بہت سے نقصان بتائے۔ تب تو سب حکیم اس کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کیا بتاتا ہے، اور کہنے لگے کہ آخر تمہاری کیا رائے ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ایسی دوا جس سے کوئی نقصان نہ ہو یہی ہے کہ جب آدمی کو خوب بھوک لگے تو کھانا کھائے اور کسی قدر بھوک ابھی باقی ہو کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لے۔ اس پر سب حکیموں نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔

پیام بھائیو۔ اب تو اس حکیم کی سچائی کے تم بھی قائل ہو گئے ہو گے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ زیادہ کھا کر بیمار پڑنے سے کم کھا کر تندرست رہنا زیادہ بہتر ہے۔

محمد عبدالحئی گلنڈاری
حیدرآباد

آم کی بہار

حامد آیا ہے آم کا موسم
خوب خب آم کھائینگے اب ہم
کیسی اس سال آم کی ہے بہار
ہر طرف آم آم کی ہے پکار
صبح کھائیں گے شام کھائینگے
بلکہ ہر وقت ہی آم کھائینگے
کیسا شیریں[1] لذیذ ہے میوہ
پیٹ بھرتا ہے جی نہیں بھرتا
صبح جب ہم سویرے اٹھینگے
باغ میں جاکے آم کھائینگے
پانی جس روز برسے موسلا دھار
آم کھانیکی خوب ہوگی بہار
کل جو ذاکر کروگے تم دعوت
اس میں بس ہو یہ میوۂ جنت[2]
دوست احباب ایک آئیں گے
اور دریا کنارے جائیں گے

پانی آئے تو آئے کیا پروا
بھیگ جائیں تو جائیں کیا ہوگا
گھر کے جسوقت یاد آئیں گے
اور بھی ہم خوشی منائینگے
کیسا اچھا سہانا وقت ہوگا
کالی کالی گھٹائیں ٹھنڈی ہوا
سامنے دریا ہوگا محوِ خرام[3]
گھاس پر رکھے ہونگے ڈھیر آم
دوست احباب بیٹھے ہونگے سب
ہو رہی ہوگی خوب ہی گپ شپ
ہاتھوں میں اور منہ میں آم
آنکھوں میں شکل اور لب[4] پر نام
چھائی ہوگی خوشی وہ چہروں پر
کیسا پُرکیف[5] ہوگا یہ منظر
آم اب ہم ضرور کھائیں گے
ایسے موقعے کہاں پھر آئینگے

[1] میٹھا
[2] جنت کا میوہ
[3] یعنی دریا مزے سے آہستہ آہستہ بہہ رہا ہوگا
[4] لب = ہونٹ
[5] پُرکیف = اچھا دلچسپ

سمجھ دار خرگوش

ایک زمانہ میں ایسا ہوا کہ سال بھر پانی بالکل نہ برسا روز صبح کو آسمان پر بادل آتے، مگر جوں ہی سورج نکلتا، تمام بادل کے گروہ کائی کی طرح پھٹ جاتے۔ اور آسمان صاف و شفاف ہو جاتا۔ تمام کھیت، درخت اور پودے سوکھ گئے، اور ہر طرف کال (قحط) پڑ گیا۔

یہ سب کچھ تو ہوا لیکن اُن خرگوشوں کو جو جھیل کے کنارے رہتے تھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی کیونکہ جھیل بہت گہری اور لمبی چوڑی تھی۔ اور ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے بھری رہتی تھی۔

ایک دن شام کو جب سورج ڈوب رہا تھا۔ ایک گھنے جنگل کے بیچ میں ہاتھیوں کا ایک جھنڈ اپنے سردار کے چاروں طرف جمع ہوا اور ایک ہاتھی نے نہایت ادب سے کہا "جناب اس جنگل میں پانی کا کہیں نام نشان نہیں۔ ہمارے لئے کوئی نہانے کا تالاب ہے نہ کوئی جھیل ایسی حالت میں زندگی کیسے گزرے گی"۔ ہاتھیوں کے سردار نے یہ بات سُنی تو اُس پر بہت اثر ہوا

چپ چاپ اکیلا ایک طرف کو نکل گیا اور کچھ دور جا کر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا پھر تھوڑی دیر بعد لوٹا اور سب ہاتھیوں کو انھیں خرگوشوں والی جھیل پر لے گیا ہاتھی پانی میں اُتر گئے اور مزے لے لے کر نہانے لگے۔

ہاتھیوں کا جھنڈ ہر صبح شام جھیل پر آتا اور نہا کر جی خوش کرتا۔ مگر ان کی اس خوشی سے خرگوشوں کو بہت تکلیف ہونے لگی کیونکہ جو خرگوش جھیل کے کنارے رہتے تھے اُن کے مکان ہاتھیوں کے پاؤں تلے دب جاتے تھے اور بہت سی جانوں کا نقصان ہوتا تھا۔

آخر خرگوشوں نے ایک دن بڑا بھاری جلسہ کیا جب سب خرگوش جمع ہو گئے تو جلسہ کے صدر نے اُٹھ کر کہا "بھائیو! ان ہاتھیوں کے آنے سے پہلے ہم بہت آرام اور اطمینان سے رہتے تھے مگر جب سے انھوں نے اس جھیل پر آنا جانا شروع کیا ہے ہمیں بہت تکلیف ہو گئی ہے۔ اگرچہ یہ بیچارے بھی اپنی جان بچانے کی خاطر آئے ہیں مگر اپنی جان بچانے کے لئے دوسروں کی جان لیتے ہیں۔

کچھ دیر تک جلسہ میں سناٹا رہا آخر ایک

سمجھ دار خرگوش نے اُٹھ کر کہا "بھائیو! آپ لوگ پریشان نہ ہوں میں اس تکلیف کو دور کرنے کا ذمہ لیتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ فوراً اپنی جگہ سے اچھلتا کودتا اس جگہ پہنچا جہاں ہاتھی نہا رہے تھے اور ایک ٹیلہ پر چڑھ کر یوں تقریر شروع کی "سُنو بھائی ہاتھیو! تم جانتے ہو کہ چاند خرگوشوں سے کس قدر محبت کرتا ہے اور انھیں تکلیف پہنچانے والوں سے کتنا ناراض ہوتا ہے۔

ہاتھیوں کے سردار نے جواب دیا "یہ بات تو ہر ایک جانتا ہے"۔

یہ جان کر بھی تمہاری یہ حرکت کہ زبردستی خرگوشوں کی جھیل پر قبضہ کر لیا اور خرگوشوں کو تکلیف پہنچائی کیا چاند کو بُری معلوم نہ ہوئی ہوگی وہ ضرور تمہیں سخت سے سخت سزا دے گا۔

یہ سُن کر ہاتھیوں کے سردار نے کانپ کر کہا "یہ حرکت تو ہم سے ضرور ہوئی مگر اب چاند کے غصہ سے بچنے کی کیا تدبیر ہے"۔

خرگوش نے جواب دیا کہ "شام کو جب چاند دیوتا آسمان پر آ چکیں تو ادب سے جھیل کے کنارے آکر سلام کرنا۔ اور خطاؤں کی معافی مانگ کر چلے جانا"۔

اس رات کو ہاتھیوں کا سردار جھیل کے کنارے آیا ہلتے ہوئے پانی میں چاند کا عکس ہل رہا تھا وہ بے وقوف سمجھا کہ غصہ کے مارے چاند دیوتا کانپ رہے ہیں فوراً ہی اس نے سلام کیا خرگوشوں کو ستانے کی معافی مانگی اور واپس چلا گیا۔

پیام بھائیو! دیکھا آپ نے محض ایک خرگوش کی عقل مندی سے سارے خرگوشوں کو مصیبت سے نجات مل گئی۔

امتیاز حسین قائز بنارسی

لطیفہ

ایک شاعر ایک امیر کی تعریف میں قصیدہ لکھ کر لے گیا۔ امیر نے اسے کچھ نہ دیا۔ پھر وہ ہجو لکھ کر لایا۔ اس پر بھی وہ امیر ناراض نہ ہوا۔ کچھ دنوں بعد شاعر اس کے دروازہ پر آ بیٹھا۔

امیر نے دیکھا تو ناراض ہو کر پوچھا "کیوں بیٹھے ہو"؟

شاعر بولا "تعریف لکھی تو انعام نہ ملا، ہجو لکھی تو گالیاں نہ دیں۔ اب مرثیہ لکھ کر لایا ہوں تاکہ تمہارے مرنے پر پڑھوں کہ مردے کی خیرات میں سے کچھ مل جائے"

جواد

برما کے باشندے

پیام بھائیوں نے برما کا نام تو اکثر سنا ہوگا یہ ہندوستان کا ایک صوبہ ہے اور پورب میں واقع ہے جو لوگ یہاں کا سفر کرتے ہیں انہیں چار دن کے لئے کلکتہ سے جہاز میں بیٹھنا پڑتا ہے خشکی کا راستہ اس لئے نہیں کہ بیچ میں پہاڑ بہت ہیں اُن کو کاٹ کر ریل نکالنا بہت دشوار ہے۔

رنگون یہاں کا مشہور اور بہت ہی خوب صورت شہر ہے یہ سمندر سے ذرا ہٹ کر واقع ہے تجارت کی وجہ سے یہاں خوب چہل پہل ہے
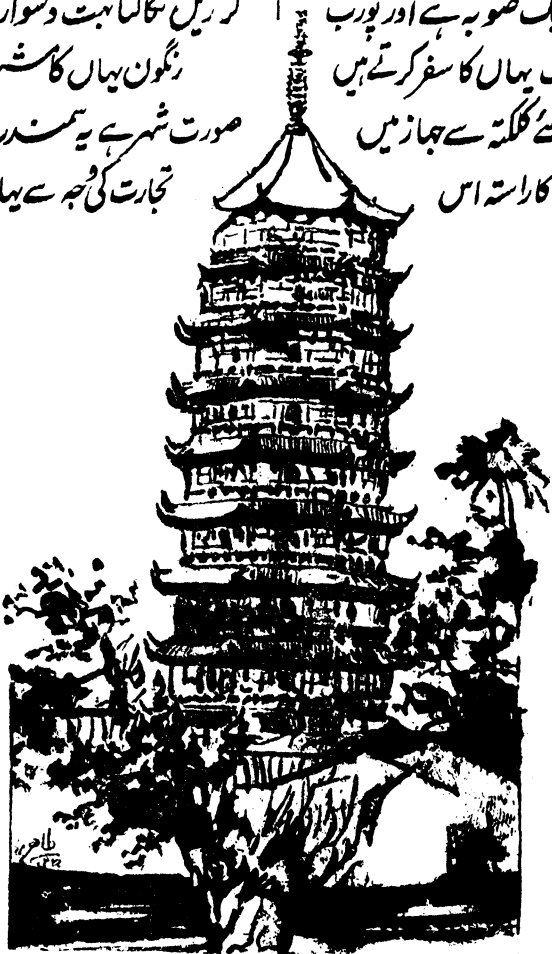
اور ملکوں کے لوگ یہاں آکر بس گئے ہیں
ہمارے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کا مزار
بھی اسی شہر میں ہے

اس صوبہ کی زبان دوسری ہے مگر یہاں
کے لوگ اردو سمجھتے اور خاص رنگون میں، تو
خرید و فروخت اور لین دین کے وقت زیادہ تر
ٹوٹی پھوٹی اردو ہی بولی جاتی ہے۔ ویسے تو
رنگون اور دوسرے شہروں میں مختلف ملکوں اور
خود ہندوستان کے بہت سے صوبوں کے لوگ
آباد ہو گئے ہیں مثلاً چینی، جاپانی، مدراسی، بہاری
سورتی وغیرہ۔ مگر وہاں کے اصل باشندے بالکل
دوسرے ہیں۔ وہ برمی کہلاتے ہیں۔ آج
ہم پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے انھیں لوگوں
کے حالات لکھنا چاہتے ہیں۔

اہل برما یا برمی بدھ مت (مذہب) کے
ماننے والے ہیں۔ اپنے مذہب سے انھیں بڑی محبت
ہے۔ ان کے پجاریوں کے رہنے کے لئے جگہ جگہ
دھرم شالے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک برمی کو
اپنی زندگی میں سات دن آشرم یا دھرم شالے
میں رہنا پڑتا ہے۔ یہ بات صرف مرد کے لئے مخصوص
ہے جب کہ اس کی عمر عموماً بارہ سال کی ہوتی ہے
ساتویں دن وہ گھر واپس جا سکتا ہے اور اگر چاہے
تو وہیں زندگی بسر کر سکتا ہے ایسی حالت میں
اُسے معمولی پجاریوں جیسی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے
ہر صبح وہ دوسرے جوان اور بڈھے پجاریوں کے
ساتھ پیلے کپڑوں میں ایک پیتل کا برتن لے کر
بھیک مانگنے نکلتا ہے اُسے دوسرے پجاریوں
کے ساتھ ایک لائن میں چلنا ہوتا ہے۔ جب وہ
کسی مکان پر پہنچتے ہیں تو خاموشی سے بغیر کچھ کہے
آنکھیں نیچی کئے کھڑے رہتے ہیں۔ گھر کی مالکہ کسی
ایک برتن میں چاول، کڑھی، پھل یا ترکاری
(جو گھر میں موجود ہوتا ہے) ڈال دیتی ہے تو تمام
پجاری بغیر کچھ کہے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ دھرم شالہ
میں واپس آکر وہ دن بھر کی بھیک آپس میں بانٹ
لیتے ہیں ان پوجاریوں کی تعداد تقریباً نوے ہزار
ہے۔ بارہ سال سے کم عمر کے پجاریوں کے لئے
اسکول بھی ہیں۔

لہ حضرت بدھ ہزاروں سال ہوئے ہندوستان میں ایک بڑے بزرگ
گذرے ہیں۔ جو کوئی ان کی باتیں مانتا ہے وہ بدھی یا بدھسٹ کہلاتا ہے
ان کے ماننے والے چین، جاپان اور برما میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد
ہیں۔

ان کی پوجا (عبادت) کے مکان کو پگوڈا کہتے ہیں ہر شہر میں بے شمار پگوڈا ہوتے ہیں۔ جب کوئی برمی روپیہ کما کر مال دار ہو جاتا ہے تو وہ ایک پگوڈا ضرور بنواتا ہے اس طرح نئے پگوڈاؤں کی اتنی تعداد ہے کہ پرانوں کی مرمت کا خیال تک لوگوں کے دلوں میں نہیں آتا۔

برمیوں میں دولت مند اور غریب شریف اور رذیل کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے دوستانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ اگر کوئی باہر کا آدمی۔ اُن کے مکان کے کھانے اور گھر کے انتظام کی تعریف کرے تو بہت خوش ہوتے ہیں

چودہ برس کی عمر میں لڑکے کو کمر سے گھٹنوں تک گودتے ہیں پہلے افیون وغیرہ کھلا کر بچے کو بیہوش کر دیتے ہیں اور پھر سوئیاں چبھوتے ہیں۔ متواتر سوئیاں چبھونے سے لڑکے کو اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ باوجود بے ہوش ہونے کے وہ چیخ پکار اُٹھتا ہے۔ اس کا جسم اور ٹانگیں سوج جاتی ہیں اور اکثر کئی کئی روز کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے۔

لڑکیوں کے لئے ایک اور مصیبت ہے یعنی اُن کے کانوں میں سوراخ کئے جاتے ہیں۔ اس سے ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے لیکن باوجود اس کے یہ رسم بہت ضروری سمجھی گئی ہے کان چھیدتے وقت چیخ پکار کم کرنے کے لئے گانا گایا یہ بھی خیال ہے کہ اس کی وجہ سے لڑکی کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے۔ کان چھد جانے کے بعد سوراخوں کو لکڑی یا سرکنڈے رکھ کر بڑھایا جاتا ہے۔ جب یہ کافی بڑے ہو جاتے ہیں تو ایک انچ لمبی اور پون انچ چوڑی نلکی ان میں رکھ دی جاتی ہے۔ برما میں مرد و عورت کپڑوں میں جیب نہیں رکھتے اس لئے چھوٹی چھوٹی چیزیں رکھنے کے لئے یہ سوراخ بہت کام آتے ہیں۔

برمی لوگ عموماً بہت خوش و خرم اور ہنس مکھ ہوتے ہیں مرد کشتی کھینے اور گاڑی چلانے میں ماہر ہوتے ہیں عورتیں خصوصاً بہت ہنرمند اور ہوشیار ہوتی ہیں برمیوں کو روپیہ سے محبت نہیں ہوتی جو کچھ کماتے ہیں خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ایک برمی روپیہ جمع کرنے کے بعد پگوڈا بنوانے دوستوں اور پڑوسیوں کی دعوت کرنے میں اور دوسری دلچسپیوں میں خرچ کر دیتا ہے۔

ایم اے رحیم

بڑے بننا چاہتے ہو تو چھوٹے بنو

وہ بچہ بہت ہی پست ہمت ہے جو ملک اور قوم کا بڑا آدمی نہیں بننا چاہتا لیکن وہ بچہ نہایت ہی بدنصیب ہے جو بڑا تو بننا چاہتا ہے مگر اس کو چھوٹا بننا گوارا نہیں حالانکہ دنیا میں آج تک وہی لوگ بڑے ہوئے ہیں جو پہلے چھوٹے تھے آج کل کے بہت سے بچے جو تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا سیکھ لیتے ہیں مارے غرور کے پھولے نہیں سماتے اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور غرور کی وجہ سے کسی دوسرے سے بات تک کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

یہ شریف آدمیوں کی خصلت نہیں بلکہ اوچھے پن کی علامت ہے۔ ایک مغرور انسان کبھی کسی کام میں ترقی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ نہ کسی شخص سے مشورہ لیتا ہے نہ کسی کی بات مانتا ہے اور اپنی کم عقلی اور کم علمی کی وجہ سے دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا اور اس طرح نقصان اٹھاتا ہے بات یہ ہے کہ دنیا میں کوئی آدمی اپنے ہی علم اور عقل سے ترقی نہیں کرسکتا بلکہ اپنے سے زیادہ عقل مندوں کی رائے اور مشورہ حاصل کر کے ہر کام کرتا ہے اور اس طرح اس کو ہر جگہ کامیابی ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہ چھوٹے سے بڑا آدمی بن جاتا ہے۔

دنیا میں جتنے بھی بڑے آدمی ہوئے ہیں وہ پہلے چھوٹے بنے اور بعد میں دوسروں کی خدمت کرنے بڑوں کا مشورہ سن کر بزرگوں کی نصیحت مان کر ہی بڑے ہوئے۔

ہندوستان میں کون ایسا بچہ ہے جو گاندھی جی کا نام نہ جانتا ہو آج وہ نہ صرف ہندوستان کے بڑے آدمی خیال کئے جاتے ہیں بلکہ دنیا کے بڑے انسانوں میں ان کا شمار ہو کیا وہ ہمیشہ سے ایسے ہی بڑے آدمی تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ بھی ہماری طرح ایک معمولی انسان تھے۔ اُن کی شہرت اُن کی بیرسٹری کی وجہ سے نہیں ہوئی ہندوستان میں بہت سے بیرسٹر تھے اور ہیں جن کا مقابلہ گاندھی جی نہ کرسکتے تھے مگر جب یہ لندن سے بیرسٹر ہو کر آئے تو انھوں نے افریقہ اور ہندوستان میں وہ چھوٹی چھوٹی خدمات انجام دیں جن کو سن کر یقین نہیں آتا مثلاً ایک بیرسٹر پاخانوں کو صاف کرے وغیرہ لیکن یہی وہ گر تھا

جس کو انھوں نے سیکھ لیا وہ اس مقولہ کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مجھے بڑا آدمی بننا ہے تو پہلے چھوٹا بنوں۔

پس میرے چھوٹے بھائیو اگر تم آئندہ بڑے آدمی بننا چاہتے ہو تو آج ہی سے چھوٹے بن جاؤ اگر تم اپنے آپ کو بڑا خیال کرو گے تو لوگ تمہیں ذلیل خیال کریں گے اور اگر تم اپنے آپ کو حقیر خیال کرو گے تو لوگ تمہاری عزت کریں گے اور اس طرح تم ایک دن نہ صرف ہندوستان کے بلکہ دنیا کے بڑے آدمی بن سکتے ہو۔

محمد احمد سبزواری بھوپال

وہ کون ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

بہت دن کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں باپ بیٹے دو آدمی رہتے تھے جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے گاؤں والے ان کی برائی کرتے رہتے تھے ایک دن کہیں لڑکے نے بھی اسے سن لیا بیچارا بہت غمگین ہوا روتا ہوا باپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ابا یہ گاؤں والے ہماری برائی کرتے ہیں کوئی ایسی تدبیر کیجیے کہ یہ ہماری برائی چھوڑ دیں۔ باپ تھا بڈھا دنیا کی سرد و گرم جھیل چکا تھا بیٹے کو تسلی دی آنسو پونچھے اور کہا ایسا کون ہے جسے سب اچھا کہتے ہیں تو دنیا والوں کا قاعدہ ہی ہے کہ ایک دوسرے کی برائی کرتے رہتے ہیں۔ اچھا اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو آؤ اسے آزمائیں یہ کہہ کر بڈھا ایک گھوڑا لایا بیٹے کو اس پر بٹھایا اور خود لگام ہاتھ میں لی اور چلنا شروع کیا لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے ذرا دیکھتے ہو اس لونڈے کو کتنا بدتمیز ہے خود گھوڑے پر چڑھا بیٹھا ہے اور بیچارے بوڑھے باپ کو پیدل دوڑا رہا ہے یہ سن کر لڑکا گھوڑے سے اتر پڑا باپ کو سواری پر بٹھایا اور خود پیدل چلنے لگا تھوڑی دور کے بعد کچھ لوگ نظر آئے پاس پہنچا تو سنا کہ آپس میں سب کہہ رہے ہیں کہ "دیکھو یہ بڈھا خرانٹ کیسا بے رحم اور ظالم ہے خود سواری پر ڈٹا ہے اور اتنی ننھی سی جان معصوم بچے کو پیدل دوڑا رہا ہے" یہ سن کر بڈھے نے لڑکے کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور آگے بڑھا تھوڑی دیر کے بعد پھر کچھ لوگ اور ملے۔ یہ حال دیکھ کر کہنے لگے "اللہ ان سخت دل ظالموں سے سمجھے ذرا بھی انہیں رحم نہیں آتا بیچارہ ایک اکیلا جانور اور باپ بیٹے دونوں اس پر اڑے ہیں۔

یہ سن کر دونوں اتر پڑے اور خالی گھوڑے کے ساتھ پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ کچھ لوگ اور ملے یہ حال دیکھ کر کہنے لگے ذرا ان بے وقوفوں کو دیکھنا سواری ساتھ ہے لیکن خود پیدل چل رہے ہیں یہ سن کر باپ نے لڑکے کی طرف دیکھا اور کہا۔ سنا، لوگ کیا کہتے ہیں انھیں کسی حال میں چین نہیں پہلے تم سوار تھے اور میں پیدل چل رہا تھا تو اس سے ناخوش پھر میں سوار ہوگیا اور تم پیدل چلنے لگے تو اس سے ناراض پھر جب ہم دونوں ایک ساتھ بیٹھے تو یہ بھی ناپسند۔ اور اب جب ہم دونوں اتر پڑے اور خالی جانور کے ساتھ چلنا شروع کیا تو اس سے بھی خفا۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے

میرے عزیز بچے ساری دنیا کو خوش رکھنا بہت مشکل ہے۔ دنیا والوں کی زبان کون بند کر سکتا ہے۔ تم خود جس کام کو اچھا سمجھتے ہو کرو اور اس کی پرواہ مت کرو کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

عبدالسلام قدوائی ندوی

اپنی مدد آپ

ایک پرندے نے گیہوں کی کسی کھیت میں گھونسلا بنا رکھا تھا صبح کے وقت جب وہ خوراک کی تلاش میں جاتا تو اپنے بچوں سے کہہ کہ جاتا بچو! خبردار ہوشیار رہنا اور اگر تم کوئی بات سنو تو مجھ سے کہنا۔

ایک دن رات کے وقت جب پرندہ اپنے گھونسلے میں واپس آیا تو دیکھا کہ سب بچے خوف کے مارے کانپ رہے ہیں۔ جونہی انہوں نے اسے دیکھا کہنے لگے "اماں! آج ہم نے ایک کسان کو اپنے بیٹے سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ۔۔۔۔ "گیہوں اب پک چکے ہیں کل میں اپنے دوستوں کو بلا بھیجوں گا تاکہ وہ گیہوں کاٹنے میں میری مدد کریں" ہم کیا کریں گے اماں" بچوں نے کہا۔

پرندے نے کہا تم ہرگز مت ڈرو۔ کیونکہ گیہوں اس وقت تک نہیں کاٹے جا سکتے جب تک کسان کو اپنے دوستوں کی مدد کا خیال ہے"

اس بات کو کئی دن گزر گئے مگر گیہوں کا کھیت ویسے کا ویسا ہی تھا۔

ہر روز پرندہ باہر جاتے وقت اپنے بچوں
سے یہ الفاظ ضرور کہہ دیتا "بچو! تم ہوشیار رہنا
اور جب کوئی بات سنو مجھ سے ضرور کہنا" ایک دن
پھر پہلے کی طرح پرند رات کے وقت اپنے گھونسلے
میں آیا تو بچوں نے کہا" اماں! آج پھر دہقان
اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا "کہ دیکھو بیٹا اب ہم اپنے
دوستوں کی انتظار نہیں کر سکتے اور کل سے تم
اور میں دونوں مل کر کھیت کو کاٹنا شروع کریں گے
تم اپنی درانتی تیار رکھنا بس کل سے ضرور کام
شروع کر دیں گے" ہمیں کوئی پرواہ نہیں اور
ہم کو کسی قسم کا ڈر نہیں رہے نا اماں! سب بچوں
نے کہا۔

ماں نے کہا "بچو تم غلطی پر ہو۔ اب ہم کو ضرور
یہاں سے کہیں اور چلے جانا چاہیئے۔ کیونکہ اب ہمارا
یہاں رہنا خطرہ سے خالی نہیں۔ ہمارا گھر اس وقت
تک محفوظ تھا جب تک کسان کو دوستوں کی
مدد کا خیال تھا۔ مگر اب گیہوں ضرور اور جلد ہی
کٹ جائیں گے۔ کیونکہ اب کسان نے خود
کاٹنے کا ارادہ کر لیا ہے اور دوستوں کی مدد
کا خیال چھوڑ دیا ہے۔"

پرندہ اپنے بچوں کو لے کر اسی دن کسی اور
کھیت میں چلا گیا اور گیہوں دو ہی دن میں کٹ
گئے۔

جو اپنی مدد خود کرتے ہیں۔ دولت سے دامن
بھرتے ہیں۔

محمد رشید الدین، لاہور

معما

ایک غریب کسان کو بادشاہ کی لڑکی سے محبت
ہو گئی اتفاق سے کسان کسی چھوٹے جرم میں پکڑا
گیا۔ اور اُسے قتل کی سزا دی گئی۔ اس ملک میں سزا
کا طریقہ یہ تھا کہ ایک کمرہ میں ایک خوبصورت لڑکی
بند رہتی تھی اور مجرم کو حکم دیا جاتا تھا کہ کسی ایک کمرہ کو
کھولے کیونکہ اس ملک کے بادشاہ کا اعتقاد تھا کہ مجرم
بے قصور ہوا تو لڑکی کا کمرہ کھولے گا اور اگر واقعی جرم
کیا ہے تو خونخوار جانور کا کمرہ کھولے گا اور مارا جائیگا۔
جب بدنصیب کسان اپنی قسمت آزمانے کیلئے آگے بڑھا
تو اس کی نظر محل کی کھڑکی پر پڑی جہاں ایک خوبصورت
سیاہ بالوں والی لڑکی بیٹھی تھی یہ شہزادی تھی جس سے
کسان کو محبت تھی۔ کسان کا چہرہ پھول کی طرح کھل
گیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ شہزادی اُسے ضرور یہ بتلا
دیگی کہ حسین لڑکی کس کمرہ میں ہے اور وہ جانور کس میں

جسٹرڈ اول نمبر ۱۹۶۱ — قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ — مطبوعہ جامعہ برقی پریس، دہلی

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
(۱) کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے۔
۲۔ حروفِ علت کا استعمال۔
۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔
۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگرانِ تعلیمی مرکز نمبرا، آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو **رہنمائے قاعدہ** کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا۔

قیمت ۲ر

چوہا کانفرنس

سناتا ہوں تم کو ایک اچھی کہانی
سنو غور سے تم یہ میری زبانی

لگی کہنے ہنس کر مری چھوٹی بلی
کہ چوہوں کی میں نے خبر آج لے لی

کہا میں نے کیا واقعہ ہے بیاں کر
تو وہ ہنس پڑی زور سے کھل کھلا کر

ہنسی کم ہوئی تو لگی پھر یہ کہنے
گئی تھی محلہ میں، میں آگ لینے

ہوا اک جگہ مجھ کو معلوم ایسا
کہ ہر سارے چوہوں کا آج ایک جلسہ

وہاں جمع ہیں جتنے چھوٹے بڑے ہیں
کسی بات کا فیصلہ کر رہے ہیں

پہنچ کر میں کیا دیکھتی ہوں تماشا
دکھاؤں میں کیوں کر وہ منظر وہاں کا

قرینے سے ہر ایک بیٹھی تھی اپنی جگہ پر
جسے دیکھ انسان رہ جائے ششدر

یہ رونق نہ دیکھی تھی میں نے زمیں پر　　گویا آج جلسہ ہے عرش بریں[1] پر
کہیں قمقمے بجلی کے جل رہے تھے　　کئی بڑے[2] پنکھے تھے جو چل رہے تھے
بڑی سی وہاں گول میز اک بچھی تھی　　نشست اس کے چاروں طرف ہو رہی تھی
کوئی اہم مسئلہ گویا چھڑ گیا تھا　　کہ جلسہ میں اک شور غل مچ رہا تھا
کئی تھے کہ تقریر ہی کر رہے تھے　　کئی آپ ہی آپ کچھ بک رہے تھے
یہ رونق یہ زینت اور یہ بدتمیزی　　کہ سنتا نہ تھا بات کوئی کسی کی
لگی غور سے سننے میں بات ان کی　　مگر شور و غوغا میں کچھ بھی نہ سمجھی
یکایک کہا صدر نے بدتمیزو!　　یہ کیا بک رہے ہو بس اب چپکے بیٹھو
ذرا تم میں تہذیب کی بو نہیں ہے　　ذرا صبر و تسلیم کی خو[3] نہیں ہے
اب اس وقت یہ جلسہ برخاست ہوگا　　مگر میری ہے ساتھ ہی درخواست اس جا[4]
کہ تجویز[5] پر سب کے سب غور کر لیں　　ذرا سوچ لیں بحث کچھ اور کر لیں

۲

بس اتنے ہی میں ہو گیا حال خالی　　کہا میں نے بھی اب ہے میدان خالی
اٹھی اور دربان کو آ دبوچا!　　ادھر کچھ اٹھایا ادھر کچھ سمیٹا!
ہر اک شے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر　　رکھی اس جگہ دوسری چیز لا کر
ہر اک شے ادھر سے ادھر کر چکی جب　　مرا ہاتھ گھنٹی پہ جا پہنچا بے ڈھب
بجی گھنٹی اور بھاگی میں بے تحاشا　　مبادا[6] کہیں پھوٹ جائے نہ بھانڈا
ادھر بجلی کے تاروں میں جا کے الجھی　　وہ گھبرا گئی بس اک کچھ بھی نہ سوجھی
لگا ئی وہیں زور سے جست ایسی　　کہ بس ایک دم جھٹ ہی یہ جا کے ٹھہری
دباک کر وہیں سے جو دیکھا تماشا　　ادھر جو بہوں میں ہو گیا شور برپا

---

[1] آسمان [2] بجلی کے پنکھے [3] عادت [4] جگہ [5] دو چار آدمی مل کر بات طے کریں تو اس بات کو تجویز کہتے ہیں [6] کہیں ایسا نہ ہو

کہا ایک نے بات کیا ہو گئی ہے | ہر اک چیز بے قاعدہ کیوں پڑی ہے
کہیں بی بی میاؤں یہاں آ گئی ہوں | اور اپنے کرشمے یہ دکھلا گئی ہوں
گراں بے چاری کا اس جا گذارا | گویا موت کا ڈھونڈنا ہے سہارا
چکھا دیں، انھیں ہم مزا زندگی کا | قضا[1] ان کو لائے کہیں گر قضا[2] را
کہا ایک چوہے نے ہنس کر کہ یارو! | یہ کیا بک رہا ہے ذرا اس سے پوچھو
کہیں سچ مچ آ جائے دشمن ہمارا | کسی کو نہ دم مارنے کا ہو یارا[3]

۳

یہ سنتے ہی بس بیں تو اوپر سے کودی | وہ جلسے میں گڑبڑ ہوئی یا الٰہی!
کیا ایک دم سیکڑوں کا صفایا | دبوچا جہاں جس بے چارے کو پایا
ذرا دیر کرتی رہی یہ تماشا | مزا جلسے کا خوب چوہوں نے چکھا

۴

وہ ہنسنے لگی اپنی اس دل لگی پر | ہنسی آ گئی مجھ کو اس کی ہنسی پر
کہا میں نے ظالم یہ کیا کر کے آئی | ہزاروں کی تو بد دعا ساتھ لائی
تو کہنے لگی ہنس کے کیا ذکر میرا | بہت مجھ سے بڑھ کر ہے انساں کا رتبہ

[1] موت [2] اتفاق سے [3] ہمت

مگر اس میں بھی خودسری[1] کی وہ بو ہے — بڑائی کی باتیں ہیں نخوت[2] کی خو ہے

بظاہر وہ ہم مشرب[3] و ہم پیالہ — مگر دل نہیں زہر کا ہے پیالہ

کچھ اس طرح وہ اپنے مطلب نکالے — جسے دیکھ کر گرگٹ[4] بھی سر جھکا لے

بھلا سوچتا کون ہے عافیت[5] کی — کسے فکر باقی رہی عاقبت[6] کی

اگر ہم کریں کام دنیا میں بہتر — خدا کیوں نہ خوش ہو ہمارے عمل[7] پر

مگر اب وہ محنت وہ دولت کہاں ہے

عمادی خلوص و محبت کہاں ہے

(ابراہیم عمادی صاحب)

عجائب خانہ سمندر

ویل مچھلی یعنی خشکی کا عظیم الشان جانور پانی میں ویل، پارپائس یعنی دریائی سور، ڈالفن اور ڈیوگانگ یعنی دریائی انسان بھی مچھلی نہیں بلکہ یہ تو ہماری تمہاری طرح کے جانور ہیں اپنے بچوں کو ویسے ہی دودھ پلاتے ہیں جیسے انسان، گھوڑا ہاتھی اور بندر، اس لئے عقلمندوں نے ان کو مالس کہا ہے یعنی "دودھ پلانے والے جانور" اور خشکی کے جانوروں کی طرح انھیں بھی سانس لینے کے لئے ہوا درکار ہے، تم نے کبھی

کبھی سنا ہوگا فلاں شخص ڈوب کر مر گیا، ڈوب کر

[1] غرور، خودسر، جو اپنے آگے کسی کو نہ سمجھے [2] غرور [3] دوست، ساتھی [4] بیڑا [5] خیریت [6] موت کے بعد کی دنیا [7] کام

مرجانے کے کیا معنی، یعنی وہ پانی کے اندر رہ گیا

اور سانس نہ لے سکا اس لئے مرگیا یہ کیوں؟ حالاں کہ مچھلیاں پانی میں زندہ رہتی ہیں اور "ڈوب کر نہیں مرتیں" بلکہ انھیں پانی سے نکال کر باہر لاؤ تو "ہوا میں ڈوب کر مرجاتی ہیں" یعنی وہ ہوا میں سانس نہیں لے سکتیں اور تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوجاتی ہیں۔ خشکی اور پانی کے جانوروں میں یہی فرق ہے، خشکی کا جانور پانی میں سانس نہیں لے سکتا اس کو سانس لینے کے واسطے ہوا ہونا چاہئے اور پانی کا جانور خشکی میں سانس نہیں

لے سکتا اسے سانس لینے کے لئے پانی ہونا چاہئے

اس بنا پر ہم کہ سکتے ہیں کہ ویل، دریائی سور، دریائی انسان اور ڈالفن مچھلی پانی کے جانور نہیں ہیں مگر وہ پانی میں رہتے ہیں انھیں سانس لینے کی غرض سے پانی سے سر نکالنا ہوتا ہے، البتہ قدرت نے ان کے جسم میں اس کا انتظام کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ سانس لینے میں اتنی ہوا اپنے جسم کے اندر لے لیتے ہیں کہ پھر انھیں ہماری طرح ایک منٹ میں کئی مرتبہ سانس لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، بات یہ ہے کہ یہ سب ہاتھی اور گھوڑے کی طرح خشکی کے جانور تھے، غذا کی تلاش نے انھیں پانی کی طرف ہانک دیا اور وہ پانی میں رہنے کے عادی ہوگئے، پھر بھی اگر انھیں بہت دیر تک پانی میں رہنے پر مجبور کردیا جائے تو ہماری طرح ڈوب کر مرجائیں گے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انسان پانی میں زیادہ سے زیادہ دو تین منٹ تک سانس روکے رہتے ہیں اور ان میں کے بعض جانور دو دو تین گھنٹے

ویل مچھلی کے جسم میں ہاتھ پاؤں کے نشان اب بھی باقی ہیں یعنی جس زمانے میں یہ جانور خشکی میں رہتا تھا اس وقت اور چوپایہ جانوروں کے مثل اس کے ہاتھ پاؤں تھے مگر جب سے

سمندر کی زندگی اختیار کرلی ہاتھ اور پاؤں پروں پکھوٹوں اور دُم کی شکل میں بدل گئے مگر انگلیوں کے نشان ابھی تک باقی ہیں، ویل کو عجیب و غریب جانور کیوں سمجھا جاتا ہے اس کے کئی سبب ہیں پہلا سبب تو یہ ہے کہ یہ خشکی کا جانور جب سمندر میں پہنچا تو دریائی جانوروں کا شہنشاہ ہوگیا جیسے شیر جنگل کا بادشاہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ سطح کے قریب رہنے والا اور ہوا میں سانس لینے والا جانور اتنی بڑی بڑی گہرائیوں تک اترتا ہے کہ نہ وہاں کا کوئی جانور سطح تک زندہ آسکتا ہے نہ یہاں کا کوئی جانور وہاں جاسکتا ہے، اس کی وجہ ویل کے جسم کی چربی ہے، اس کے جسم میں چربی کی تین تہیں ہوتی ہیں اور ہر تہ بڑی لچکدار اور کمانی کا کام کرتی ہے تم نے ربن فش کے بیان میں پڑھا ہے کہ سمندر کی گہرائیوں میں پانی کا یہ وزن ہے کہ اگر اوپر کے جانور وہاں جائیں تو اس وزن سے کچل جائیں، ویل اس لئے جاسکتی ہے کہ چربی کی کمانیاں پانی کے وزن کو تھام لیتی ہیں، تیسری عجیب بات ویل کے متعلق اس کی دم ہے تم نے مچھلیوں کو دیکھا ہے کہ ان کی دم کھڑی ہوتی ہے اور تیرنے والے جانور کو اسی طرح کی دم کی ضرورت بھی ہے مگر ویل کو قدرت سے بہت بڑی چپٹی دم ملی ہے ایک زمانہ تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس وضع کی دم ہونے سے ویل کو تیرنے میں بڑی زحمت ہوتی ہوگی مگر اب معلوم ہوا کہ قدرت کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، ایسی دُم اس کو اس لئے ملی کہ سمندر کے گہرے حصوں سے اسی پر زور دے کر اُوپر آسکتی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو وہاں تک پہنچنے کے بعد پھر وہ اوپر نہ آسکتی ؛

خلیفہ ہشام اور ایک عیسائی

ہشام بن عبد الملک مسلمانوں کے ایک
مشہور بادشاہ اور خلیفہ گذرے ہیں ان کی بادشاہی
کے زمانہ میں ایک عیسائی نے عدالت میں ان
پر جائداد[1] کا ایک مقدمہ چلایا، حضرت عمر بن عبد العزیز
جج یا قاضی تھے جو بعد کو خود بھی مسلمانوں کے
نہایت نیک دل اور بے نظیر خلیفہ ہوئے۔ غرض
جج نے خلیفہ کو بھی عدالت (کچہری) میں طلب کیا
(بلایا) کیوں کہ وہ مقدمہ کے ایک فریق[2] تھے

جب خلیفہ عدالت میں آئے تو ان کی
کوئی تعظیم نہ کی بلکہ جج نے حاکمانہ انداز سے کہا
"جاؤ مدعی کے برابر جا کر کھڑے ہو" بادشاہ
سلامت نے ایک درخواست پیش کی کہ میں ایک
وکیل مقرر کرلوں جو میری طرف سے جواب[3] دہی
اور مقدمہ کی پیروی کرے۔ جج صاحب نے اسے
بھی منظور نہ کیا اور کہا کہ تم خود سامنے کھڑے
ہو کر جواب دو اور جب مدعی نے کوئی وکیل
نہیں کیا تو تم کو بھی کوئی حق نہیں ہے۔ خلیفہ کو کسی
قدر ناگوار ہوا کہ مسلمانوں کا اتنا بڑا خلیفہ ایک
عیسائی کے برابر کھڑا کیا جاتا ہے۔ غصے میں
انھوں نے سخت کلامی سے جواب دئے جج
نے بڑے زور سے ڈانٹا اور کہا دوبارہ ایسی
حرکت نہ کرنا ورنہ سزا دئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ
سلامت خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد مقدمہ
کی کارروائی شروع ہو گئی مدعی کا دعویٰ ٹھیک
ثابت ہوا۔ اسلام کے منصف مزاج جج نے اس
کے حق میں فیصلہ کر دیا اور بادشاہ سلامت
سے اس کا حق دلوا دیا۔

سبحان اللہ یہ تھا ایک مسلمان قاضی
کا انصاف، اور بادشاہ اسلام کی حق پرستی
اسلام نے امیر وغریب، مسلم، غیر مسلم سب
کے ساتھ انصاف اور مساوات کی
تعلیم دی ہے۔

(مولانا) محمد حسین محوی لکھنوی

[1] زمینداری [2] جب عدالت میں مقدمہ چلتا ہے تو مدعی (دعویٰ کرنے والا) اور مدعا علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا) ہر ایک کو مقدمہ کا فریق کہتے ہیں [3] یعنی میری طرف سے دوسرے فریق یعنی مدعی کے سوالوں کا جواب دے اور مقدمہ کی پیروی کرے یعنی مقدمہ سے متعلق جو اور کام ہیں وہ انجام دے

بُرے کام کا بُرا نتیجہ

پرانے زمانے میں ایک بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ ظلم و ستم اور ناانصافی سے پیش آتا تھا۔ تمام رعایا اُس کی اس سختی کی وجہ سے اس کو بُرا کہتی اور کوستی تھی

ایک روز یہ بادشاہ شکار کھیلنے گیا وہاں سے لوٹا تو اپنے شہر کی تمام رعایا کو جمع کر کے اُن کے سامنے یہ اعلان کیا کہ اب میں نے ایمانداری اور انصاف کے ساتھ حکومت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ بادشاہی مزاج کے اندر اس ایکا ایکی تبدیلی نے رعایا کو بہت حیران کیا اور وہ اس کا سبب معلوم کرنے کے بہت خواہش مند رہے۔ آخر بادشاہ کا ایک منہ چڑھا مصاحب اس بارے میں بادشاہ سے سوال کر بیٹھا بادشاہ نے جواب دیا کہ جس روز میں شکار کو گیا تھا اور شکار کی تلاش میں گھوڑے پر اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا تو اچانک میری نظر ایک کتے پر پڑی جو ایک لومڑی کا پیچھا کر رہا تھا کتے نے بے چاری لومڑی کی پیر کی ہڈی اپنے تیز دانتوں سے کچل دی تھی، لومڑی لنگڑاتی ہوئی کتے کی نظروں سے غائب ہو کر ایک جھاڑی میں چھپ گئی اور کتا مایوسی سے واپس ہو گیا۔

اس کے بعد اچانک مجھے ایک پیادہ نظر آیا جس نے ایک پتھر ایسی زور سے کتے کی طرف اٹھا کر پھینکا کہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

پیادہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ایک گھوڑے نے جو راستے میں چر رہا تھا اس آدمی کو اپنے پاس سے گذرتے وقت ایسی لات ماری کہ وہ اوندھا زمین پر گرا اور اس کی ٹانگ میں سخت چوٹ آئی۔

یہ گھوڑا ابھی تھوڑا ہی آگے جا کر پھر گھاس چرنے لگا اور ایسا مشغول ہوا کہ گڑھے کو جو اس کے راستے میں تھا، نہیں دیکھا اور اس کا پیر اس میں جا پڑا اور ٹانگ ٹوٹ گئی

ان تمام باتوں نے مجھے ہوشیار کر دیا اور میں نے اپنے دل سے کہا "کہ تو نے دیکھا ان تمام نے کیا کیا؟ اور اس کا کیسا نتیجہ ان کو ملا۔

"سچ ہے بُرے کام کا بُرا نتیجہ"

از ایم اے رحیم علی گڑھ

آپ کس لئے پڑھتے ہیں

آج کل پڑھنے لکھنے کا مقصد لوگ عموماً نوکری چاکری خیال کرتے ہیں اور تعلیم میں کوشش بھی اسی خیال سے کی جاتی ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نوکری مل جائے، کسی خاندان میں کوئی لڑکا تعلیم پاتا ہے خصوصاً صاحب انگریزی تعلیم پاتا ہے تو خاندان کے لوگ اسے کسی اچھی نوکری پر دیکھنا چاہتے ہیں لہذا وہ تعلیم فضول خیال کی جاتی ہے جس سے لڑکا نوکر نہ ہو سکے۔ فرض کرو ایک صاحب ہیں جن کے ایک صاحبزادے نے تعلیم حاصل کی مگر بدقسمتی سے نوکری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوئے ان کے والد صاحب نے دوسرے صاحبزادے کو صرف اس لئے تعلیم دلانا بالکل غیر ضروری سمجھا کہ بڑے بھائی نے پڑھ لکھ کر کیا کیا کہ یہ کچھ کریں گے، دوسری طرف خود لڑکے بھی تعلیم سے فارغ ہو کر صرف نوکری تلاش کرنے میں سرگرم نظر آتے ہیں اور ملازمت کا یہ حال ہے کہ بقول ایک صاحب کے خدا ملے تو ملے نوکری نہیں ملتی حالاں کہ جو محنت اور جو کوشش

نوکری حاصل کرنے میں کرتے ہیں اگر یہی کوشش اور محنت کسی دوسرے کام میں کریں تو بہتر خیال ہے کہ نوکری سے زیادہ اطمینان اور خوشی کی زندگی بسر کریں اور آزاد رہیں بھلا ہندوستان کے غلام باشندے آزادی کی قدر کیا جانیں انسان جیسی زندگی بسر کرتا ہے ویسے ہی اس کا خیال ہو جاتا ہے چنانچہ غلام ہندوستانیوں کے دل میں کوئی ترقی کا خیال بھی ہوتا ہے، تو غلامی میں ترقی کرنے کا یعنی بڑی ملازمت کا۔ جب انگریز ہندوستان میں آئے تو لوگوں کو اپنا خیر خواہ اور صنعت و حرفت سے ناکارہ بنانے کے لئے معمولی پڑھے لکھے لوگوں کو اونچی اونچی نوکریاں دینے لگے مگر اب وہ زمانہ کہاں جو مقصد تھا پورا ہو گیا لہذا اب تو اونچی اونچی تعلیم حاصل کئے ہوئے لوگ بھی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ شخص جو ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے وہ اپنی روٹی عزت سے کما لیتا ہے لیکن ایک تعلیم یافتہ شخص حیران پریشان پھرتا ہے کہ میں کیا کروں جس سے چار پیسے ہاتھ آئیں جس طرح انگلستان میں مزدوروں کی بےکاری کا سوال ہے اسی طرح ہمارے ہندوستان میں

پڑھے لکھے لوگوں کی بے کاری کا مسئلہ درپیش ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک لڑکا تعلیم پاکر کیوں اپنی ذات کو دنیا سے اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح اور ایک زمیندار کا لڑکا تعلیم پاکر کیوں زمینداری کے کام سے جی چراتا ہے۔ کسان کا لڑکا تعلیم پاکر کیوں کسانی سے جی چراتا ہے اسی طرح تاجر کا لڑکا تعلیم پاکر کیوں تجارت نہیں کرتا اور کس لئے رات دن نوکری کی فکر میں حیران و پریشان رہتا ہے اگر یہ لوگ پڑھ لکھ کر اپنے باپ دادا کے پیشوں کو جاری رکھیں تو پہلے سے کہیں زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے ہیں بلکہ اپنی سمجھ بوجھ اور تعلیم کی وجہ سے بہت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ نوکری کی غلامی سے تو وہ بالکل آزاد رہیں گے۔ اس وقت ملازمت کی یہ حالت ہے کہ معمولی نوکری کے لئے سیکڑوں درخواستیں آتی ہیں اور بلا مبالغہ بیس روپے پر ایک ایک ایم اے مل سکتا ہے، حالاں کہ اگر ہم ملازمت کا خیال چھوڑ کر دستکاری اور تجارت کی طرف توجہ کریں تو یقیناً اس سے زیادہ کما سکتے ہیں۔

ہندوستان میں تجارت کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں محنت و دیانتداری اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

بہرحال یہ خیال کہ تعلیم پاکر آدمی صرف ملازمت کرے بالکل غلط ہے اور حماقت سے خالی نہیں ہے۔

پیام بھائیو! تم کبھی اس خیال سے تعلیم حاصل کرنا کہ پڑھ لکھ کر نوکری یا غلامی کرو گے اس لئے کہ اس خیال سے جو کوئی پڑھتا ہے اس کا مقصد علم حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ ڈگری یا سند حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہے تاکہ اسے آسانی سے نوکری مل جائے

محمد ابو طاہر جماعت نہم (کلکتہ)

جیسے کو تیسا

آپ نے عباسی خلیفہ منصور کا نام تو ضرور سنا ہوگا اس کے دربار میں ہر وقت عالموں اور شاعروں کا مجمع رہتا تھا خود بھی بہت بڑا عالم و فاضل تھا۔ حافظہ تو اس غضب کا تھا کہ بڑی سے بڑی عبارت اور لمبے سے لمبا قصیدہ

ایک ہی بار سن کر ازبر (حفظ) ہو جاتا تھا لیکن ان سب خوبیوں کے ساتھ طبیعت میں بخالت (کنجوسی) بہت تھی جس کی وجہ سے مشکل ہی سے کوئی اپنی محنت کا صلہ پاتا۔ آج ایک اسی قسم کا قصہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

منصور عباسی کے پاس ایک غلام تھا جس کے سامنے اگر کوئی دو مرتبہ قصہ یا قصیدہ[1] کہتا تھا تو اسے فوراً یاد ہو جاتا تھا اور ایک لونڈی تھی جس کو تین مرتبہ میں یاد ہو جاتا تھا۔ اور خود منصور کو ایک مرتبہ میں یاد ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ منصور کے پاس ایک شاعر آیا اور کہنے لگا حضور میں ایک قصیدہ لایا ہوں اگر حکم ہو تو سناؤں، منصور نے کہا سناؤ اگر نیا قصیدہ ہوگا تو تمھیں اس کے برابر سونا تول کر دونگا اس نے قصیدہ سنایا تو منصور نے کہا یہ تو بہت ہی پرانا قصیدہ ہے لو مجھ سے سن لو یہ کہا اور سارا قصیدہ سنا دیا پھر کہنے لگا کہ یہ تو اتنا پرانا ہے کہ تم اس غلام سے سن سکتے ہو یہ کہ کر غلام کی طرف اشارہ کیا اور اس نے فرفر سنا دیا جب غلام بھی سنا چکا تو کہنے لگا کہ یہ تو لونڈی تک کو ازبر ہے یہ کہ کر لونڈی کی طرف دیکھا اور اس نے بھی الف سے لیکر ی تک سنا ڈالا اس شخص نے یہ رنگ دیکھا تو اسے بہت افسوس ہوا لیکن کرتا کیا اپنا منھ پیٹتا اور روتا ہوا چلا گیا۔

دربار میں ایک شاعر یہ سب دیکھ رہا تھا وہ منصور کی چالا کی سمجھ گیا اسے بہت ہی غصہ آیا دربار سے اٹھ کر چلا گیا گھر جا کر ایک بڑا سا قصیدہ تیار کیا اور بڑے بڑے پتھروں پر لکھا چند دن کے بعد دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں ایک قصیدہ لایا ہوں اگر حکم ہو تو سناؤں۔

منصور نے کہا "ہاں سناؤ اگر نیا ہوگا تو جس چیز پر تم نے لکھا ہے تمھیں اسی کے برابر سونا دوں گا"۔ شاعر راضی ہو گیا اور قصیدہ سنانا شروع کر دیا جب آدھا سنا چکا تو کہنے لگا کہ جہاں پناہ! اگر آپ نے پہلے بھی یہ قصیدہ سنا ہو تو آگے کے شعر زبانی بتا دیجئے لیکن منصور نے پہلے کبھی سنا ہو تو آگے کے شعر سناتا مجبوراً اسے اقرار کرنا پڑا کہ قصیدہ بالکل نیا ہے۔

نظم ختم ہوئی تو خلیفہ نے کاغذ مانگا کہ اس کے برابر تول کر سونا دے لیکن یہاں کاغذ کے بجائے بڑی بڑی وزنی پتھر کی بیسوں سلیں پیش

[1] کسی بادشاہ، امیر یا بڑے آدمی کی تعریف میں جو نظم لکھی جائے اسے قصیدہ کہتے ہیں۔

ہوئیں اور منصور کو اُن کے برابر سونا دینا پڑا۔

شیخ مسعود الحسن قدوائی

برسات کی آمد

اب جھم جھم چھم چھم برسے گا۔
برکھا[۱] کی رُت[۲] اب آئی ہے

اب کالی گھٹائیں آئیں گی۔
عالم میں دھوم مچائیں گی
گھنگھور گھٹائیں چھائیں گی
وہ پانی بھر بھر لائیں گی
سنسار میں ساون آئے گا
پیڑوں پہ جوبن آئے گا
اب شوخ ہوائیں مچلیں گی
اب بوندیں رک رک برسیں گی
گردوں[۳] پر بادل جھولیں گے
جُھک جُھک کے زمیں[۴] کو چومیں گے
دھرتی پہ اندھیرا چھائے گا
پر دل میں اجالا آئے گا
سنسار[۵] کی نین[۶] میں کاجل ہے
او یہ جو کالا بادل ہے

وہ بھُورے کالے بادل ہیں
وہ بھولے بھالے بادل ہیں
وہ رک رک تھم تھم چلتے ہیں
وہ چھم چھم چھم چھم چلتے ہیں
وہ دھکے دھچکے کھاتے ہیں
ہر گام[۷] پہ رک رک جاتے ہیں
لو بادل بپھرے جاتے ہیں
آپس میں بگڑے جاتے ہیں
وہ بادل بھاگے آتے ہیں
مل مل کے دوڑ لگاتے ہیں
وہ ناچتے گاتے آتے ہیں
دل میں اتراتے آتے ہیں
اب جھم جھم چھم چھم برسے گا
برکھا کی رت اب آئی ہے

———

(جیواد)

۱ برسات ۲ موسم ۳ آسمان ۴ زمین ۵ دنیا ۶ آنکھ ۷ قدم

اونٹ

اونٹ ایک بہت ہی بدصورت بے ڈول اور بھدا جانور ہے لیکن جس قدر یہ بدصورت ہے اسی قدر انسان کے مفید اور کارآمد بھی ہے بلکہ بعض مقامات مثلاً عرب وغیرہ میں تو اس کے بغیر لوگوں کا کام نہیں چل سکتا۔ آج ہم اس عجیب و غریب جانور کے کچھ حالات آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں

یہ پندرہ فیٹ یا اس سے زیادہ یا کم اونچا اور تقریباً چودہ فیٹ لمبا ہوتا ہے اس کی دم بہت چھوٹی کوئی ڈیڑھ فیٹ کے قریب ہوتی ہے۔ لیکن اس کی گردن تقریباً تین فیٹ لمبی ہوتی ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ یہ درخت سے پتے کھا سکتا ہے اس کی پیٹھ پر کوہان ہوتا ہے بعض کے ایک اور بعض کے دو یہ اس کے لئے بہت کارآمد چیز ہے۔ اس میں چربی ہوتی ہے جس کو یہ اس وقت استعمال کرتا ہے جب اس کو ریتیلے علاقہ میں متواتر چھ چھ سات سات دن تک کھانا اور پانی نہیں ملتا اور بغیر کھائے پئے چلتا رہتا ہے جب یہ سفر کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اس کا کوہان بہت ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کو سفر میں کھانا پینا نہیں ملتا تو اس کوہان کی چربی اس کی غذا بن جاتی ہے اور وہ بالکل دب جاتا ہے لیکن جب کھانا ملتا ہے تو یہ پھر اُبھر آتا ہے۔ اس کے پیٹ میں چار خانے ہوتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک میں اور بہت سے چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں، جن کو اونٹ اپنی مرضی کے مطابق کھول اور بند کر سکتا ہے ان خانوں میں تھیلیاں ہوتی ہیں جن کو یہ پانی سے بھر لیتا ہے اور ہفتوں ریتیلے علاقوں میں سفر کرتے وقت اس پانی کو استعمال کرتا ہے۔

اس کے پیر کے نیچے طباق سی چوڑی چیز ہوتی ہے، جو گائے، بیل اور بکری کے کھروں سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس سے اس کو بہت فائدے ہیں یعنی اس کی ٹانگیں

ریتلے علاقوں میں دھس نہیں سکتیں اگر یہ گھوڑے کی طرح سخت ہوتے تو ریگستان میں دھس جانے کا اندیشہ رہتا۔

اس کے دونوں نتھنے صحرائی (جنگلی) زندگی کے لئے بہت مفید ہیں ورنہ بہت سی ریت کھاجاتا اور ریگستان کی ریت سے گھٹ کر مر جاتا جو ریگستان میں ہوا کے ساتھ ہر وقت اڑا کرتی ہے یہ اپنے نتھنوں کو ریگستان کی ریت سے بچنے کے لئے اکثر بند رکھتا ہے۔

اس کا دودھ بھی پیتے ہیں یہ بڑی مشکل سے نکلتا ہے کوئی نا بلد دست (؟) آدمی نہیں نکال سکتا، لوگ بالٹی اپنے گلے میں ڈال کر آہستہ آہستہ نکالتے ہیں۔

۲۔ اس کو گاڑی میں جوتتے ہیں

۳ اس کی کھال کی بہت سی چیزیں بناتے ہیں۔

۴۔ اس کے بالوں سے کپڑے، خیمے اور بُرش (مصوری) کے لئے بُرش بناتے ہیں۔

۵۔ رہٹ میں جوتتے ہیں

۶۔ گوشت کھاتے ہیں۔

۷ اس پر اسباب بھی لادا جاتا ہے اور اور ان علاقوں میں استعمال ہوتا ہے جہاں گھوڑے ہاتھی اور بیل کام نہیں دیتے سوار ہوتے وقت یا سامان لادتے وقت یہ بیٹھ جاتا ہے اور جب لوگ اس پر بیٹھ جاتے ہیں یا سامان لد جاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے ہندوستان کے بعض مقامات میں یہ چار پہیوں کی دو منزلہ گاڑی میں بھی جوتا جاتا ہے پہلے تو لوگ ان گاڑیوں پر سفر بھی کرتے تھے مگر آج کل ان پر صرف تجارت کا سامان غلہ وغیرہ ادھر سے ادھر لایا یا لے جایا جاتا ہے۔

۸۔ عرب اور فارس کے لوگ اس کو لڑائی میں بھی استعمال کرتے تھے۔

عادتیں:- اونٹ بہت تیز دوڑتا ہے

۲۔ یہ برساتی علاقوں میں نہیں چل سکتا کیوں کہ اس کے پیر اس قابل نہیں ہوتے کہ یہ چل سکے ایسی جگہ میں یہ جلد پھسل جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔

۳۔ اونٹ بہت غصہ ور جانور ہے اور اکثر اپنے مالک کو بھی مار ڈالتا ہے یہ جانور بہت کینہ پرور ہے۔

۴۔ یہ قطار میں بہت مزے سے چلتا ہے۔

۵۔ جب چلتا ہے تو درختوں کے پتے توڑتا چلتا ہے۔
۶۔ کئی دن تک بغیر کھائے پیئے چل سکتا ہے۔
۷۔ بہت زور سے بلبلاتا ہے یہاں تک کہ زبان باہر نکال لیتا ہے۔
۸۔ یہ اس طرح چلتا ہے جس سے مسافر بہت جھوم جھوم کر بہت جلد تھک جاتا ہے۔
۹۔ جگالی کرتا ہے۔

خاص باتیں:۔ اس کا سارا بدن ٹیڑھا اور بے ڈول ہوتا ہے ایک مثل مشہور ہے اور آپ نے بھی سنی ہوگی کہ "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی"

۲۔ یہ بہت طاقت ور ہے۔
۳۔ عرب کے باشندے اس جانور سے بہت محبت کرتے ہیں جیسے ہندو گائے سے لیکن اپنے مہمانوں کے خاطر اس عزیز جانور کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔
۴۔ اونٹ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس کے ایک کوہان ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جس کے دو کوہان ہوتے ہیں۔

محمد احمد ابتدائی پنجم جامعہ ملیہ دہلی

عجیب لڑائی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں جامع مسجد گیا وہ رمضان کا آخری یعنی الوداع کا دن تھا، آپ جانتے ہیں کہ الوداع کے دن کتنی بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے۔ سڑک پر بھی بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی اور نماز بھی بڑی مشکل سے پڑھی جاتی ہے

میں گھر سے نو بجے چلا اور بڑی مشکل سے اندر جگہ ملی۔ نماز کے لئے وضو کرنے لگا تو پانی نہیں ملا آخر کار حوض پر گیا اور وہاں جاکر کھڑا ہو گیا وہاں اتنی بھیڑ تھی کہ کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا تھا اور تل بھر بھی جگہ نہیں تھی ایک کے اوپر ایک گر رہا تھا میں نے دل میں کہا کہ یا اللہ آج کیسے وضو کریں گے، دو گھنٹے تو کھڑے کھڑے ہو گئے اور اپنی باری ہی نہیں آتی اور نہ حوض کے پاس پہنچتے ہیں کہ دوسرا وضو کر کے اٹھے اور ہم بیٹھ جائیں، یہ کہتے کہتے ایک ریلا آیا اور آگے کے آدمی تو پیچھے آ گئے اور پیچھے کے آدمی آگے آ گئے اب میں پانی کے پاس تو پہنچ گیا لیکن ڈرا کہ اگر کسی نے

دھکا دیا تو پانی میں جاؤں گا اور پھر وضو کرنا کرانا سب نکل جائے گا اور حوض میں غوطہ لگانے لگوں گا آخر پھر ایک ریلا ویسا ہی آیا اور میں چاہوں کہ کسی طرح سے وضو کرلوں اور پھر یہاں سے نکل جاؤں لیکن وہاں سے نکل کیسے سکتے تھے۔ اپنا بس نہیں چل سکتا تھا کہ وضو کرکے نکل جائیں دھکوں کے مارے دم فنا ہوا جا رہا تھا پسینہ اس قدر آرہا تھا کہ سارے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ مارے گرمی کے پھنکے جا رہے تھے پیاس سے حلق سوکھ گیا تھا اور کانٹے پڑ گئے تھے۔ اتنے میں ایک اور ریلا آیا اور دو تین آدمی حوض کے اندر گر گئے جو آدمی حوض کے پاس کھڑے تھے وہ بھی ڈر رہے تھے کہ کہیں ہم بھی حوض کے اندر غوطہ نہ لگانے لگیں ادھر پیچھے جو آدمی تھے وہ برابر دھکا دئے جا رہے تھے۔ آگے والے آدمیوں نے دیکھا کہ اب کس طرح سے کام چلے۔ آخر ایک آدمی نے ایک آدمی کے تھپڑ جڑ دیا دوسرے نے اس کے بدلے میں ایک گھونسہ رسید کیا ایک پٹھان نے جس کے پاس ایک لکڑی تھی ایک آدمی کے جڑ دی اس کا مارنا تھا اور لڑائی کا پھیلنا تھا پھر تو دے گھونسا دے جوتا، دے تھپڑ، دے لکڑی، دے لات، دے گالی، دے کشتی، اور ایک کے اوپر ایک چڑھ گیا، کہاں تو وہاں جگہ بھی نہیں ملتی تھی اور کہاں ساری جگہ خالی ہوگئی اور لوگ اپنے اپنے بستر، جوتے اور جائے نمازیں لے کر بھاگنے لگے۔ جامع مسجد میں اندر بھی جگہ خالی ہوگئی اور ایک شور مچ گیا کہ لڑائی ہو گئی جو سنتا وہی جوتے بغل میں دبا، بھاگنا شروع کر دیتا، اور اپنے گھر کا راستہ لیتا۔

یہ تماشہ دیکھ کر میں حیرت میں رہ گیا کہ مسلمانوں میں کوئی تہذیب نہیں۔ اگر یہ تہذیب سے رہیں تو ایسا کبھی ممکن نہ ہو کہ آپس میں لڑائی لڑیں۔

میں نے اس روز وہاں خدا خدا کرکے نماز ادا کی اور آئندہ کے لئے نصیحت ہوگئی کہ کہیں اگر اتنی بھیڑ بھاڑ ہوگی تو نہ جاؤں گا

حافظ محمد ایوب خاں متعلم ابتدائی پنجم
جامعہ ملیہ دہلی

فہرست مضامین

قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

رجسٹرڈ اول نمبر ۱۹۶۱

مطبوعہ جامعہ برقی پریس، دہلی

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب-ایم اے. پی ایچ ڈی-

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۱) کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروف علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگراں تعلیمی مرکز نمبر ۱۔ آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو **رہنمائے قاعدہ** کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا۔

قیمت ۲ر

رشید کی کامیابی

ہوئے پاس لو بھائی عبد الرشید ... خوشی سے ہی گھر بھر میں بس آج عید
مبارک سلامت کا غل شور ہے ... خوشی کا مسرت کا غل شور ہے
چلو آؤ دادا سے چل کر کہیں ... کہ اس دم نہ خاموش وہ بھی رہیں
سنیں گے تو ہو جائیں گے وہ بھی شاد[1] ... بڑھاپے میں بر آئی دل کی مراد
وہ سنتے ہیں اونچا کہو زور سے ... نہیں فائدہ ایسے غل شور سے
مٹھائی منگاؤ کھلاؤ ہمیں ! ... ذرا ایسی خوشیاں دکھاؤ ہمیں !
چلو چل کے دادی کو بھی دیں خبر ... برا ہے کہیں ہم نہ ان سے اگر
سنیں گی تو دیں گی دعا اور وہ ... بہت شاد ہوں گی بہر طور[2] وہ
ابھی پاس ہونے کی دیکھی خوشی ... یہ سب برکتیں ہیں فقط علم کی
اگر آپ نے علم حاصل کیا ... تو سارے عزیزوں کو خوش دل کیا
یہ عزت مسرت[3] ہے سب علم کی ... یہ الفت محبت ہے سب علم کی
جو حاصل کیا تم نے علم و ہنر ... تو خوش ہو گیا گھر کا گھر کس قدر
نہ پڑھتے جو محنت سے بھیا رشید ... تو کیسی خوشی اور کاہے کی عید
ندامت سے صورت دکھاتے نہیں ... کبھی سر کو اوپر اٹھاتے نہیں
نہ ہنستے کسی سے نہ کچھ بولتے ... نہ یوں مسکراتے نہ منہ کھولتے
مزہ ہے کہ محنت کریں رات دن ... کہ ہے پڑھنے لکھنے کا بس یہ ہی سن
اگر وقت اپنا گنوائیں گے ہم ... یہ عزت مسرت نہ پائیں گے ہم
صلہ اپنی محنت کا پایا ہے آج ... کہ سر پر ہے عزت مسرت کا تاج

[1] خوش۔ [2] بہرحال۔ [3] خوشی

اگر علم سے منہ چراتے کہیں
رشید ایسی عزت بھی پاتے کہیں

(از محوی صدیقی لکھنوی، اردو لیکچرار مدراس یونیورسٹی)

عجائب خانہ سمندر

۴ بلین ویل:۔ سمندر میں ویل کی کئی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ اس کو "ویل بون ویل" بھی کہتے ہیں یہ عموماً ساٹھ ستر فٹ کی ہوتی ہے۔ مگر بعض ایک سو چالیس فٹ کی بھی دیکھی گئی ہیں۔ اس قد و قامت کا صحیح اندازہ تمہیں اس وقت ہوگا کہ تم زمین پر ایک سو چالیس فٹ ناپ کر دیکھو۔ اس کے منہ کی یہ کیفیت ہے کہ سولہ سولہ بیس بیس فٹ کا تو ایک کلا ہے اور منہ کھلا رہے تو دونوں جبڑوں کے درمیان بارہ اور پندرہ فٹ کا فاصلہ رہتا ہے یعنی تقریباً تمہارے مکانوں کی چھتوں سے بھی بلند۔ ایک مرتبہ انگلستان میں ایک مردہ ویل کو نمائش میں لاکر رکھا گیا، اس کے منہ میں ایک سو پچاس سے زیادہ لڑکے کھڑے ہو سکتے تھے، اس ویل کے دانت نہیں ہوتے اس لئے کبھی کسی پر حملہ نہیں کرتی۔ البتہ جب اس پر حملہ کیا جائے تو خوب لڑتی ہے اور اس کی دم کا ایک طمانچہ بڑی سے بڑی کشتی کو چور چور کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے، عموماً چھوٹے چھوٹے دریائی جانور اس کی غذا ہوتے ہیں۔ کہ کئی کئی لاکھ کا ایک نوالہ بنا کر اطمینان سے تیرتی رہتی ہے۔ اس کے منہ میں دانتوں کے بجائے ہڈیوں کا ایک جال سا ہوتا ہے اور وہ اس طرح بنا ہوتا ہے کہ چھوٹے جانوروں کو منہ میں لے کر جب اسے بند کر لیتی ہے تو سلاخوں کے دروازے کی طرح بند ہو جاتا ہے اور جانور نہیں نکل سکتے صرف پانی نکل جاتا ہے۔ اتنے بڑے جانور کا حلق تمہارے ٹخنے سے بڑا نہیں ہوتا یعنی اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا نوالہ نگلا نہیں جا سکتا۔ اسی لئے چھوٹے چھوٹے جانوروں پر اس کو اکتفا کرتا ہوتا ہے، اس کے پہاڑ جیسے منہ میں سکنگ فش (دیکھو شہسوار مچھلی کا بیان) اپنا گھر بنا لیتی ہے۔ اور نہایت مزے سے زندگی بسر کرتی ہے ویل کے ایک نوالے میں سے سکنگ فش کو اتنا مل جاتا ہے کہ اپنے لئے غذا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور ویل کا حلق اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ یہ نگلی نہیں جا سکتی، منہ میں دانت نہیں کہ

چبائے جانے کا اندیشہ ہو پھر ڈر کاہے کا، گھر کیا اچھا نعمت خانہ مل گیا۔ رات دن کھاتے، ڈکارتے پڑے رہتے ہیں، اس بے چارے ویل کے ہزاروں لاکھوں دشمن ہیں، خود انسان اس کے "ویل بون" یعنی جبڑے کی ہڈی کی خاطر بڑی بے دردی سے اس سمندری دیو کو ہلاک کرتا ہے اس کے علاوہ دوسرے ویل مثلاً اسپرم ویل، گرمپس ویل،

سوائے انسان کے چھوٹا بڑا کون سا جانور ہے جو اس سے دور رہنے کی کوشش نہیں کرتا اور اس کی ہمت کا یہ عالم ہے کہ سمندر کی گہرائیوں کو اس نے اپنا شکار گاہ بنا رکھا ہے اور بڑی بڑی اکٹوپس اور کٹل فش جیسے جانوروں پر حملہ کرکے ان گہرائیوں میں ان کا شکار کرتی ہے۔ سورڈ فش، گرمپس وغیرہ جب بھوک کی شدت سے دیوانی ہو جاتی ہیں

سورڈ فش اور سا فش دس دس اور بیس بیس باہم مل کر اس کا شکار کرتی ہیں۔

۵۔ اسپرم ویل یعنی سمندروں کا شہنشاہ:۔

دانت والی ویلوں میں سب سے بڑی اسپرم ویل ہے اس کو کیا چیلاٹ (*Cachelot*) بھی کہتے ہیں۔ اس کی جرات، خونخواری، غصے اور بہادری کے سمندر میں ڈنکے بجے ہوئے ہیں

تو کئی کئی مل کر اس پر ایسا حملہ کر دیتی ہیں جیسے بھوکے جنگلی کتے جمع ہو کر شیر پر حملہ کرتے ہیں۔ اس کے قد کی لمبائی ستر، اسی بلکہ ایک سو دس فٹ تک پائی گئی ہے، اس کے منہ میں اوپر کے جبڑے میں دانت نہیں ہوتے بلکہ نیچے کے جبڑے میں چالیس یا پچاس دانت ہوتے ہیں اور ہر دانت تقریباً دو تین سیر کا وزنی ہوتا ہے، اس کے جسم کے تین برابر کے

حصے ہوتے ہیں ۔ ایک میں سر ہوتا ہے ۔ ایک میں دم اور باقی کل جسم ان دونوں کے درمیانی حصہ میں ہوتا ہے ۔ اس کو "اسپرم ویل" اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے سر میں نتھنوں کے پیچھے ایک صندوق سا بنا ہوا ہے ، جس میں سے اس پر مٹی سی (ایک قسم کی اعلیٰ درجے کی چربی) اور تیل نکلتا ہے ، یہ دونوں بڑی قیمت سے بکتی ہیں ، اور اسی کے لئے انسان اس خوفناک جانور کا شکار کرتا ہے ، اس کے شکار کے حالات سننے ، اور پڑھنے کے قابل ہیں ، جو اس سلسلہ کی دوسری جلدوں میں بیان کئے گئے ہیں ۔

انسانوں نے اس کثرت سے "اسپرم ویل" کا شکار کرنا شروع کیا کہ اب ان کی تعداد بہت کم ہو گئی ہے ، اسپرم ویل ٹھنڈے ملکوں کے سمندروں میں نہیں پائی جاتی ۔ بلکہ گرم ملکوں کے سمندروں میں رہنا پسند کرتی ہے ۔ اس کا حلق اتنا بڑا ہوتا ہے کہ آسانی سے آدمی کو نگل سکتی ہے ، ایک اور خونخوار قسم ویل کی "گرمپس" ہے اس کو ملاح خونی ویل بھی کہتے ہیں ، کیوں کہ یہ عموماً اپنی ہی قسم کے حیوانات یعنی ویل پر ہی بہت حملہ کرتی ہے ، اور حملہ کرتے وقت اپنے ساتھ سورڈفش اور سافش کو شریک کر لیتی ہے ، اکثر تو بلیں ویل ان خونیوں کا شکار ہو جاتی ہے ، اور کبھی کبھی بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر یہ اسپرم ویل پر دھاوا بول دیتی ہے گرمپس کے دونوں جبڑوں میں دانت ہوتے ہیں اور اس کا قد عموماً بیس فٹ لمبا ہوتا ہے ۔

سید محمد عسکری ۔ جعفری

بزرگوں کا ادب

دنیا میں ادب ضروری اور عمدہ چیز ہے ، بزرگوں کا ادب ضرور کرنا چاہیئے ، دیکھو سلطان محمود کتنا بڑا بادشاہ تھا ، مگر وہ بھی بزرگوں کا ادب کیا کرتا تھا ۔

ایک بار کا قصہ ہے کہ سلطان محمود خراسان گیا ، وہاں ایک بڑے بزرگ شیخ ابوالحسن خرقانی رہتے تھے اس کے دل میں خیال آیا کہ ان سے بھی ملاقات کروں ، لیکن پھر سوچا کہ میں غزنیں سے خراسان ۔ کے انتظام کے لئے آیا ہوں دنیا کی کسی ضرورت سے آنا اور پھر کسی بزرگ سے ملاقات کرنا جو خدا کے خاص بندے ہیں ۔ یہ ادب کے خلاف ہے ، اس لئے وہ خراسان سے ہندوستان چلا آیا ، اور ۔ حضرت ابوالحسن سے ملنے کا ارادہ ملتوی رکھا ، ہندوستان کے سفر سے واپس ہو کر خاص طور سے آپ سے ملنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا اور احرام

باندھ کر خرقان روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر حضرت کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ سلطان غزنین سے خراسان آیا ہے آپ اپنے مکان سے اٹھ کر بادشاہ کی بارگاہ تک آئیں۔ و اَطِیعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِی الاَمرِ مِنکُم (خدا کی اطاعت کرو اپنے رسول کی اور جو تم میں کا سردار ہو) کا حق ادا کریں۔ ابوالحسن خرقانی نے یہ جواب کہلا بھیجا کہ میں اَطِیعُوا اللّٰہَ میں اس قدر ڈوبا ہوا ہوں کہ اَطِیعُوا الرَّسُولَ کی تعمیل نہ ہونے سے شرمندہ ہوں پھر بھلا اُولِی الاَمرِ کی طرف کیوں کر متوجہ اور مشغول ہو سکتا ہوں۔

سلطان محمود کے دل پر یہ جواب سن کر بڑا اثر ہوا اور رونے لگا، پھر خود حاضر ہوا اور نہایت ادب و احترام سے ان بزرگ کی خدمت کی۔ (مولینا محمد حسین - محوی)

ڈاکو کی سچائی

تم نے جغرافیہ میں پہاڑوں کے نام تو پڑھے ہوں گے۔ نقشہ میں اب بندھیاچل پہاڑ دیکھو کہ کہاں ہے۔ ہم یہ قصہ اسی طرف کا لکھتے ہیں اس پہاڑ کی ترائی[1] میں شیر گڈھ نام کی ایک ریاست کسی زمانہ میں تھی۔ اور یہاں کا راجہ شیر سنگھ نامی بڑا بہادر اور لڑاکا تھا۔ اس راجہ کے گھر میں دو بچے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی لڑکے کا نام بیر سنگھ تھا۔ اور وہ لڑکی سے جس کا نام کملا تھا دو برس بڑا تھا۔ بیر سنگھ کی بہادری باپ سے کم نہ تھی۔ وہ تیر کمان لے کر ہرنوں کا شکار کرنے بہت دور جنگل میں نکل جایا کرتا۔ اور اسے ذرا بھی ڈر نہ لگتا۔

ایک دن جب کملا اور بیر سنگھ محل کے پچھواڑے کھیل رہے تھے انھیں ایک ہرن دکھائی دیا۔ بیر سنگھ نے فوراً اپنا تیر کمان ٹھیک کیا اور کہا کہ بہن کملا دیکھ کیسا نشانہ لگتا ہے۔ کملا دیکھتی رہی پر جو تیر بیر سنگھ نے چلایا تھا وہ ایک درخت میں جا کر گر گیا۔ اور ہرن بھاگ گیا۔ بیر سنگھ کچھ شرما گیا۔ اور کہنے لگا "نشانہ غلط لگا"۔ کیونکہ سردی بہت پڑ رہی ہے اور انگلیاں ٹھٹھر رہی ہیں۔ اس وجہ سے نشانہ خطا ہو گیا۔ پر میں اس ہرن کو ضرور ماروں گا۔ آؤ چلو اس کا پیچھا کریں۔

کملا کے سر میں اس وقت درد ہو رہا تھا مگر وہ ہمیشہ اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ اس لئے جب بیر سنگھ ہرن کی تلاش میں چلا تو کملا

[1] پہاڑ کے نیچے یا دامن میں جو زمین ہوتی ہے وہ ترائی کہلاتی ہے۔

بھی اس کے پیچھے ہولی، ہرن ایک جھاڑی کی آڑ میں کھڑا تھا، بیر سنگھ نے دوسرا تیر چلایا۔ نشانہ ٹھیک لگا۔ کملا نے اپنے بھائی کو اس پر مبارک باد دی۔

جب دونوں بھائی بہن لوٹنے لگے تو راستہ بھول گئے، کیوں کہ ہرن کے پیچھے بہت دور نکل گئے تھے۔ اور نئی مصیبت یہ آئی کہ بڑے زور سے مینہ برسنے لگا اور ہوا چلنے لگی، دونوں بارش میں خوب بھیگ گئے اور تھر تھر کانپنے لگے، بیر سنگھ نے اپنی بہن کو اپنے لبادہ میں چھپالیا، کملا کو اسی وقت بخار چڑھ آیا، وہ کہنے لگی کہ میرے سر میں تو پہلے ہی سے درد تھا۔ ہرنی کے بچوں نے مجھے بد دعا دی ہوگی اس لئے اب نہ بچوں گی اور مر جاؤں گی، بیر سنگھ بھی پریشان ہوا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے ادھر دیکھنے لگا کہ اچانک سبز رنگ کی ساڑھی پہنے ہوئے ایک خوب صورت عورت بن کی ہریالی میں سے نکلی۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس نے کہا کہ اس گھنے جنگل میں تم کو کون چھوڑ گیا۔ اس سردی میں تم مر جاؤ گے۔ بیر سنگھ نے کہا کہ مجھے سردی کا تو ذرا ڈر نہیں، مگر میں راستہ بھول گیا ہوں، میں راجہ کا بیٹا ہوں شکار کھیلنے آیا تھا۔

پھر کہنے لگا اے خوب صورت بن ماتا کیا تمہیں چور ڈاکوؤں کا ڈر نہیں اس جنگل میں "ہیرا" نام کا ایک بڑا بھاری ڈاکو رہتا ہے۔ ہمارے باپ اسے پکڑوانے کی فکر میں ہیں، لیکن وہ بڑا چالاک ہے مجھے تو اس کا بھی کوئی خوف نہیں۔ خیال یہ ہے کہ کہیں وہ میری بہن کے زیور نہ اتار لے۔ اگر اس نے اتارے تو میں اس کو مار ڈالوں گا۔ (باقی آئندہ)

چندر سیکر۔ فتح دار سیکر

ڈرافٹ

ڈرافٹ ایک بہت ہی عمدہ، سہل، دلچسپ اور مزے دار کھیل ہے، تم نے اکثر لوگوں کو زمین یا تختہ پر کوئلہ یا کسی دوسری چیز سے خانہ بنا کر چھوٹی چھوٹی کنکریوں یا گوٹیوں سے کھیلتے دیکھا ہوگا بس یہ بھی اسی قسم کا کھیل ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کی شکل کچھ اس قسم کی ہوتی ہے اور ڈرافٹ کے خانے ایک چوکور تختے پر ہوتے ہیں۔ اس کے خانے کل ۱۲ یا اٹھارہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے ۶۴ ہوتے ہیں یہ کنکریوں سے کھیلا جاتا ہے اور اس کی گوٹیاں لکڑی کی ہوتی ہیں، اب ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ یہ

کھیلا کس طرح جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ کھیل ایک
ایک چوکور تختہ پر کھیلا جاتا ہے اس تختہ میں ۶۴
خانے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۳۲ سفید اور
۳۲ سیاہ ہوتے ہیں۔ کھیلنے کے لئے لکڑی کی
۲۴ گول گوٹیاں یا مہرے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ۱۲
سفید اور ۱۲ کالے ہوتے ہیں، کھیل صرف
دو کھلاڑیوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ہر ایک کھلاڑی
کو ایک رنگ کی ۱۲، ۱۲ گوٹیاں دے دی جاتی
ہیں۔ وہ ان گوٹیوں کو صرف سیاہ خانوں میں رکھتا
ہے۔ جیسا کہ شکل نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔

شکل نمبر ۱
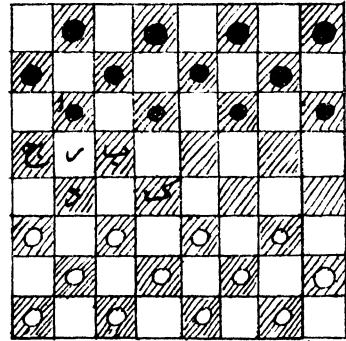
کھیلنے کے قاعدے:- ہر ایک مہرے یا
گوٹی کی چال ایک گھر سیدھی ہے جیسا کہ شکل نمبر ۱
میں مہرہ ا، ب، ج کے خانوں میں آسکتا
ہے، لیکن "ر" کے خانہ سے اچھل کر "د" کے
خانہ میں نہیں آسکتا۔ ہاں مقابل کے کھلاڑی کا
مہرہ مارتے وقت ہر مہرہ کو اپنے خانہ سے اچھل کر
اور بیچ کا خانہ چھوڑ کر تیسرے خانہ میں جانا پڑتا ہے
(اگر تیسرا خانہ خالی ہو) مثلاً فرض کیجئے "ب" کے
خانہ میں سفید مہرہ ہو تو "د" کو سفید مہرہ مارنے کے
لئے اپنے خانہ سے اچھل کر "ک" کے خانہ میں آنا
پڑے گا۔ اگر "ک" کا خانہ خالی ہوگا۔ اب اگر "ک"
کے خانہ کے بعد پھر کوئی سفید مہرہ ہو اور اس کے
بعد والا خانہ خالی ہو تو سیاہ مہرہ اسے بھی مارے
گا۔ اس طرح ایک ہی بار سیاہ مہرہ جتنے بھی سفید
مہرے اس طرح رکھے ہوں گے کہ ان کے بعد والا
خانہ خالی ہوگا ان سب کو مارتا چلا جائے گا۔ جیسا
کہ شکل نمبر ۲ میں مہرہ "الف" اپنے خانہ سے اچھل

شکل نمبر ۲

کر "ب" ، "ج" سے اچھل کر "ج" اور "ج" سے
اچھل کر "د" کے خانہ میں پہنچ گیا اگر "ج" کے خانہ
میں بھی کوئی مہرہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ مہرا "ا"، "ب"
کے خانہ میں سے اچھل کر "ج" کے خانہ میں نہیں رہ
سکتا تھا۔ بلکہ "ب" کے خانہ میں پہنچ کر اپنی چال
ختم کر دیتا۔

۲۔ کسی مہرے کو پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں

۳۔ ایک کھلاڑی صرف ایک چال چل سکتا ہے

۴۔ اگر کوئی مہرا دوسرے کھلاڑی کے آخری
خانوں میں پہنچ جائے تو وہ بادشاہ بنے گا۔ اور اس
میں اور دوسرے مہروں میں فرق کرنے کے لئے
اس پر ایک مہرا اور سوار کر دیا جاتا ہے۔ اب
بادشاہ سلامت کو آگے اور پیچھے دونوں طرف چلنے
کا حق ہوگا۔ یہ حق مل جانے کی وجہ سے وہ کبھی کبھی
دوسرے کھلاڑی کے پانچ پانچ چھ چھ مہرے ایک
ہی چال میں ختم کر دیتا ہے۔

۵۔ کھلاڑیوں کو کھیل شروع کرنے سے پہلے دونوں
قسم کے مہرے قرعہ کے ذریعہ تقسیم کرنا ہوں گے۔

۶۔ کالے مہروں والا کھلاڑی پہلے چال چلے
گا۔ کھیل ختم ہونے کے بعد مہرے بدلنا پڑیں گے۔
یعنی جس کے پاس پہلے سیاہ مہرے تھے اب وہ سفید
لے گا اور جس کے پاس سفید تھے وہ سیاہ لے گا
ہر کھیل کے ختم پر اسی طرح ادل بدل ہوگی۔

۷۔ چال چلنے کے بعد اسے لوٹانے (واپس لینے)
کا حق دونوں کھلاڑیوں میں سے کسی کو نہ ہوگا۔

۸۔ اگر کھیلتے کھیلتے دونوں طرف صرف ایک
ایک بادشاہ رہ جائے تو کھیل ختم ہو جائے گا۔ مگر
دونوں کھلاڑی آپس میں برابر سمجھے جائیں گے جیت
کسی کی نہ ہوگی۔

۹۔ اگر ایک طرف کے سارے مہرے ختم ہوگئے
یا ایک کھلاڑی ایسی چال چلا کہ دوسرے کھلاڑی
کے مہرے بند ہوگئے اور چال چلنے کے لئے کوئی
راستہ ہی نہیں رہا تو کھیل ایک طرف کی جیت
میں ختم ہو جائے گا۔

(احسان اللہ خاں بی اے جامعہ (سب اڈیٹر روزنامہ سرحد))

ایک آنکھ والا دیو!

اڈیسیس ایک مشہور یونانی سیاح[1] گذرا ہے۔
اس نے بہت بڑے بڑے کام انجام دئے جس سے
اس کا نام دنیا میں روشن ہوگیا۔ اڈیسیس ایک
بہادر لڑا کا (جنگ جو) سپاہی بھی تھا۔ کئی بار
وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بچ گیا۔

[1] سیر و سیاحت یا سفر کرنے والا۔

پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے اس کا ایک واقعہ یہاں لکھتا ہوں۔

ایک دفعہ اڈیسیس اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سیر کرتا کرتا ایک ایسے جزیرہ جا پہنچا جہاں دیو ہی دیو رہا کرتے تھے، اڈیسیس کو معلوم نہ تھا کہ اس جزیرہ میں دیو بستے ہیں اس نے اپنے ساتھیوں سمیت اس جزیرہ میں پڑاؤ ڈال دیا کشتی کو کنارہ پر چھوڑ کر اڈیسیس اور اس کے ساتھی جزیرہ کی سیر کو نکلے۔ اپنے ساتھ کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان بھی لیتے گئے۔

تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ قریب کے ایک غار سے ایک بڈھا دیو نمودار ہوا اور اڈیسیس اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر ایک غار میں لے گیا اور اس میں بند کر کے ایک بھاری چٹان اس غار کے منہ پر دھکیل دی۔

جزیروں کے دیووں میں سب سے زبردست یہی تھا، اور بجائے دو آنکھوں کے اس کے ایک ہی آنکھ تھی اس لئے اس کا نام "ایک آنکھ والا دیو" تھا۔ جب اس خوفناک دیو نے ان بے چاروں کو ایک محفوظ غار میں بند کر دیا تو آپ گہری نیند سو گیا۔

اب اڈیسیس اور اس کے ساتھی بہت بڑے خطرہ میں تھے۔ رات بھر اڈیسیس موت کے منہ سے چھٹکارا پانے کی تجویزیں سوچتا رہا۔ مگر کوئی عمدہ تجویز سمجھ میں نہ آئی۔ اسی طرح دو تین دن گذر گئے دیو ہر روز صبح میں ایک آدمی کا ناشتہ کرتا اور یوں سے اڈیسیس کے ساتھیوں کی تعداد کم ہونے لگی۔

ایک دن دوپہر کے وقت "ایک آنکھ والا دیو" اس غار میں آیا اسے پیاس بہت لگ رہی تھی اور اس سے اس کا برا حال تھا، اڈیسیس نے دیو کو دیکھتے ہی تاڑ لیا کہ آج اس کا مہربان دوست بہت پیاسا ہے۔

جس وقت اڈیسیس اور اس کے ساتھی۔ ساحل سے چلے تھے تو اپنے ساتھ شراب کی چند بوتلیں بھی لائے تھے اب اڈیسیس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور شراب کی بوتلیں لے کے دیو کے سامنے جا حاضر ہوا۔ اس نے بوتلیں اس کے سامنے رکھیں اور نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا کہ شاید دیو شراب پی کر اس پر کچھ رحم کرے۔

دیو کو پیاس بہت لگ رہی تھی۔ اس نے بوتلیں خالی کر دیں۔ شراب اس نے عمر بھر

سلہ ساتھی

کبھی چکھی نہ تھی پیتے ہی خوش ہوگیا۔ اور اڈیسیس سے مخاطب ہوکر نہایت نرم آواز سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے" اڈیسیس نے نہایت عقل مندی سے کام لیا اور کہا" جناب عالی! میرا نام کوئی نہیں" ہے۔ عفریت اد یو نے جواب دیا" بہت خوب "کوئی نہیں"! تم نے مجھے بہت خوش کیا ہے، اس لئے میں تمہیں اس کا صلہ دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں تمہیں آخر میں کھاؤں گا۔ یعنی جب تک تمہارے سب ساتھی ختم نہ ہوجائیں۔ تب تک تمہیں ہاتھ نہ لگاؤں گا" یہ کہہ کر دیو غار کے منہ پر سوگیا تاکہ کوئی غار سے باہر نہ نکل جائے۔

(باقی آئندہ) ایم عبدالقادر متعلم مہاراجہ ہائی اسکول میسور

گھر کو روانگی

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ ہم اور ہماری ایک رشتہ دار دو مہینے کی چھٹیوں پر گھر جارہی تھیں جس ڈبہ میں ہم لوگ بیٹھے تھے، اس میں تمام شریف آدمی تھے۔ خیر جناب۔ گاڑی جب خورجہ پہ ٹھہری تو ایک اُجڈ گنوار اور اس کا نوکر ڈبہ میں گھس آیا۔ ایک بینچ پر امتیاز صاحب لیٹے ہوئے تھے وہ گنوار کہنے لگا پیر "ہٹالے بے"۔ امتیاز صاحب کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے کہا" بھائی مجھ کو لیٹا رہنے دے"۔ اب کے اس گنوار نے ایک موٹی سی گالی دی اور ان کے پیروں پر بیٹھ گیا۔ گھی کی لٹیا اور ناشتہ دان بھی ان کے پیروں پر رکھ دیا۔ انھوں نے غصہ میں آکر ایک لات جو ماری تو اس کی لٹیا فرش پر گری اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ادھر دروازہ کھلا تو ناشتہ دان ریل کے باہر گیا۔ گھی بھی سارا گر گیا۔ اور اس کا منہ زور سے کھڑکی میں لگا۔ امتیاز صاحب جلدی سے اٹھے اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور خوب ہی چانٹے مارے نسیم صاحب کے پاس ایک بیت تھا۔ انھوں نے تڑا تڑ خوب ہی بیت لگائے۔ اتنے میں ان شریف لوگوں نے جو ڈبہ میں بیٹھے ہوئے تھے بیچ میں آکر ایک دوسرے کو ہٹا دیا۔ چند اسٹیشنوں کے بعد ڈبہ کے ایک بزرگ اور شریف آدمی اتر گئے اور چلتے وقت کہنے لگے ہوشیار رہنا ہم تو جاتے ہیں۔ تو امتیاز صاحب نے کہا کہ اب میں یہاں تھوڑا ہی رہوں گا بلکہ اب میں گارڈ کو سامنے کھڑا کرکے پلیٹ فارم پر لڑوں گا۔ یا میں ہارا اور یا یہ جیتا۔ جس وقت لڑائی ہورہی تھی اس وقت

مسعود صاحب وغیرہ نے بھی خوب مارا تھا لڑائی کے وقت ان رشتہ دار صاحبہ کا عجب حال تھا۔ وہ یہ کہہ رہی تھیں کہ" اوئی اوئی میں ریل میں سے کود ی جاتی ہوں خدا کے لئے اس لڑائی کو روکو۔ اور اس گنوار کو خوب ہی کوسنے دیئے کہ اللہ تجھے اڑائے، تیرا منہ مٹی میں ملے غرض ہنسی خوشی گھر پہنچ گئے۔ مگر مجھے بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ دیکھئے یہ گنوار اگر اس قدر بدتمیزی نہ کرتا اور ذرا عقل اور تہذیب سے کام لیتا تو کیوں اتنی لاتیں کھاتا۔ اور نقصان اٹھاتا۔

رحیم الدین خان (متعلم ابتدائی ہجم)

شیر

آپ نے سرکسوں یا زندہ عجائب خانوں میں دوسرے جانوروں کے علاوہ شیر بھی ضرور دیکھا ہوگا۔ اگر نہ دیکھا ہو تو آیئے آج ہم آپ کو اس کے متعلق کچھ بتلائیں۔

جنگل کا یہ مضبوط اور طاقت ور بادشاہ کوئی بارہ سے چودہ فٹ لانبا اور تقریباً یون گز اونچا ہوتا ہے یہ اپنے چہرے مہرے اور جسم کی بناوٹ میں بہت کچھ بلی سے ملتا جلتا ہے۔ جن لوگوں نے بلی اور شیر دونوں کو دیکھا ہے وہ اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں اسی لئے تو بلی کو شیر کی خالہ کہتے ہیں۔

اس کے تلوے بلی کی طرح بہت نرم اور گدے دار ہوتے ہیں۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ چلنے میں پیروں کی آواز نہیں نکلتی۔ اور وہ اچانک بے خبری میں شکار کو جا دبوچتا ہے اس کے پیروں میں بلی کی طرح نوک دار

ہے۔ یہ رنگ اس کے لئے بہت مفید ہے۔ اس لئے کہ جب وہ جھاڑی میں ہوتا ہے تو جھاڑی کے رنگ میں اس کا رنگ کچھ اس طرح مل جاتا ہے کہ دوسرے جانوروں کو اس کے ان جھاڑیوں میں موجود رہنے کا وہم و گماں بھی نہیں ہوتا۔

ناخن ہوتے ہیں جو اس کے لئے تلوار کا کام دیتے ہیں جس طرح تلوار میان میں رہتی ہے اسی طرح یہ ناخن بھی تلووں میں چھپے رہتے ہیں۔ اور ضرورت کے وقت فوراً باہر نکل آتے ہیں۔

شیر کا رنگ دھاری دار خاکی ہوتا

وہ بے چارے بڑے اطمینان سے اس کی طرف آتے ہیں اور شکار ہو جاتے ہیں۔

بلی کی طرح اسے رات میں بھی نظر آتا ہے یہ بات مشہور ہے کہ اس کی آنکھیں دہکتے ہوئے دو انگارے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے دانت بلی کے دانتوں کی طرح بہت مضبوط نکیلے اور

لمبے لمبے چیر پھاڑ کے مطلب کے ہوتے ہیں۔
اس کی مونچھوں یا منہ کے قریب کے بال بڑے سخت اور موٹے ہوتے ہیں۔ جب کسی جانور کا شکار کرنے کے لئے اسے کسی جھاڑی میں سے گذرنا ہوتا ہے تو ان بالوں سے اندازہ لگاتا ہے کہ جھاڑی میں جانے سے آواز تو نہ ہوگی اور اگر اس کا اندیشہ ہو تو وہ دوسری طرف سے حملہ کرتا ہے۔

ہے۔
شیرنی شیر سے کچھ چھوٹی ہوتی ہے خصوصاً شیر ببر کی مادہ تو نر کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر معلوم ہوتی ہے۔ یہ سال میں تین بچے دیتی ہے۔
شیر بہت ہی خوفناک اور خوں خوار جانور ہے۔ خصوصاً شیر ببر (جس کے چہرہ، سر

شیر کی گرج یا دھاڑ مشہور ہے۔ یہ جب دھاڑتا ہے تو میلوں تک آواز جاتی ہے۔ جنگل کے تمام جانور کانپ جاتے ہیں۔ اور جس طرح بلی کے آجانے سے چوہوں میں کھل بلی مچ جاتی ہے۔ اسی طرح ان میں وحشت اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی

گردن پر بال ہوتے ہیں) کی صورت بہت ہی ہیبت ناک ہوتی ہے۔ جنگل کے سارے جانور اس سے تھراتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھی جیسے لحیم شحیم جانور کی بھی اس سے روح کانپتی ہے صرف جنگلی سور کے متعلق سنا ہے کہ اس کا سامنا کر بیٹھتا ہے۔ پھر خوب خوب مقابلہ ہوتا ہے۔ اور

دونوں ایک دوسرے کو اتنا زخمی کر دیتے ہیں کہ بے دم ہو جاتے ہیں۔

شیر اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو وہ آگ ہے۔ اس سے وہ بہت گھبراتا ہے۔ جو لوگ جنگل میں ایسی جگہ ٹھہرتے ہیں جہاں شیر کا اندیشہ ہو تو اپنے پڑاؤ کے آس پاس آگ جلا دیتے ہیں جنگل میں مویشیوں اور چوپایوں کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی ہے۔ (باقی آئندہ)

عبد الرحمٰن درجہ ابتدائی پنجم جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱

جھوٹا دعویٰ

ایک ہٹی کٹی موٹی عورت حاکم کے پاس گئی۔ اور عرض کیا کہ فلاں مرد نے رات میرے گھر میں آ کر میری چاندی کی چوڑیاں بردستی میرے ہاتھوں سے اتار لیں۔ حاکم نے اس مرد کو بلایا۔ یہ ایک دبلا پتلا کمزور آدمی تھا۔ حاکم نے عورت سے پوچھا کہ تیری چوڑیاں چھیننے والا یہی ہے یا کوئی اور۔ عورت نے کہا "یہی ہے"۔ حاکم نے چوڑیوں کی قیمت پوچھی۔ عورت نے دس روپے بتائی حاکم نے اس مرد سے کہا " اس مرد کو دس روپے دے دے"۔ مرد نے کہا " نہ میں نے چوڑیاں اتاریں۔ نہ میں اس کے گھر کبھی گیا نہ میرے پاس روپیہ کہ میں اسے دے دوں"۔

حاکم نے دس روپے اپنے پاس سے دے دئے اور رخصت کر دیا۔ جب وہ کچہری سے باہر چلے گئے تو حاکم نے اس مرد سے کہا "عورت سے وہ دس روپے چھین لا"۔ مرد نے عذر کیا کہ "مجھ میں اتنی طاقت نہیں"۔ مگر حاکم نے نہیں مانا۔ لاچار اس کے پیچھے دوڑا اور اس سے روپیہ چھیننا چاہا۔ مگر عورت زبردست تھی۔ اس نے ایک جھٹکے میں اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور دھکا دے کر اس مرد کو گرا دیا اور آپ بھاگی ہوئی حاکم کے پاس آئی کہ دیکھیئے وہ مرد مجھ سے یہ روپیہ چھینتا ہے"۔ حاکم نے پوچھا کہ چھین لئے یا نہیں۔ عورت نے کہا "نہیں میں نے ہاتھ چھڑا لیا۔ اور دھکا دے کر گرا دیا۔ حاکم نے کہا "پھر تیری چوڑیاں اس نے زبردستی کیسے اتار لیں"۔ عورت لاجواب ہوئی اور حاکم عورت پر دس روپے جرمانہ کئے۔ اور اپنے دس روپے وصول کر کے اس مرد کو دے دئے۔

دو دو باتیں

۲۹ اکتوبر کو ہماری جامعہ کی سال گرہ کا دن ہے یہ دن جامعہ کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے اور بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے ہمارا ارادہ ہے کہ اس تاریخ کو پیام تعلیم کا ایک خاص نمبر نکالا جائے ہم نے تیاری ابھی سے شروع کر دی ہے مضمون لکھنے والے بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ بھی اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں اور نیچے لکھے ہوئے عنوانوں پر مضمون لکھ کر بھیجیں۔

۱۔ معلومات عامہ:۔ چڑیاں، دوسرے جانور، چوپائے وغیرہ اور درخت، پھول اور موسموں سے متعلق خبریں

۲۔ جغرافیہ:۔ مختلف ملک کے بچے، مختلف ملکوں کے پہناوے وغیرہ

۳۔ اسلامی تاریخ:۔ اسلامی بادشاہوں، عالموں اور بزرگوں کے حالات۔

۴۔ ہندی تاریخ:۔ ہندو اور مسلمان بادشاہوں عالموں اور بزرگوں کے حالات۔

۵۔ صحت:۔ ورزش اور غذا وغیرہ ان کے علاوہ ڈرائنگ کے عمدہ نمونے، دلچسپ اور آسان نظمیں اور معمے۔

امید ہے کہ پیام بھائی جلد سے جلد مضمون بھیجدیں گے۔

اچھی برسات

اللہ اللہ آ گئی برسات — لطف و راحت[1] کی ہو چکی برسات
ہوئی رحمت کی اب فراوانی[2] — سوکھے دھانوں پہ پڑ گیا پانی
پڑے دنیا پہ چھینٹے رحمت کے — مٹی کے بھی نصیب جاگ اٹھے
تارِ[3] بارش ہوا دمِ عیسیٰ[4] — پھر سے مردہ زمیں ہوئی زندہ
ہوئی روئیدگی[5] عیاں[6] ہر سو[7] — سوکھے پودوں میں بھی ہے جوشِ نمو[8]
غسل اک اک کو دے گئی بدلی — سبز پوشاک پودوں نے بدلی
لطف لیل و نہار[9] ہے موسم — رشکِ فصلِ بہار ہے موسم
پتیوں سے سجی ہوئی ڈالی — جس طرف دیکھئے ہے ہریالی
وجد[10] میں طائرانِ[11] گلشن ہیں — باغ کے بیچ میں نشیمن[12] ہیں
کوئلیں کوکتی ہیں لیل و نہار — ہر طرف شور ہے بہار بہار
تارِ بارش زمیں پہ کیا پہونچے — ساز و سامانِ رزق آ پہونچے
اتنا دیکھا نہیں کبھی پانی — نظر آتا ہے پانی ہی پانی
موقع موقع سے بارش آتی ہے — کاشتکاروں کی اب تو چاندی ہے
ایک اک قطرہ روح افزا[13] ہے — پانی برسا کہ سونا برسا ہے

حیدری کیا بیاں ہوں اس کی صفات[14]
رحمتِ[15] کردگار ہے برسات

[1] آرام
[2] زیادتی
[3] مینہ کی بوندیں
[4] دم عیسیٰ۔ عیسیٰ کی پھونک مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی پھونک سے مُردے پودوں کو جلا دیتے تھے۔
[5] روئیدن سے بمعنی اگنا یعنی ہریالی
[6] ظاہر
[7] ہر طرف
[8] بڑھنے کا جوش
[9] لیل۔ رات۔ نہار۔ دن
[10] مستی جھومنا
[11] طائر کی جمع پرندے
[12] گلشن، باغ
[13] روح کو بڑھانے والا۔ تازہ کرنے والا۔
[14] صفات جمع صفت کی
[15] خدا کی رحمت۔

مولانا ابوالحسن حیدری۔ فاضل۔
ہیڈ مولوی۔ سی اے وی ہائی اسکول۔ الہ آباد

فہرست مضامین

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱ — قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب-ایم اے. پی ایچ ڈی- — مطبوعہ جامعہ برقی پریس، دہلی

بچوں کا قاعدہ

بچوں کو اردو کا قاعدہ پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۱) کام کس طرح شروع کریں کہ بچہ ابتدائی کام ماحول سے مطابق دیکھے۔

۲۔ حروفِ علت کا استعمال۔

۳۔ ہم آواز حروف کی مشکلات۔

۴۔ کام کو آخر تک دلچسپ رکھنا۔

جناب مولوی عبدالغفار صاحب نگراں تعلیمی مرکز نمبر ۱، آج چھ سال سے صرف اول جماعت کے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں، اور بچوں کی تعلیم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، موصوف نے مندرجہ بالا دشواریوں کو سامنے رکھتے ہوئے **بچوں کا قاعدہ** لکھا ہے، یہ قاعدہ جامعہ ملیہ میں دو سال کے تجربے کے بعد اب شائع ہوا ہے۔

رہنمائے قاعدہ

بچوں کا قاعدہ پڑھانے میں جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے، وہ اس میں درج ہے، ایک معلم جسے بچوں کی تعلیم سے دلچسپی ہو **رہنمائے قاعدہ** کا مطالعہ اسے بہت مفید ہوگا۔

قیمت ۲ر

محمود ہے اک شریف بچہ
پڑھنے سے جو منہ نہیں چراتا

جاتا ہے وہ روز کس خوشی سے
اسکول کا وقت ہی جب آتا

اخلاق ہیں اس کے کیسے اچھے
تنہا نہیں کوئی چیز کھاتا

دیتا ہے سب اپنے بھائیوں کو
بازار سے جو بھی ہے وہ لاتا

رکھتا ہے ہر ایک کو بہت خوش
منہ کام سے وہ نہیں چراتا

پایا ہے مزاج ایسا اچھا
روتوں کو ذرا میں ہے ہنساتا

سب آؤ بھگت ہیں اس کی کرتے
مہمان کہیں وہ جب ہے جاتا

رکھتا ہے وہ صاف اور ستھرے
کپڑے نہیں خاک میں ملاتا

ضد سے نہیں کچھ اسے سروکار
روتا ہے نہ اوروں کو رلاتا

ہرگز نہیں اس میں چڑچڑا پن
ہنس مکھ ہے بہت ہے مسکراتا

عادت بھی نہیں چٹوری پن کی
پیسہ کبھی یوں نہیں مٹاتا

غصہ ہے مزاج میں نہ لالچ
کھا لیتا ہے جو بھی ہے کچھ پاتا

کھانے کا بھی وقت ہے مقرر
پھر بیچ میں کچھ نہیں وہ کھاتا

گھن آئے کسی کو یا ہو چپ چپ
لقمہ نہیں اس طرح چباتا

ہر بات میں ہے غرض سلیقہ
ہر کام ہے اس کا سب کو بھاتا

پڑھتا ہے سبق تو دھیان سے وہ
جو پڑھ لیا وہ نہیں بھلاتا

بس کھیل کے وقت کھیلتا ہے
وقت اپنا یوں ہی نہیں گنواتا

پڑھنے کا ہی شوق اس کو خود ہی
استاد کی مار کیوں وہ کھاتا

اٹھتا ہے سویرے روز سو کر
اور اٹھ کے وہ روز ہی نہاتا

رکھتا ہے وہ کپڑے صاف ستھرے
کچھ میل، نہ داغ وہ لگاتا

دامن سے نہ پونچھتا قلم وہ
اپنی نہ دوات وہ گراتا

ہرگز نہ وہ پھینکتا سیاہی
پنسل کو نہ کاٹ کر مٹاتا

نب اپنی نہ توڑتا نہ مسطر
کاغذ کو نہ پھاڑ کر جلاتا

کھوتا ہے سلیٹ ہی نہ اپنی
اور وہ نہ کتاب ہی گنواتا

ماں باپ بھی خوش ہیں ماسٹر بھی
ہر اک اُسے پاس ہے بٹھاتا

کرتا ہے وہ پیاری پیاری باتیں
ہر شخص کے دل کو ہے لبھاتا

کرتا ہے سلام ادب سے جاکر
جو بھی اُسے پاس ہے بُلاتا

پڑھتا ہے وہ مدرسے میں جو کچھ
اماں کو گھر آکے ہے سناتا

کرتا ہے ادب ہر اک بڑے کا
چھوٹوں کو بھی وہ نہیں ستاتا

سیکھا ہے جو کچھ ادب سلیقہ
چھوٹوں کو ہے پیار سے سکھاتا

ہر بات غرض ہے اس کی اچھی
پھولے پھلے، خوش رہے وہ، داتا!

محمد حسین محوی صدیقی ۔ لکھنوی ۔ مدراس

۶۔ تلوار مارنے والی اور آرہ زن[1] مچھلیاں[2]

ان ہی ایسے خوفناک جانوروں میں سورڈ فش یعنی تلوار والی مچھلی اور سا فش یعنی آرے والی مچھلی ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اس عالم میں کوئی

[1] آرہ چلانے والی۔ [2] دنیا

چیز نئی نہیں۔" ممکن ہے کہ پہلے پہل جب انسان نے تلوار یا آرہ بنایا ہو تو سمجھا ہو کہ اس نے چیرنے اور کاٹنے کے لئے ایک نئی چیز بنائی ہے جیسے ٹارپیڈو بنا کے سمجھا کہ جہاز توڑنے کا ایک نیا آلہ بنایا ہے حالانکہ فطرت نے ان میں سے بہت سی قسم کے آلے اور ہتھیار حیوانات کو پہلے ہی سے دے رکھے ہیں۔ اس جانور کو تلوار والی مچھلی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے سر میں سے تلوار جیسا ایک بہت بڑا دانت نکلا ہوا ہے اور اسی طرح آرے والی مچھلی کے سر میں سے آرے کا سا ایک دانت باہر کی طرف ہے۔ یہ مچھلیاں عموماً بارہ، پندرہ اور بیس فٹ کی ہوتی ہیں اور نہایت تیزی سے دشمن کے جسم میں اپنے دانت بھونک دیتی ہیں۔ ان کے حملے کی شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ تلوار والی مچھلی نے ایک جہاز کو ویل سمجھ کر حملہ کر دیا۔ اور اس کا دانت بیس انچ کے لوہے اور لکڑی کے دل میں سے آر پار ہوگیا یہ سب خونخوار جانور یعنی گرمپس، سورڈفش اور سافش بیس بیس اور تیس تیس باہم مل کر بلیں یل پر حملہ کرتے ہیں اور اسے اتنا زخمی کر دیتے ہیں کہ وہ بے چاری اپنے کو بچا نہیں سکتی اور ہلاک ہو جاتی ہے مگر انسان کے تسلط کا یہ عالم ہے کہ ان کو بھی کتے کی طرح مار کر پھینک دیتا ہی نہیں بلکہ ان کی ہڈی چربی گوشت پوست اور دانت وغیرہ تک استعمال کر جاتا ہے۔

دریائی سور (پارپائس) اور ڈالفن بھی ویل کے چھوٹے اقسام میں سے ہیں، مگر یہ جانور خونخوار اور خوفناک نہیں، انھیں میں "ناروہل" بھی ہوتا ہے جس کے سر میں گینڈے کی طرح باہر نکلے ہوئے دانت ہوتے ہیں اور یہ ہاتھی

۲ھ غلبہ ۳ھ حالت

دانت کی طرح قیمتی سمجھے جاتے ہیں۔ ناردیل کے منہ میں بلین ویل کی طرح دانت نہیں ہوتے اس لئے چھوٹے چھوٹے لعاب دار جانوروں پر بسر کرتی ہے مگر اس پر حملہ کیا جائے تو اپنے سینگوں یعنی باہر نکلے ہوئے دانتوں سے خوب خوب لڑتی ہے ڈالفن نہایت خوش مزاج جانور ہے اور سیکڑوں کی تعداد میں سمندر کی سطح پر پڑے کھیلتے رہتے ہیں۔

۷۔ سمندر کے مہیب عفریت نما حیوان:۔

تم نے کہانیوں میں عجیب عجیب وضع کے راکشش (جنھیں دکن کی زبان میں رکاس کہتے ہیں) دیو جن غول بیابانی اور جانوروں کے بیان میں پڑھا یا سنا ہوگا کہ سر آدمی اور دھڑ شیر کا، پاؤں ہاتھی کے، دم سانپ کی، ناک طوطے کی، کان خرگوش کے وغیرہ وغیرہ، بہر حال ان فرضی اور بدوضع ہستیوں کی بناوٹ میں ہر ایک قسم کے جانور سے کچھ نہ کچھ لے کر اس قسم کے خیالی جانور بنائے گئے۔ یہ قصے عموماً جھوٹے ہوا کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ دنیا میں آدمی کے آنے سے لاکھوں برس پہلے ہماری زمین پر ایسے بڑے بڑے خوفناک خونخوار، بدوضع اور بدصورت جانور رہتے تھے کہ آج ان میں کا ایک بھی کہیں دکھائی دے تو بہت سے

آدمی مارے ڈر کے بے ہوش ہو جائیں، بعض اڑنے چھپکلیاں تھیں ایسی بڑی کہ اگر اپنے پر پھیلادیں تو ایک پورے کا پورا محلہ ان کے پروں کے نیچے آجائے بعض گوشت خور (گوشت کھانے والے) جانور تھے۔ اتنے بڑے بڑے کہ صرف ایک ہاتھی ان کے ناشتہ کے لئے درکار ہو، مگر کوئی ان میں اس وضع (شکل) اور ترکیب کا جانور نہ تھا۔ جیسا کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ ان جانوروں کے حالات آگے بیان کئے جائیں گے۔ مگر قدرت (یعنی اللہ تعالیٰ) کو منظور ہوا کہ ہمارے رہنے کے لئے زمین صاف کر دے اور صرف ایسے جانور رہنے دے جنھیں ہم اپنا غلام بنا سکیں اس لئے اس نے پہلے ہی سے ان تمام دیو جیسے جانوروں کو ہلاک کر دیا (مار ڈالا) البتہ سمندر کی گہرائیوں میں بعض جانور ایسے اب بھی پائے جاتے ہیں اور ان میں اکٹوپس بھی ہے۔

(باقی آئندہ) سید محمد عسکری جعفری)

سلطان ابو العنان کی بہادری

مراکو کا سلمان بادشاہ ابو العنان بڑا بہادر تھا ایک بار کسی بادشاہ سے لڑائی ہوئی، یہ بھی اپنی فوجیں لے کر دشمن کے لشکر سے لڑنے کو نکلا، اور

لے یعنی شیطان یا دیو جیسے ۵ بدصورت

اپنی فوج کو نہایت استقلال سے دشمن کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا، لیکن دوسرے بادشاہ کی فوج زیادہ تھی، ابوالعنان کا سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا، لیکن ابوالعنان بالکل بد دل نہ ہوا بلکہ اس نے تنہا دشمن پر حملہ کر دیا اور وہ بہادری دکھائی کہ دشمن کو حیرت میں ڈال دیا مخالف فوج پر کچھ ایسا رعب چھایا کہ سب بھاگ گئے، ابوالعنان اکیلا اتنی بڑی فوج پر غالب آگیا۔ اور اس کی بہادری کی دور دور شہرت ہوگئی۔

آدمی کو چاہیئے کہ کسی مصیبت میں نہ گھبرائے بلکہ استقلال اور ہمت سے کام لے اللہ تعالیٰ سب مشکلیں آسان کر دیتا ہے۔

محمد حسین محوی صدیقی (مدراس)

ایک آنکھ والا دیو

(۲)

اڈیسیس مایوس ہو کر اپنے دوستوں کے پاس گیا۔ اُسے اس مصیبت سے نجات ملنے کی بظاہر کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور چھٹکارا پانے کی تجویزیں سوچنے لگا۔

جس غار میں اڈیسیس اور اس کے ساتھی رہتے تھے وہاں ایک لکڑی کا ڈنڈا بھی تھا جو بہت وزنی تھا، اڈیسیس اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس ڈنڈے کو اٹھالایا۔ اور اس کے ایک سرے کو اچھی طرح تیز اور نوک دار بنایا۔

ایک رات جب کہ دیو گہری نیند میں سو رہا تھا تو اڈیسیس نے پہلے تو اس کے ایک سرے کو خوب تیز اور نوک دار بنایا پھر آگ میں اچھی طرح گرم کیا۔ جب ڈنڈا لوہے کی طرح سُرخ ہوگیا تو اڈیسیس اور اس کے دوستوں نے بڑی پھرتی سے گرم گرم ڈنڈا دیو کی آنکھ میں گھسیڑ دیا بس پھر کیا تھا دیو فوراً اندھا ہوگیا۔ اور دھاڑیں مار مار کر چلانے لگا، اڈیسیس اور اس کے ساتھی ایک چٹان کی آڑ میں چھپ کر تماشہ دیکھنے لگے۔

ایک آنکھ والا دیو درد سے بے قرار ہو کر اپنے بھائی بندوں کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ جب جزیرے کے دوسرے دیووں نے اس کی آواز سنی تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور اس کو اندھا پا کر پوچھنے لگے کہ "تجھے کس نے اندھا کیا" ایک آنکھ والا دیو چلا چلا کر کہنے لگا "مجھے کوئی نہیں (ان نے) اندھا کیا۔ کوئی نہیں (ان نے) اندھا کیا"

یہ سن کر دیووں نے آپس میں کہا "شاید اس نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہو۔ جبھی تو اس پر خدا کا قہر نازل ہوا ہے" ان دیووں نے ایک آنکھ والے دیو سے دیو سے کہا "اگر تجھے کسی نے اندھا نہیں کیا ہے تو بس سمجھ لے کہ تجھ پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے، اور اس حالت میں ہم تیری کیا خاک مدد کر سکتے ہیں۔ یہ تیرے گناہوں کی سزا ہے" دیووں نے یہ کہا اور ایک آنکھ والے دیو کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلتے بنے۔ اندھا دیو درد سے چلا رہا تھا، رستہ ٹٹول رہا تھا اور چٹانوں سے ٹکراتا پھرتا تھا۔

اب اڈیسیس اور اس کے ساتھیوں نے موقع کو غنیمت جانا اور ایک ایک کر کے غار سے باہر نکلے اور بھاگتے ہوئے ساحل پر جا پہنچے کشتی تیار تھی سب بیٹھ گئے اور خوش خوش روانہ ہو گئے۔

ایم عبدالقادر متعلم (مہاراجہ ہائی اسکول میسور)

ورزش

ورزش کا مطلب تو تم سمجھتے ہو گے یعنی اپنی تندرستی قائم رکھنے یا اسے ترقی دینے کے لئے ایسے محنت کے کام کئے جائیں یا ایسے کھیل کھیلے جائیں جن سے خوب پسینہ نکلے اور رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگے اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ہر وقت چست اور چالاک چوبند رہتا ہے اپنے روز مرہ کے پڑھنے لکھنے اور دوسرے قسم کے کام بڑی اچھی طرح پورے کرتا ہے علاوہ اس کے اس میں بڑے بڑے کام انجام دینے بڑے بننے کا حوصلہ اور خطروں میں پڑ کر کامیاب ہونے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے اور آدمی بہت ہنس مکھ اور خوش اخلاق بن جاتا ہے۔

پہلے زمانے میں لوگ اپنی صحت اور تندرستی کا بہت خیال رکھتے تھے، محلے محلے میں اکھاڑے ہوتے تھے۔ جن میں روزانہ صبح یا شام محلے کے جوان اور بچے ڈنٹر پیلتے تھے۔ مگدر ہلاتے تھے آپس میں زور کرتے (کشتی لڑتے تھے) اور دوسری قسم کی ورزشیں کرتے تھے اب کچھ دنوں سے ان کا رواج کم ہو چلا ہے مگر اُن کی جگہ دوسری ورزشوں نے لے لی ہے، مثلاً ہاکی، فٹ بال والی بال ٹینس وغیرہ یہ کھیل اس لئے ایجاد کئے گئے ہیں کہ ان میں وہ لوگ اور وہ طالب علم بھی حصہ لے سکیں۔ جن کا جسم کمزور ہے اور

دوسری ورزشوں سے انھیں دلچسپی نہیں ہے
غرض ورزش ہماری زندگی کے لیے بہت ہی
ضروری اور مفید ہے ۔ دماغی محنت کرنے والوں
یعنی پڑھنے لکھنے والوں اور طالب علموں کو تو خاص
کر ورزش کرنی چاہیے اس لئے کہ ہمارا دماغ جس سے
ہم پڑھنے لکھنے کا کام لیتے ہیں ۔ ہمارے جسم سے
علیحدہ نہیں ہے ۔ اس لئے جب ہم ذرا بھی بیمار
سست یا کمزور ہوتے ہیں تو ہمارے دماغ پر
بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور جب دماغ ہی درست
نہ ہوگا تو لکھنے اور پڑھنے کا کام کیا خاک کر سکیں
گے ۔

جب تم بڑے اور پڑھ لکھ کر فارغ ہو جاؤ گے
تو روزی کمانے کے لئے تمھارے دماغ کو
بھی محنت کرنی پڑے گی ، اگر تم تندرست نہ
ہوگے تو کسی کام میں بھی کامیاب نہ ہو سکو گے

ہم نے ایسے بہت سے عقل مند لایق
اور قابل لوگ دیکھے ہیں جن سے ہمارے ملک
اور قوم کو ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا حالانکہ وہ اپنے
علم سے خود بھی فائدہ اٹھا سکتے تھے اور دوسروں
کو بھی فائدہ پہنچا سکتے تھے ۔ انھوں نے اپنے دماغ
سے بہت کام لیا ، مگر جسم کی طرف سے بے پروائی
برتی ، نتیجہ یہ ہوا کہ تندرستی کو بھی کھو بیٹھے اور
دماغ بھی تھک کر بے کار ہو گیا ۔ اور اب وہ
بالکل بیمار ، کمزور اور پریشان رہتے ہیں ، اگر
وہ بچپن سے اپنی صحت کا خیال رکھتے تو یہ دن
کیوں دیکھنے پڑتے ،

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بچپن
سے ورزش شروع کر دیں ۔ کبھی ناغہ نہ کریں
تاکہ صحت ٹھیک رہے اور اپنے کاموں کو اچھی
طرح انجام دے سکیں ۔

تم سوال کرو گے کہ ورزش جب اتنی ضروری
اور مفید چیز ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ اس
سے گھبراتے ہیں ۔ اور اس کی طرف بالکل توجہ
نہیں کرتے ۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ طالب
علم دماغی کام اس محنت سے کرتے ہیں کہ جتنا وقت
انھیں ملتا ہے پڑھنے لکھنے میں لگا دیتے ہیں ۔
اگر کوئی طالب علم اپنا تھوڑا سا وقت ورزش اور
کھیل کود میں خرچ کر دے تو اسے ناکارہ اور نالایق
سمجھتے ہیں ۔ عام طور پر یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ
تندرست اور اچھے جسم کے لوگوں کا دماغ زیادہ
اچھا نہیں ہوتا ۔ حالانکہ جسم اور دماغ ایک دوسرے
کے مددگار ہیں ۔ دماغ اس وقت تک کام نہیں

کرسکتا۔ جب تک جسم کی حالت بھی اچھی نہ ہو۔
چاہئے یہ کہ انسان ورزش کے ساتھ دماغی کام
بھی کرے، جس طرح کہ جسم کے کسی حصے ہاتھ یا
پیر وغیرہ سے کام نہ لیا جائے تو وہ کمزور اور آخر
بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح دماغ سے بھی ایک
مدت تک کام نہ لیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتا
ہے اکثر طالب علم یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف انھیں
لوگوں کے لئے ورزش ضروری ہے جو فوج میں
نوکر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ خیال غلط ہے کیوں کہ
ان دنوں ایک ڈاکٹر اور بیرسٹر کو بھی اتنی ہی
محنت کرنا پڑتی ہے جتنی ایک سپاہی کو، اکثر
ہونہار ڈاکٹروں اور بیرسٹروں کو بعد میں پچھتانا
پڑتا ہے کہ کاش انھوں نے بچپن میں ورزش
کی ہوتی، تو اپنے پیشہ کو بہت ہی اچھے طریقے سے انجام
دے سکتے، غرض تندرستی ہزار نعمت ہے، اور
اگر صحت ہی تو دنیا کی ہر ایک چیز نعمت ہے۔

شیخ حفیظ الدین بلارم۔ دکن

ایک سچا دوست

تم نے بیرم خاں کا نام تو سنا ہو گا۔ یہ مشہور
سردار اکبر کا پھوپھا، اور ہمایوں کا بہنوئی تھا
جب ہمایوں نے شیر شاہ سے شکست کھائی
اور مجبور ہو کر ہندوستان سے ایران کی طرف
روانہ ہو تو بیرم خاں بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس
سفر میں اس کا نہایت ہی سچا اور پیارا دوست
مرزا ابوالقاسم بیگ بھی اس کے ساتھ تھا ایک
دن بیرم خاں اپنے عزیز دوست کے ساتھ کسی
ضرورت سے باہر گیا، کام ختم کر چکا تو تھکن دور کرنے
اور ذرا آرام لینے کی غرض سے دونوں دوست
ایک درخت کے سایہ میں جا بیٹھے اور آپس میں
ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے ابھی ذرا دیر بھی نہ
گذری تھی کہ سامنے سے ایک آدمی آتا ہوا نظر
آیا۔ دونوں دوست اُدھر دیکھنے لگے، وہ ذرا
اور قریب آیا تو معلوم ہوا کہ بیرم خاں کا بڑا دشمن
ہے جو بہت دن سے کسی ایسے ہی موقع کی۔
تاک میں تھا، بیرم اسے دیکھ کر بہت گھبرایا لیکن
کرتا کیا، نہ بھاگنے کا موقع تھا، نہ لڑنے کی طاقت
مجبوراً اللہ پر بھروسہ کر کے وہیں کھڑا ہو گیا۔
اتنے میں وہ آدمی بالکل سر پر آپہنچا اور پوچھنے
لگا کہ بتاؤ کہ تم دونوں میں بیرم کون ہے بیرم ابھی
کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مرزا ابوالقاسم فوراً بول
اٹھا کہ بیرم میں ہوں، کہو کیا کہتے ہو۔ بیرم نے جو

یہ رنگ دیکھا تو آگے بڑھا اور کہا " غلط ہے اگر بیرم کی تلاش ہے تو میرے پاس آؤ - یہ تو میرا دوست ابوالقاسم ہے " یہ سن کر دشمن نے تلوار کھینچ لی اور حملے کے ارادے سے آگے بڑھا - ابوالقاسم نے یہ صورت دیکھی تو بہت گھبرایا لیکن پھر سنبھلا اور سنبھل کر آگے بڑھا اور اس شخص سے کہا " دیکھو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بیرم میں ہوں اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو بسم اللہ میں حاضر ہوں اس شخص کے قتل سے کوئی فائدہ نہیں یہ میرا وفادار نوکر ہے اور میری جان بچانے کے لئے اپنے آپ کو بیرم کہہ رہا ہے " دشمن نے ایک بار پھر ابوالقاسم کے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا کچھ دیر تک سوچتا رہا اور کہا " سچ کہتے ہو بیرم تم ہی ہو " یہ بدشکل آدمی ہرگز بیرم نہیں ہو سکتا - یہ کہہ کر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ ابوالقاسم کا سر کٹ کر الگ جا پڑا -

پیام بھائیو! تم نے دوست تو بہت دیکھے ہوں گے ، لیکن مرزا ابوالقاسم جیسے دوست مشکل سے نظر آئے ہوں گے - سچی دوستی اسی کا نام ہے کہ دوست کے لئے جان تک دینے میں تامل نہ ہو -

(عبدالسلام قدوائی)

(۲) شیر
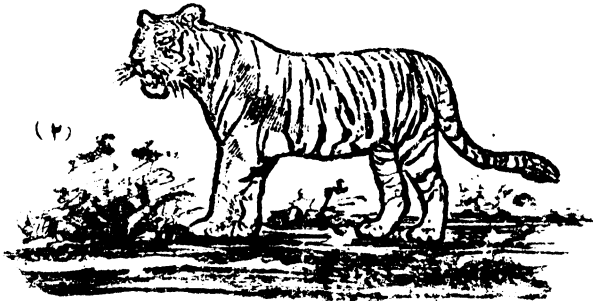
یہ دن بھر اپنی کچھار میں پڑا سوتا رہتا ہے جب بھوک لگتی ہے تو رات میں شکار کو نکلتا ہے کبھی تو کسی جانور کی گھات میں لگ جاتا ہے اور اُسے شکار کر لیتا ہے ، اور کبھی میدان

میں آکر بڑے زور سے دھاڑتا ہے۔ جنگل کے جانور آواز سن کر گھبرا جاتے ہیں اور ادھر ادھر بھاگنے لگتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بدنصیب شیر کی طرف بھی نکل آتا ہے اور وہ اسے پکڑ لیتا ہے۔ شکار کرنے کے بعد پہلے وہ گردن سے خون چوستا ہے پھر گوشت کھاتا ہے، اس کی زبان کھردری ہوتی ہے جس سے یہ ہڈیوں کا گوشت صاف کر لیتا ہے۔ پیٹ بھر جاتا ہے تو جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ یوں ہی چھوڑ جاتا ہے اور بھیڑیے اور گیدڑ وغیرہ تاک میں لگے رہتے ہیں جو کچھ بچا کھچا ہوتا ہے تکا بوٹی کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی بڑا جانور شکار کرتا ہے تو دو تین روز کھاتا ہے، اگر اسے آدمی کے خون کا چسکا پڑ جائے تو پھر بڑی مصیبت بن جاتا ہے اور بہت سی جانیں ضائع کر دیتا ہے جب تک یہ خود نہ مار ڈالا جائے اس سے باز نہیں آتا کبھی کبھی قریب کی آبادیوں میں گھس کر آدمیوں کو پکڑ لے جاتا ہے، یہ خوب اچھی طرح چھلانگ مار سکتا ہے۔ لیکن چیتے یا ریچھ کی طرح درخت پر نہیں چڑھ سکتا۔

غرض شیر ایک بہت ہی خونخوار اور ہیبت ناک لیکن شاندار جانور ہے۔ یہ سچ مچ جنگل کا بادشاہ ہے، جب چلتا ہے تو عجیب شاہانہ طریقے سے چلتا ہے اور جب اپنی شکل پانی میں دیکھتا ہے تو فخر سے مسکرانے لگتا ہے۔

شیر کا شکار :-

شیر کا شکار تمام جانوروں کے شکاروں سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس کے شکار کرنے یا اسے زندہ پکڑنے کے کئی طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ دریا یا تالاب کے کنارے جس جگہ وہ پانی پینے آتا ہے پتے بچھا کر ان پر سریش بچھا دیتے ہیں جب یہ اس پر سے گذرتا ہے تو سریش اس کے پیر میں لپٹ جاتا ہے وہ اسے اپنے منہ سے چھڑانا چاہتا ہے تو منہ بھی چپک جاتا ہے اس طرح اس کے سارے بدن پر سریش اور اس کے ساتھ پتے چپک جاتے ہیں، اور یہ سنڈ منڈ ہو کر رہ جاتا ہے اور لوگ اسے پکڑ لیتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کچھ گنوں کے درخت جما دئے جاتے ہیں جہاں یہ آرام کرتا ہے اور جب وہ گنوں میں آکر سو جاتا ہے تو لوگ اس کو مار دیتے ہیں یا جنگل میں جہاں یہ رات کے وقت آرام کرتا ہے وہاں بہت اونچے اونچے درختوں پر مچان باندھ دیتے ہیں اور جب یہاں آتا ہے تو

شکار کرتے ہیں۔

ہاتھی پر بیٹھ کر بھی اس کا شکار کیا جاتا ہے۔ شکاری لوگ ہاتھی پر بیٹھ کر جنگل میں جاتے ہیں اور بہت سے گنوار اور دیہاتی چاروں طرف سے باجے اور ڈھول کی آواز سے اسے ہاتھی کی طرف لاتے ہیں۔ قریب آجاتا ہے تو گولی مار دیتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ جس جنگل میں شیر ہوتا ہے اس کے قریب مچان بنا لیتے ہیں اور مچان کے قریب ایک بھینس باندھ دیتے ہیں۔ وہ اس کا شکار کرنے کے بعد لالچ میں دوسرے دن بھی وہیں آتا ہے اور خود شکار ہو جاتا ہے۔

شکار کرنے کے بعد اس کی کھال اور سر نکال لیتے ہیں اور خوب صورتی کے لئے دیواروں پر لگاتے ہیں۔ کھال کی جانماز بھی بناتے ہیں بعض شوقین لوگ دو تین مہینے کا بچہ پکڑ کر پالتے بھی ہیں۔ اس عمر میں یہ جس طرح بھی سدھایا جائے سدھ جاتا ہے۔ تم نے سرکسوں میں اس کے طرح طرح کے تماشے دیکھے ہوں گے۔ سرکس والے بھی اسے اسی طرح سدھاتے ہیں۔ مگر پھر بھی بہت ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ اگر ذرا بھی موقع پا جائے تو اپنے مالک کو پھاڑ ڈالے

شیر کا ناخن بہت کارآمد اور قیمتی ہوتا ہے اس کی چربی اور شیرنی کا دودھ بھی دوائیوں میں کام آتا ہے

عبدالرحمٰن۔ درجہ پنجم۔ متعلم جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ۱

ڈاکو کی سچائی

(۲)

ایک بچے کے منہ سے یہ بات سن کر عورت نے تالی بجائی جسے سن کر ایک آدمی فوراً آگیا اور بولا یہ بچے کس کے ہیں عورت نے جواب دیا "یہ بچے تمہارے دشمن کے ہیں۔ جو شیر گڑھ کا راجہ ہے"

بیر سنگھ فوراً پہچان گیا۔ لیکن کہنے لگا یہ کون شخص ہے کیا تمہارا ہی نام ہیرا ڈاکو ہے اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں میرا ہی نام ہیرا ہے۔ اور بیرم سنگھ اب تم سنبھل جاؤ۔

یہ سن کر بیرم سنگھ اپنا تیر کمان ٹھیک کر کے ڈاکو پر چلانے لگا۔ لیکن اس کے سب تیر زمین پر ہی پڑے۔ ڈاکو کے ذرا بھی چوٹ نہ آئی۔ ڈاکو مسکرا کر بولا تم مجھ کو مار نہیں سکتے۔ لیکن میں تمہاری بہادری کی تعریف کرتا ہوں

اچھا اب میرے گھر چلو تمہاری بہن بیمار ہے بس اس کی دوا کروں گا۔ جب وہ اچھی ہو جائے گی تب ہماری تمہاری لڑائی ہوگی۔ بیرم سنگھ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کملا بولی "بھائی یہ تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے مکان پر چلنے میں کوئی ہرج نہیں" یہ سنتے ہی ڈاکو نے لڑکی کو گود میں اٹھالیا اور سب ڈاکو کے گھر کی طرف چلے، ڈاکو کا گھر ایک پہاڑ کی گپھا میں تھا۔ جب گپھا کے آگے پہنچے تو اس نے دونوں بھائی بہن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تاکہ ان کو راستے کا پتہ نہ چلے۔ جب سب گپھا کے اندر پہنچ گئے تو ڈاکو کی عورت نے آگ جلائی اور بیرسنگھ کو کچھ پھل کھانے کو دئے۔ اور کملا کو ایک ملائم بستر پر لٹادیا۔ کملا کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ڈاکو یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں وید (حکیم) کو بلانے جاتا ہوں، تم لوگ کسی بات کی فکر نہ کرنا۔ ہیرا باہر تو چلا گیا لیکن اس کی جان کو بہت خطرہ تھا۔ کیوں کہ شیر گڈھ کے راجہ اپنی فوج کے ساتھ اس کی تلاش میں تھے۔ لیکن ہیرا نے اس بات کی ذرا پروا نہ کی۔ آخر وہی ہوا کہ شیر سنگھ نے ہیرا کو گرفتار کرلیا۔ اور اپنے محل کو لوٹے، رانی بھی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئی اور ڈاکو کو دیکھنے آئی ہیرا رانی کو دیکھ کر مسکرایا۔ اور بولا کہ مجھے پکڑ کر آپ نے اپنا ہی نقصان کیا ہے، آپ کے بچے میرے مہمان ہیں مجھے ان کی خاطر کرنی تھی اور لڑکی کے واسطے دوا لے جانی تھی، کیوں کہ وہ بیمار ہے۔

یہ سنتے ہی راجہ اور رانی دونوں دنگ رہ گئے۔ محل میں تلاش کرایا تو سچ مچ بچے غائب تھے۔

اب تو رانی پریشان ہوئی کہا "ہیرا تم بچوں کو لوٹا دو۔ میں تمھیں چھوڑا دوں گی" ہیرا نے جواب دیا "تم مجھے چھوڑ دو یا نہ چھوڑ دو پر میں تمھارے بچوں کو اپنا قیدی نہ بناؤں گا وہ دونوں اس وقت آنے کے لائق نہیں ہیں۔ ورنہ اپنے ساتھ ہی لیتا آتا۔ آج آپ مجھ کو دوا لے کر واپس جانے دیں۔ لڑکی اچھی ہو جائے گی تو دونوں کو یہاں پہنچا جاوں گا۔ اس وقت مجھے قید کر لیجئے گا۔ مجبوراً راجہ نے ہیرا کو چھوڑ دیا

تیسرے دن ہیرا، بیرسنگھ اور کملا کو لے کر آگیا۔ اور بولا کہ اب آپ مجھے قید کر سکتے ہیں،

شیر سنگھ نے کہا کہ ہیرا تمھیں پاکر میں ایک سچا دوست پاگیا۔ دوست کو کوئی قید نہیں کرتا، تمھاری سچائی پر میں بہت خوش ہوں، اگر اب تم میرا خزانہ بھی لوٹ کر لے جاؤ تو بھی میں تم سے کچھ نہ کہوں گا۔ اس دن سے ہیرا ڈاکو شیر گڈھ کے راجہ کا دیوان (وزیر) ہوگیا اور بیرم سنگھ کو تیر چلانے کی تعلیم دینے لگا۔

چندر شیکر فوجدار سیکر

لطیفے

(۱)

بچہ۔ ابا آپ کے سر کے بال کیوں سفید ہوتے جا رہے ہیں۔

باپ۔ اس لئے کہ تم بہت شریر ہوگئے ہو۔

بچہ۔ ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ دادا ابا کے تمام بال اس لئے سفید ہوگئے کہ بچپن میں آپ بہت شریر ہوں گے۔

(۲)

ایک لڑکا ایک باغ میں گیا۔ باغبان سو رہا تھا۔ وہ چپکے سے درخت پر چڑھ کر پھل کھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد باغبان اٹھ بیٹھا اور اس نے لڑکے کو نیچے بلا کر پوچھا "تم درخت پر کیوں چڑھے"؟

لڑکے نے جواب دیا "تفریحاً"

تم نے پھل کیوں کھائے؟

"تفریحاً"

باغبان نے اسے خوب مارا جب لڑکا پٹ چکا تو اس نے پوچھا "تم نے مجھے کیوں مارا"

باغبان نے جواب دیا۔

"تفریحاً"۔

محمد احمد سبزواری

بھوپال

بُری برسات

کتنی اچھی سہی حیدری برسات
مگر اس پر بھی ہے بُری برسات

کس طرح آدمی کو کل آئے
چیونٹیوں کے بھی پر نکل آئے

ایک آفت کی ہر گھڑی بوچھار
حشرات[1] زمیں کی ہے بھر مار

کھانا پینا کب جہاد سے کم ہے[2]
وہ پتنگوں سے ناک میں دم ہے

جہاں دیکھو وہاں بھرا پانی
کوئی کوچہ گلی نہیں باقی

صبح کیچڑ ہے شام کیچڑ ہے
راستے میں تمام کیچڑ ہے

لوگ آرام پا نہیں سکتے
آ نہیں سکتے جا نہیں سکتے

تیرہ[3] و تار ہے تمام جہاں
کئی دن سے آفتاب نہاں[4]

بدلیاں ایک دم تو مہلت دیں
کس طرح بھیگے کپڑے اب سوکھیں

بادل اس زور سے گرجتے ہیں
خوف کے مارے بچے دبکے ہیں

پانی فرصت ہی اب نہیں دیتا
کام سارا پڑا ہوا ہے رکا

چین کی نیند اب تو دو بھر ہے
گرمی اندر تو پانی باہر ہے

ایک مصیبت ہے رات دن سر پر
دن کو مکھی ہے رات کو مچھر

کام میں اپنے ہے لگی برسات
رحم کرتی نہیں کبھی برسات

مولانا ابوالحسن حیدری ۔ "فاضل"
ہیڈ مولوی ۔ سی اے وی ۔ ہائی اسکول ۔ الہ آباد

---

[1] یعنی کیڑے مکوڑے اور پتنگے جو برسات میں نکل آتے ہیں۔ [2] یعنی پتنگوں کے مارے کھانا پینا بھی دوبھر ہے [3] اندھیرا [4] چھپا ہوا

موسم

گرمیوں کا موسم ہے اور دوپہر کا وقت، سورج سر پر ہے اور گرمی کا یہ عالم ہے کہ چیل انڈا چھوڑ رہی ہے، ہر شخص بے چین اور پسینے میں نہایا ہوا ہے۔ پیاس کے مارے برا حال ہے، گلی گلی میں برف بک رہی ہے، جدھر دیکھو بچے اور جوان چھتری لگائے، سیر دو سیر برف رومال میں لٹکائے چلے آ رہے ہیں۔ مگر برف کا پانی پینے سے پیاس اور تیز ہو جاتی ہے اس لئے عقلمند لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔

تیسرے پہر کے بعد جسے دیکھو دفتر سے لوٹتے میں فالسے اور تربوز لا رہا ہے، اور بازاروں میں جگہ جگہ دودھ، لسّی، شربت، فالودہ اور ملائی کی برف کی پکار ہے، جگہ جگہ ٹھنڈی ٹھنڈی چیزوں کی دوکانیں لگی ہوئی ہیں خلقت ہے کہ ان پر ٹوٹی پڑتی ہے۔ خیر خدا خدا کرکے مئی، جون کا مہینہ ختم ہوا، اور برسات کا موسم آیا، لیجئے آج برسات کا پہلا دن ہے بڑے زور کی آندھی چل رہی ہے، درخت زور زور سے جھوم رہے ہیں، کہیں کہیں کسی غریب کا چھپّر تک اُڑ گیا ہے، لیجئے آندھی اپنے ساتھ موٹے موٹے، اودے، اودے بادل بھی کھینچ لائی۔ پہلے بوندا باندی شروع ہوئی، پھر زور کا مینہ پڑنے لگا۔ چھوٹے چھوٹے بچے جو پہلے دعا مانگتے پھرتے تھے کہ اللہ میاں مینہ برسا دو اب خوشی سے اچھل کود رہے ہیں۔ مینہ میں نہا رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں اللہ میاں نے ہمارا کہنا مان لیا۔ گھروں میں پکوان پک رہے ہیں۔ دکان دار بھی خوش ہیں۔ کہ ان کی خوب بکری ہوگی۔ جہاں مینہ تھما اور دھوپ نکلی کہ لڑکے شیشیاں لے لے کر بیر بہوٹیاں چننے نکلے اور کاغذ کی ناؤ بنا بنا کر پانی میں ڈالنے لگے ادھر کسانوں کے گھر بھی عید ہے۔ وہ جوتنے بونے کی فکر میں ہیں۔ غرض چار مہینے برسات کی بہار رہی، اور جنگل اور میدان سب ہریالی اور سبزے سے لہلہا اٹھے۔ پھر جاڑا آیا اور اپنے ساتھ سردی کی فوج لایا۔ روئی والے کے یہاں خوب روئی بک رہی ہے، گھر گھر لحاف اور توشکیں بن رہی ہیں۔ جدھر جاؤ دھنیے کی تاک دھنا دھن، تاک دھنا دھن کی آواز آ رہی ہے، جہاں رات ہوئی اور لوگ اپنے گھروں

اور کمروں کے دروازے بند کر کے کمبلوں اور لحافوں میں دبک گئے ، صبح تڑکے سے منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی گرم ہو رہا ہے اور چا ء تیار ہو رہی ہے ، لوگ چاء پی کر تیار ہوئے تھے کہ سورج نے اپنا منہ دکھایا ۔ آنگن میں تھوڑی بہت دھوپ آگئی ۔ لوگ اپنے کمروں سے اٹھ اٹھ کر دھوپ لینے کے لئے آنگن میں آگئے لیجئے چار مہینے اپنی بہار دکھا کر جاڑا بھی رخصت ہو گیا ، اور پھر گرمیوں کے دن شروع ہو گئے

محمد مظہر الحق ابتدائی ششم جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ا

دو دو باتیں

۲۱ ستمبر کے پرچے میں پیام بھائی پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر چھپنے کی خبر پڑھ چکے ہوں گے ۔ انشاء اللہ یہ نمبر پیام تعلیم کے پچھلے سب خاص نمبروں سے بہت اچھا ہوگا ۔ اس میں ایک خاص بات یہ چھپے گی کہ آنے والے سال میں کیا نئی نئی دلچسپ اور مفید باتیں پیام تعلیم میں بڑھائی جائیں گی ، اس موقع پر ہم پیام بھائیوں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنی رائے بتائیں ۔ کہ کون کون سی نئی اور اچھی باتیں وہ پرچے میں دیکھنا چاہتے ہیں علاوہ اس کے ہمیں ان کے مضمون کا بھی بڑا انتظار رہے ، ہمیں یقین ہے کہ وہ پہلے اپنے پرچے کے لئے بڑی دلچسپی سے مضمون لکھ رہے ہوں گے مگر ہمیں ان کے مضمونوں کی بہت جلد ضرورت ہے ۔ اس لئے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے ۔[1]

لطیفہ

ایک بادشاہ کا لڑکا علم نجوم میں کامل ہو کر اپنے باپ کے پاس امتحان دینے آیا ، بادشاہ نے اپنی انگوٹھی مٹھی میں چھپالی اور پوچھا ۔

بادشاہ ۔ میری مٹھی میں کیا ہے ؟

لڑکا ۔ (کاغذ پر حساب لگا کر) کوئی گول چیز ہے (تھوڑے غور کے بعد) بیچ میں سے خول ہے .... اس کے اوپر پتھر ہے ۔

بادشاہ ۔ شاباش تم سمجھ گئے ، بس نام بتادو

لڑکا ۔ ہو نہ ہو چکی کا پاٹ ہے ۔

---

[1] اگلے پرچہ (خاص نمبر) کا ۲۱ اکتوبر کو انتظار نہ کیجئے بلکہ وہ جامعہ کی سال گرہ کے دن ۲۹ اکتوبر کو شائع ہوگا ۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱ قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

فہرست مضامین

جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

*

تربیت گاہ بشیر منزل

خاکسار منزل ـــــ چھوٹے بچوں کا گھر
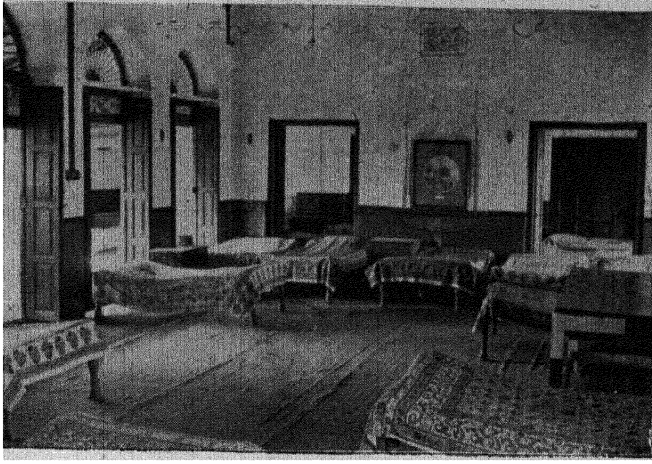
بچوں کے سونے کا کمرہ
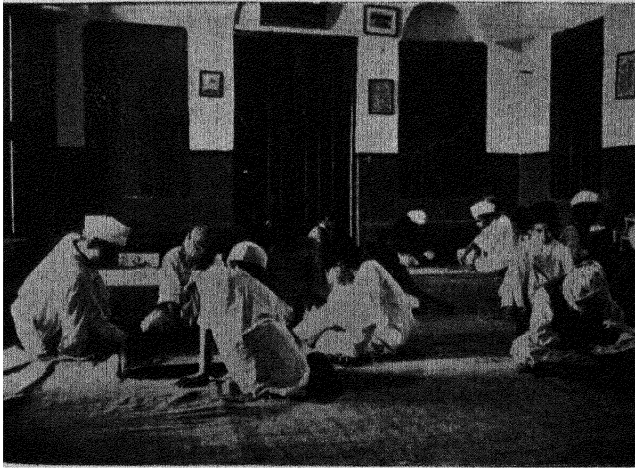
کھیل کی دلچسپیاں

بڑھئی کا کام
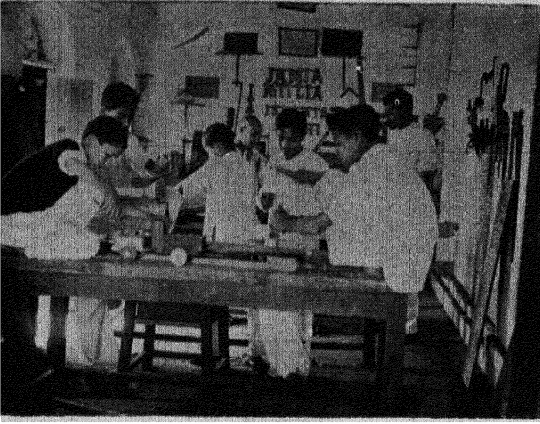
بچے ریل گاڑی بنارہے ہیں

☆

ڈرائنگ کلاس

بڑے لڑکے تصویریں بنارہے ہیں

صبح کی ورزش
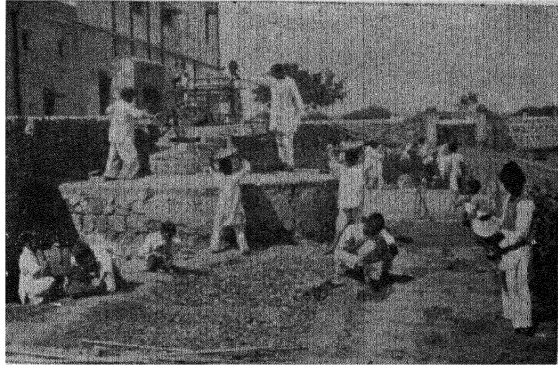
بچے کھیت میں کام کررہے ھیں

والی بال

پیارے بچو! خوش رہو اور تندرست

تمھارے "پیام تعلیم" کے نکالنے والے پیچھے پڑے ہیں کہ اس پرچے میں تمھارے نام میرا "پیام" بھی ہونا چاہئے بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ جو آدمی تم سے روز ملتا ہو، روز تم سے باتیں کرتا ہو، تمھارے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہو وہ یکایک کیسے کوئی "پیام" دے ڈالے! جو لوگ کہیں دور رہوں، کبھی کبھی تم سے ملتے ہوں، وہ کوئی "پیام" بھیجیں تو سمجھ میں آنے کی بات ہو۔ مگر یہ "پیام تعلیم" والے ایک نہیں سُنتے۔ انھیں تو بس "پیام" چاہئے۔ کیا کیجیے۔ ان کی بات ماننی ہی پڑے گی۔ اور سچ ہو کہ ان کا یہ پرچہ اور روز کے پرچوں سے ہے بھی ذرا الگ۔ اس لئے "پیام" نہ سہی، آؤ اس موقع پر تم سے کچھ باتیں تو کرلوں۔

تم جانتے ہو اس پرچے میں کیا خاص بات ہے! یہ بات ہو کہ یہ ۲۹ راکتوبر کو سب "پیام" بھائیوں کو ملے گا۔ اور تیرہ برس ہوئے اسی تاریخ کو جامعہ ملیہ کا کام پہلے پہل شروع ہوا تھا۔ تم میں سے اکثر تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے لڑکے جو شروع میں جامعہ میں آئے تھے وہ اب خدا کے فضل سے جوان ہیں۔ بہت سے دور دور کے ملکوں سے علم سیکھ کر واپس آگئے ہیں، بہت سے یہیں تعلیم ختم کرکے اپنی قوم کی خدمت کر رہے ہیں، مدرسوں میں بچوں کو پڑھا کر لائق اور نیک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، اچھے اچھے اخبار اور رسالے نکال کر لوگوں کو سچّی خبریں دیتے ہیں اور اچھی باتیں بتاتے ہیں، بعض تجارت میں روپیہ کما رہے ہیں؛ اور اس کمائی سے دوسروں کی مدد بھی کرتے ہیں۔

یوں تو یہ اپنے اپنے دھندے میں لگے ہیں مگر "جامعہ" کا دھیان سب کو ہو۔ جامعہ ان سب کو پیاری ہو۔ اور یہ سب جہاں بھی ہیں جامعہ کی مدد کر رہے ہیں۔

ذرا سوچو تو سہی کہ کیوں؟ یہ اس جامعہ کو کیوں پیار کرتے ہیں جہاں کا کھانا انھیں پھیکا سیٹھا معلوم ہوتا

تھا، جہاں صبح صبح اندھیرے منہ اٹھنا، وضو کرنا اور نماز پڑھنا، پھر کڑکتی کے جاڑوں میں ورزش کے لئے میدان میں جانا انھیں کیسا کیسا کھلتا تھا؟ جہاں ان کے رہنے کو اچھے اچھے عالیشان مکان بھی نہ تھے، مدرسہ میں بیٹھنے کو میز کرسیاں بھی نہ تھیں؛ جہاں نہ بہت آرام تھا نہ بہت ٹھاٹھ۔ یہ جامعہ انھیں کیوں اتنی پیاری ہے؟

اس لئے پیاری ہے کہ اس نے انھیں آدمی بنایا۔ ان کے دل میں پاک زندگی کی لگن لگائی اور ڈرا ڈرا کر نہیں بلکہ محبت سے ان کے دل میں خدا اور رسول کی محبت ڈالی، ان کے سینوں میں اپنے بھائیوں کی خدمت کا ولولہ پیدا کیا اس نے انھیں سکھایا کہ جہاں رہو جو کچھ کرو سچائی کو ہاتھ سے نہ دو، اس راستے میں مشکلیں سامنے آئیں تو منہ مت موڑو، خود سختیاں اٹھاؤ اور دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرو۔ تن بدن موٹے کپڑے سے ڈھانپ لو، روکھا پھیکا کھا کر گذر کرلو، مگر دماغ اونچے سے اونچے خیال سوچ سکے اور دل اچھی سے اچھی آرزوؤں سے بھرا ہو۔ پھر یہ اس کو جتنا پیار کریں کم ہے۔

پیارے بچو! یہ جامعہ تمھیں بھی یہی سکھانا چاہتی ہے۔ اور یقین ہے تم یہ سب کچھ سیکھ جاؤ گے تو یہاں کی تکلیفیں یاد کرکرکے بھی مزے لوگے اور ان کی شکایت تمھاری زبان پر نہ آئے گی۔ تم سچے ہوگے، اچھے ہوگے، تندرست ہوگے، صاف ستھرے ہوگے، دیانت دار ہوگے، دھن کے پکے ہوگے، بروں کے لئے لوہا ہوگے، اچھوں کے لئے موم؛ غریبوں کا سہارا ہوگے، بےکسوں کا آسرا، سوتوں کو جگاؤ گے، ڈوبتوں کو تراؤ گے۔ غریب ہوگے تو بھی سیر چشم، دوسروں کی دولت کو منہ پھیر کر نہ دیکھو گے، امیر ہوگے تو اپنی دولت کو خدا کی امانت سمجھو گے اور اس کے بندوں کی سیوا میں صرف کروگے۔ تم جہاں بھی ہوگے اپنے ساتھیوں کے لئے، پڑوسیوں کے لئے، بستی کے لئے رحمت ہوگے کہ تم اس کے نام لیوا ہو جو سارے جہانوں کے لئے رحمت ہے۔

اُس وقت، جس کا میں ذکر کر رہا ہوں، ہم سب جو اس وقت تمھارے لئے تھوڑا بہت کام کر رہے ہیں بوڑھے ہوں گے یا مر چکے ہوں گے۔ ہم جیتے ہوں یا مر گئے ہوں اگر تم اچھے ہوگے تو ہماری سب محنت ٹھکانے لگ جائیگی۔

اس جامعہ کو بھی تمھیں میں سے بعض چلاتے ہوں گے۔ اس وقت روپیہ کی کمی نہ ہوگی، کرایہ کی عمارتیں نہ ہوں گی تعلیمی سامان کی کمی نہ ہوگی، کتب خانے میں نہ جانے کتنی کتابیں ہوں گی، اس وقت ایک تعلیمی مرکز ہے، اُس وقت تمھاری کوششوں سے سارے ملک میں ان مرکزوں کا جال بچھا ہوگا۔ اس ۲۹ راکتوبر کو سارے ملک میں لاکھوں خوش خوش تندرست بچے، اور صاف ستھرے محنت مزدوری کرکے حلال کی روٹی کھانیوالے بڑے جامعہ کے ہزاروں مرکزوں میں جلسے کرینگے۔ میری جگہ پر تم میں سے کوئی

"پیام تعلیم" میں اس موقع پر کچھ لکھے گا تو ہندوستان کے ہر مسلمان گھر میں لوگ اسے شوق سے پڑھیں گے۔ اس لئے کہ مدرسے کے بچوں ہی پر موقوف نہیں ہر طرف تمھارے کام کا چرچا ہوگا۔ تعلیم تمھارے ہاتھ میں ہوگی، سیاست تمھارے اشارے پر چلے گی، رائے عامہ پر تمھارا اثر ہوگا۔ آج ہم کمزور ہیں، اس وقت تم مضبوط ہوگے۔ انشاء اللہ

ہاں۔ اس وقت یہ بات نہ بھول جانا کہ تمھاری ساری کامیابی اس لئے ہے کہ تم نے اور تمھارے اگلوں نے بے غرض خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ جو ٹھیک سمجھا وہ دل لگا کر کیا اور نتیجہ کو خدا پر چھوڑا۔

بات بہت بڑھ گئی۔ بس، اب رخصت، جامعہ کو اور تمھیں یہ دن مبارک ہو۔

تمھارا خیر طلب

ذاکر حسین

جب ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں آیا تو انھیں یہ فکر پیدا ہوئی کہ ہم نے اپنا راج کسی نہ کسی طرح سے قائم کر تو لیا لیکن اس کی جڑیں مضبوط نہیں ہیں۔ آج ہندوستانی آپس کی پھوٹ سے کمزور ہو گئے ہیں کل ان میں میل ہو گیا تو ان میں پھر زور آجائے گا۔ اور اس ملک میں ہمارا کہیں ٹھکانا نہ رہے گا۔ اس لئے ایسے ڈھب سے کام کرنا چاہئے کہ ان کے دل اور دماغ پر ہمارا سکہ بیٹھ جائے اور ہمارا رنگ چھا جائے۔ وہ ہماری آنکھوں دیکھنے لگیں۔ ہمارے کانوں سننے لگیں اور ہماری زبان بولنے لگیں۔ پھر تو وہ خود دل سے چاہیں گے ہمارا سایہ ان کے سر سے کبھی نہ ہٹے۔

اس کی راہ سوائے اس کے اور کوئی نظر نہ آئی کہ وہ ہندوستانیوں کی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور اس کا سانچہ ایسا بنائے کہ جس میں اُس کے ڈھب کی کٹھ پتلیاں ڈھلی ہوئی نکلیں۔

یہ جادو چل گیا۔ تعلیم کے کل پرزے اپنے بس میں کر کے انھوں نے انگریزی تعلیم کو دیس میں پھیلا دیا۔

پہلے پہل ہندوستان کے مسلمان، اس تعلیم سے بھاگتے تھے مگر ہوتے ہوتے وہ بھی رام ہو گئے۔ دیکھنے میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی تعلیم کو مسلمان صرف اپنے کٹّرپن کی وجہ سے برا سمجھتے ہیں۔ بیشک اس میں کٹّرپن تھا مگر اس رنگ میں آن بان کا روپ بھی تھا۔ سوجھ بوجھ کی جھلک بھی تھی۔ انھیں جو چڑھ تھی وہ انگریزی زبان اور نئے علم سے نہیں تھی، بلکہ اس سے تھی کہ پرائے دیس کے لوگ دھن دولت کے ساتھ ان کے تن من کے مالک بھی بن بیٹھیں

جب سرسید نے علیگڈھ کالج کھولا اور یہ کہا کہ یہاں انگریزی تعلیم کے ساتھ اپنے دین کی تعلیم بھی ہوگی اور اس کی باگ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے گی تو بہت سے مسلمانوں نے اپنے بچوں کو وہاں بھیج دیا۔

نئی تعلیم سے مسلمانوں کو ایک فائدہ یہ پہنچا کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے سرکاری نوکریاں پائیں۔ اور وکالت سے پیٹ بھرنے لگے مگر بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ زمانے کی ہوا کو پہچاننے لگے۔

ان کی آنکھیں کھلنا تھا کہ انگریزی تعلیم کی برائیاں

جو پہلے کچھ دھندلی سی نظر آتی تھیں اب صاف دکھائی دینے لگیں۔ پہلے تو انگریزی پڑھ کر صاحب بہادر بن بیٹھے مگر جب اس نشے سے چونکے تو انھوں نے دیکھا کہ اس تعلیم میں اسنے گنے لوگوں کا بھلا ہو تو ہو ساری قوم کو یہ راس نہیں آئے گی۔ اس کی وجہ سے نئی پود کے لوگ اپنے دین کو، اپنے دیس کو، اپنے بھیس کو، اپنی بولی کو کھو بیٹھے۔ ان میں اور پرانی تعلیم والوں میں، ان میں اور بے پڑھے لکھے لوگوں میں ان بن کیسی ایک بیر سا ہو گیا۔ اس نئی پود پر قوم کو بڑا بھروسا تھا اور اس کا یہ حال ہوا کہ اس کی جڑیں اپنی زمین سے اکھڑ گئیں۔ اور یہ اکاس بیل کی طرح دوسرے پیڑوں کے سہارے جینے لگی۔

مگر مسلمانوں میں ابھی غیرت اور ہمت باقی تھی جب سرسید اللہ کے پیارے ہوئے تو مسلمانوں کے سچے رہبر یہ کوشش کرتے رہے کہ سرسید کا وعدہ پورا ہو۔ اور علیگڈھ کالج آزاد یونی ورسٹی بن جائے۔ مگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کی تعلیم کا سانچہ انگریزوں ہی کے ہاتھ میں رہا۔

اب یہ بات کھلی کہ انگریزوں کی مدد سے مسلمانوں کی تعلیم کا بیڑا پار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کو پہلے ایک الگ مدرسہ قائم کرنا چاہئے۔ جس میں ایسی تعلیم ہو جو ان کے کام کی ہے اور اپنے قابو کی ہے۔ اور پھر ہوتے ہوتے ایک دن تعلیمی سوراج حاصل کر لینا چاہئے۔ یہ خیال وقار الملک، حالی، شبلی اور دوسرے بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا۔ مگر وہ اسے پورا کرنے سے پہلے دنیا سے اٹھ گئے، خدا نے اسے محمد علی، ابوالکلام، اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری اور عبدالمجید خواجہ کے ہاتھ سے پورا کرایا۔

اس کا حال یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستانیوں نے سوراج اور خلافت حاصل کرنے کے لئے آزادی کا جھنڈا لہرایا تھا۔ اور سارے ملک میں ہل چل ہو رہی تھی۔ جیسے بہت دن پہلے مسلمانوں نے تعلیم میں انگریزوں کی حکومت سے ترک موالات کیا تھا جسے بچے کٹی کرنا کہتے ہیں۔ اسی طرح اب ہندو مسلمان ہر چیز میں حکومت سے کٹی کرنا چاہتے تھے۔

مسلمانوں میں تعلیمی سوراج کا خیال پھر سے اٹھا اور علیگڈھ کالج کے ان ٹرسٹیوں نے جو قوم کے لیڈر مانے جاتے تھے چاہا کہ کالج حکومت کا روپیہ نہ لے اور اس کے بس میں نہ رہے۔ لیکن بہت سے ٹرسٹیوں نے اسے نہیں مانا اور جلدی سے حکومت کی مدد لے کر محمڈن کالج کو مسلم یونیورسٹی بنا دیا۔

ادھر آزادی چاہنے والے ٹرسٹیوں میں جن میں مولانا محمد علی سب سے آگے تھے کہا کہ ہم ایک الگ یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے کھولیں گے۔

انھوں نے مسلم یونیورسٹی کے لڑکوں اور استادوں کو بلایا کہ آؤ اس نئے مدرسے میں شریک ہو جاؤ۔ سب لڑکوں نے مل کر ایک جلسے میں کہا کہ ہم یہی کریں گے۔

۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہمارے بہت بڑے عالم اور بزرگ مولانا محمود الحسن صاحب نے جو اب جنت کو سدھار چکے ہیں۔ علیگڑھ کالج کی مسجد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بسم اللہ کر دی۔ اتنے بڑے بزرگ کے پاک ہاتھ سے جامعہ کھولی گئی اور مسلمانوں میں اس کی دھوم مچ گئی۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ وہی مدرسہ ہے جس کی مسلمان بہت دن سے راہ دیکھ رہے تھے۔ یہ انگریزی تعلیم کو انہی سانچے میں ڈھالے گا۔ نئی اور پرانی تعلیم والوں۔ پڑھے اور بن پڑھے لوگوں کو اپنے دین اور اپنے دیس کی محبت کے رشتے سے ملا کر ایک کر دے گا، وہ مسلمانوں کی تعلیم کو دوسروں کے بس میں نہیں رہنے دے گا کہ وہ ہمیں جو ناچ چاہیں نچائیں جس راہ پر چاہیں چلائیں۔ بلکہ دھیرے دھیرے اپنے قابو میں لا کر ہمارے لئے تعلیمی سوراج حاصل کرے گا۔

علیگڈھ کالج کے جن لڑکوں نے جامعہ میں شریک ہونے کی قسم کھائی تھی ان میں سے بہت سے بعد میں اپنی بات سے پھر گئے۔ پھر بھی ان کی ایک اچھی خاصی ٹولی اور چند استاد کالج کو چھوڑ کر جامعہ میں آگئے، دوسرے کالجوں سے بھی بہت سے نوجوان آکر ان میں مل گئے۔ اور کئی سو طالب علم اکٹھے ہو گئے۔ کچھ خیموں میں اور کچھ مکانوں میں یہ بستی بس گئی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم ہو گئی۔ مولانا محمد علی اس کے پہلے پرنسپل یعنی شیخ الجامعہ بنائے گئے۔ اور ان کے ساتھ بہت سے اچھے اچھے پروفیسر تھوڑی تنخواہوں پر کام کرنے لگے۔ کچھ دن کے بعد کالج کے ساتھ ایک اسکول بھی کھول دیا گیا۔

پہلے سال یہ من چلے لڑکے جن کے دل جوش میں بھرے ہوئے تھے اچھی طرح پڑھائی کا کام شروع نہیں کر سکے کچھ اونچی جماعتوں والے بھی لمبی چھٹیاں لے کر قومی کام کرتے رہے اور ان میں سے بہت سے جیل میں چلے گئے دوسرے تیسرے سال کام جم گیا۔ پڑھائی قاعدے سے ہونے لگی۔

ان دنوں پانچ برس تک جامعہ علیگڑھ میں رہی اس کا خرچ خلافت کمیٹی دیتی رہی۔ جب مولانا محمد علی جیل بھیج گئے تو خواجہ عبد المجید صاحب ان کے جیل جانے کے بعد ڈاکٹر محمد عالم صاحب ان کے بعد پھر خواجہ صاحب شیخ الجامعہ رہے۔

اب ایک مشکل تو یہ تھی کہ ملک میں جو جوش پھیلا ہوا تھا اس کا اثر جامعہ پر برابر پڑ رہا تھا جس سے پڑھائی میں ہرج ہوتا تھا۔ دوسری یہ تھی کہ مسلم یونیورسٹی سے ان بن

رہتی تھی۔ جس سے دونوں مدرسوں کو نقصان پہنچتا تھا۔ بعد میں ایک تیسری مشکل یہ پڑ گئی کہ خلافت کمیٹی کے پاس روپیہ کم ہو گیا اور کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ جامعہ کو جو مدد کمیٹی سے ملتی تھی وہ بند ہو گئی۔ اور اب اس کے چلانے والوں کے سر چندا جمع کرنے کا بوجھ اور بڑھ گیا۔ اس بوجھ کو عبدالمجید خواجہ صاحب نے اٹھایا۔ اور بڑے آڑے وقت میں جامعہ کو چلاتے رہے۔

اب ان سب باتوں کو دیکھ کر حکیم اجمل خاں صاحب اور ڈاکٹر انصاری صاحب نے کہا کہ جامعہ علیگڑھ سے دہلی آجائے اور سیاسی جھگڑوں کو چھوڑ کر اکیلا تعلیم کا کام کرے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں جامعہ علی گڑھ سے قرولباغ دہلی میں آگئی۔

دہلی آنے کے بعد جامعہ میں لڑکے بہت کم ہو گئے تھے۔ اور کام بھی کچھ سست ہو رہا تھا۔ ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب جو پہلے دن سے جامعہ میں شریک تھے جرمنی سے لوٹ کر آئے اور شیخ الجامعہ بنائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کے آتے ہی جامعہ میں پھر سے جان پڑ گئی۔ لڑکوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اور استادوں میں بھی نئے نئے لوگ آگئے۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء میں حکیم اجمل خاں صاحب جو امیر جامعہ یعنی جامعہ کے سب سے بڑے سردار تھے ڈاکٹر انصاری اور شیخ الجامعہ نے یہ کوشش کی کہ جو مسلمان جامعہ کے اس وجہ سے مخالف تھے کہ یہ سیاست کا کام بھی کرتی ہے، وہ اس کے دوست بن جائیں اس کے کام کو سب مسلمان اچھی طرح سمجھ بوجھ لیں اور پھر اسے چلانے کے لئے روپیہ دیں۔

پہلی دو باتوں میں پوری کامیابی ہوئی۔ اور تیسری میں بھی کامیابی ہونے والی تھی کہ ۲۱ دسمبر ۱۹۲۷ء کو حکیم اجمل خاں صاحب دنیا سے گذر گئے۔

یہ چوٹ جامعہ کو ایسی لگی کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے جامعہ کے پاس ابھی تک روپیہ پیسہ کچھ نہیں تھا اور نہ حکیم صاحب کے سوا کوئی اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا تھا۔ انھیں سے یہ آس تھی کہ آڑے وقت میں کام آئیں گے یہ سہارا بھی جاتا رہا۔

مگر جامعہ والوں کے دل میں خدا کا سہارا باقی تھا۔ انھوں نے آس نہیں توڑی۔ حکیم صاحب کے ماننے والے مسلمانوں میں بہت تھے۔ جامعہ کے امینوں یعنی ان لوگوں نے جو قوم کی طرف سے جامعہ کا انتظام کرتے تھے حکیم صاحب کی یادگار کے لئے چندہ جمع کرنا چاہا۔ انھوں نے اپنی سی کوشش کی مگر دیکھا کہ ان کے چلائے یہ کام نہیں چل سکتا۔ اس لئے انھوں نے ایک جلسہ کر کے جامعہ ملیہ کے کام سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اسے ایک چھوٹی سی جماعت کے سپرد کر دیا یہ "انجمن تعلیم" کہلاتی ہے اور اس میں جامعہ کے بہت سے استاد اور مسلمانوں کے چار پانچ بڑے بڑے لیڈر ہیں۔ اس کے صدر ڈاکٹر انصاری صاحب ہیں جو حکیم صاحب کے بعد امیر جامعہ

بنائے گئے تھے۔

خدا نے اس چھوٹی سی جماعت سے وہ کام کرایا جو بڑی جماعت سے نہیں ہو سکا تھا۔ ۱۹۲۸ء کے آخر تک جامعہ کی حالت ایسی ہو گئی کہ اس کے ٹوٹنے کا ڈر نہیں رہا۔ خدا جانے کیا کیا تکلیفیں اٹھا کر اور کن کن مشکلوں کا سامنا کر کے جامعہ کے اُستاد اپنے مدرسے کو چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ بھوپال اور حیدر آباد سے بھی اسے مدد ملنے لگی۔ اور سارے مسلمان اس کی مدد کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔

۱۹۳۱ء میں جامعہ نے اپنا مکان بنانے کے لئے بہت سی زمین مول لی اور ۱۹۳۲ء میں اس پر قبضہ ہو گیا۔ اسی سال ہمدردان جامعہ یعنی ان لوگوں کا جن کے دل میں جامعہ کا درد ہے، حلقہ قائم ہوا جس کے سال بھر میں کوئی ڈیڑھ ہزار ممبر بن چکے ہیں اور امید ہے کہ اگلے سال ان کی تعداد چار پانچ ہزار تک پہنچ جائیگی۔ اور انکی مدد سے جامعہ اپنے معمولی خرچ کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنا مکان بنوانا شروع کرے گی۔

۱۹۲۶ء سے اب تک جامعہ کی پڑھائی اور دوسری چیزیں بھی برابر ترقی کرتی رہیں۔ تعلیم کا نصاب یا کورس بار بار سوچ سمجھ کر ٹھیک کیا گیا۔ پڑھائی کا ڈھنگ بھی بدلا گیا اور یورپ اور امریکہ کے نئے طریقوں کو سامنے رکھ کر ایک نیا طریقہ نکالا گیا۔ بورڈنگ ہاؤسوں یعنی اقامت خانوں کی درستی نئے سرے سے ہوئی۔ اونچے درجوں کی تعلیم و تربیت پہلے سے بھی اچھی ہونے لگی۔ ان کا نصاب بھی سدھارا گیا۔ عربی مدرسوں کے طالبعلموں کو انگریزی تعلیم دینے کیلئے ایک خاص نصاب بنایا گیا۔ نئی کتابیں لکھ کر علم پھیلانے کے لئے اردو اکادمی قائم ہوئی۔ ایک رسالہ جامعہ پہلے سے تھا اب ایک بچوں کا رسالہ پیام تعلیم جاری کیا گیا جس میں یہ مضمون چھپ رہا ہے۔

بڑی عمر کے مزدوروں اور دوسرے غریبوں کی تعلیم کے لئے رات کا مدرسہ اور کتاب گھر کھولا گیا۔ لڑکوں کی تندرستی کھیل کود، کسرت کا بڑا رکھ رکھاؤ ہونے لگا۔

اللہ کا شکر ہے کہ بہت سی اونچ نیچ دیکھنے کے بعد اب جامعہ نے ترقی کے راستے پر قدم رکھا ہے۔ لیکن ابھی وہ جگہ جہاں اسے پہنچنا ہے بہت دور ہے اور راستہ بہت ٹیڑھا اور کٹھن ہے۔ جامعہ کو اس جگہ تک پہنچانا کس کا کام ہے؟ جامعہ کے طالب علموں کا، ان چھوٹے چھوٹے لڑکوں کا جو یہاں کی تعلیم کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کرینگے اگر انھوں نے جامعہ کی تعلیم سے دینداری اور دیانتداری، دیس کی محبت اور قوم کی خدمت سادے بھیس میں رہنا اور دوسروں کے بھلے کے لئے اپنے اوپر تکلیف اٹھانا سیکھ لیا تو ان سے جامعہ کا نام روشن ہوگا۔ اس کا کام پورا ہوگا یعنی ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو تعلیمی سوراج حاصل ہوگا۔ ان کی بات بن جائے گی اور لاج رہ جائے گی۔

سید عابد حسین

پیام بھائیو! آپ سمجھے - یہ کونسا ملک ہے - یہ وہ ملک ہے جہاں سے آج کل ہمارے ملک ہیں اچھے اچھے کھلونے چینی کے برتن کپڑے، ریشم اور بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں آتی ہیں - پہلے یہ چیزیں ہمیں جرمنی کا ملک بھیجا کرتا تھا - لیکن لڑائی کے بعد سے یہ تجارت اب جاپان کے ہاتھ میں ہے -

جاپان کسی ایک جزیرہ کا نام نہیں، بلکہ یہ چار ہزار جزیروں سے مل کر بنا ہے - جو بالکل قریب قریب ہیں - ان میں صرف چار جزیرے بڑے ہیں - باقی سب چھوٹے ہیں - یہ جزیرے بحرالکاہل (Pacific Ocean) میں چین کے پورب اور امریکہ کے پچھم میں ہیں - لیکن امریکہ سے بہت دُور اور چین کے بالکل قریب ہیں - اب جاپانیوں کی آبادی بہت بڑھ رہی ہے - اس لئے یہ اب چین کی طرف بڑھ رہے ہیں - اور اس ملک کے بہت سے حِصّہ پر اُنھوں نے زبردستی قبضہ کرلیا ہے -

جاپان بہت خوبصورت ملک ہے - اور پھولوں سے بھرا ہوا ہے - یہ بات مشہور ہے کہ دُنیا کے کسی ملک میں اتنے پھول نہیں ہوتے جتنے یہاں ہوتے ہیں - خاص کر ایک نہایت ہی خوبصورت پھول، جسے

چیری بلاسم کہتے ہیں یہاں کثرت سے ہوتا ہے
اسی لئے تو اس ملک کو پھولوں کا ملک کہتے ہیں
اگر ہم اپریل میں جاپان جائیں تو ہمیں چپہ چپہ پر
پھول ہی پھول دکھائی دیں گے۔ ان کا رنگ
سفید ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر یہ بہت ہوتے ہیں
جب ہم وادیوں میں سے اوپر نظر کرتے ہیں، تو
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو پہاڑ برف سے ڈھکا
ہوا ہے۔ یا کوئی بادل گر پڑا ہے۔ جاپانیوں کو
پھولوں سے بے حد محبت ہے۔ اور وہ اپنی ہر
بنائی ہوئی چیز میں پھول ضرور دکھاتے ہیں
جاپان کا ملک ہے تو بہت زمانہ سے لیکن
پہلے یہ اپنے ملک سے باہر نہیں جاتے تھے۔ نہ
کسی سے ملتے تھے۔ ان سے ہماری واقفیت کوئی
دو تین سو سال سے ہوئی ہے۔ جاپانی لوگ بڑے
ذہین ہوتے ہیں۔ جب سے انھوں نے اپنی پرانی
رسمیں چھوڑیں اور دنیا کے دوسرے لوگوں سے واقفیت
پیدا کی انھوں نے جلد ہی نئے نئے علم حاصل کر لئے
اور یورپ کے تمام طور طریقے سیکھ لئے۔ اپنی حکومت
بھی اسی طرز پر بدل دی۔ اور اب دنیا کی ایک
طاقتور اور زبردست حکومت خیال کی جاتی ہے
ہر ایک جاپانی علم و فن اور کاریگری میں کچھ نہ کچھ
واقفیت ضرور رکھتا ہے۔ اور اسی لئے یہ ملک
اپنی صنعت و کاریگری کے لئے مشہور ہے۔

جاپانی پہاڑ سے بڑی الفت رکھتے ہیں۔ اس
لئے کہ اس ملک میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ خاص کر
جوالامکھی پہاڑ "فوجی یاما" ہے اسے یہ لوگ "سفید
کنول کی چوٹی" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کی چوٹی
برف سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اور بالکل کنول سے
مشابہ ہے۔ قریبا ہر ایک جاپانی تصویر میں اس کا
ہونا لازمی ہے۔ ہر ایک بچّہ کو اس پہاڑ سے محبت
کرنا سکھایا جاتا ہے۔

اگرچہ جاپان بڑی خوبصورت جگہ ہے۔ لیکن
یہاں رہنا خطرہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ زلزلوں سے
کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ اکثر تو معمولی زلزلے آیا
کرتے ہیں۔ لیکن جب کبھی بڑا بھونچال آتا ہے۔ تو
گاؤں کے گاؤں تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور کئی جزیرے
بالکل ڈوب جاتے ہیں۔ اور پھر ان کی جگہ دوسری
طرف سے دوسرے جزیرے ابھر آتے ہیں، جاپانی
اپنے گھر پتھروں کے نہیں بناتے بلکہ لکڑی اور زیادہ
تر کاغذوں کے بناتے ہیں۔ علاوہ اس کے بہت اونچا
بھی نہیں بناتے۔ تاکہ اگر گر پڑیں تو جان کا خطرہ نہ ہو
گھروں میں زیادہ سامان بھی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ

زیادہ تر زمین ہی پر بیٹھتے ہیں اور زمین ہی پر سوتے ہیں۔ ان کے گھروں میں نہ میز ہے نہ کرسی نہ الماری۔ دروازے بھی نہیں ہوتے بلکہ لکڑی کے پردے ہوتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے بچّوں سے بے حد محبّت رکھتے ہیں۔ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی۔ جب بچّہ ایک مہینہ کا ہو جاتا ہے تو اسے اچھے سے اچھا کپڑا پہنایا جاتا ہے اور اسے مندر میں لے جاتے ہیں۔ جہاں اُسے مذہب میں داخل کرنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ بچہ کو جب باہر لے جانا ہوتا ہے تو اُس کی ماں یا بہن اُسے اپنی پیٹھ پر باندھ لیتی ہے اور اگر دھوپ تیز ہو تو اپنی چھتری کھول لیتی ہے۔ جب بچہ بیٹھنا سیکھتا ہے تو اُسے گھٹنوں کے بل بٹھلاتے ہیں تاکہ وہ شروع سے ادب سے بیٹھنا سیکھے۔ اور اُس کا قد بھی چھوٹا ہی رہے۔ تین یا چار سال کے بچے کو اسکول جانا لازمی ہے کیونکہ ہر ایک جاپانی چاہتا ہے کہ اس کا بچّہ پڑھا لکھا ہو۔ تاکہ اس سے ملک کو فائدہ پہنچے۔ ان کے بچّے بھی پڑھنے لکھنے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں۔ اور ہر نئی چیز جلد سیکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو ان کے ماں باپ ہر وقت پڑھنے لکھنے کے فائدے بتلاتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جاپان میں کوئی شخص اَن پڑھ نہ رہیگا۔ اب بھی بہت کم ایسے ہوں گے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتے ہوں۔ جب ہی تو جاپان دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ اور آج مشرقی ملکوں میں سب سے آگے ہے۔

ان کے اسکولوں میں ایک اور بڑی خوبی ہے کہ یہاں صرف پڑھانا ہی نہیں سکھاتے بلکہ ساتھ ساتھ مذہبی باتیں اور اچھی اچھی عادتیں بھی سکھائی جاتی ہیں۔ تاکہ یہ بڑے ہو کر مہربان۔ سخی۔ دریا دل شفیق خلیق اور مہذب بنیں۔ اور ان باتوں میں سب قوموں سے آگے نکل جائیں۔ ان کی چھوٹی لڑکیوں کو سلیقہ سے بیٹھنا۔ چلنا اور چائے بنانا پلانا سکھایا جاتا ہے۔ اور بچپن ہی میں چاول اور سالن پکانا سیکھ جاتی ہیں۔ یہ جاپانیوں کی خوراک ہے۔ یہ لوگ تین دفعہ کھانا کھاتے ہیں۔ ہر ایک کے سامنے ایک چھوٹی سی میز لگادی جاتی ہے اور یہ سب ایک دائرہ میں بیٹھتے ہیں۔ کھانا دو لکڑیوں کی مدد سے کھایا جاتا ہے۔ جسے چاپ اسٹک کہتے ہیں۔

ہر جاپانی لڑکی کو پھول دان میں پھول سجانا سکھایا جاتا ہے۔ کیونکہ کوئی جاپانی گھر ایسا نہ ملیگا جہاں کم از کم ایک پھول دان سجا ہوا نہ رکھا ہو۔

یہ لوگ اسے بڑی محنت اور سلیقہ سے سجاتے ہیں۔ یہ کام سیکھنے کے لئے بہت سے اسکول ہیں۔

جاپانی صرف پہاڑ اور پھول ہی سے محبت نہیں رکھتے بلکہ اپنے ملک سے بھی انھیں بہت محبت ہے۔ اسی سبب سے یہ لوگ بہادر بھی ہیں ان کے ہر ایک لڑکے کو فوجی کاموں میں مہارت حاصل ہے اور اب ان کی لڑکیاں بھی اس فن میں مہارت حاصل کر رہی ہیں۔ تاکہ جب ان کے مرد باہر لڑنے کے لئے جائیں تو یہ اپنے ملک میں رہ کر اُسے خطرہ سے بچائیں۔

دولت خانم

شہنشاہ جہانگیر کا انصاف

شہنشاہ جہانگیر ہندوستان کے بادشاہ تھے اور یہ آصف جاہ اُن کی طرف سے لاہور کا گورنر۔ یہ آصف جاہ نورجہاں کا بھائی تھا اول تو خود گورنر اور دوسرے بادشاہ سے قریبی رشتہ داری۔ اس غرور میں جو کچھ کر بیٹھتا وہ کم تھا۔ ایک دن ناچ گانے کے مزے لے کر آدھی رات کے قریب سویا تھا کہ شور وغل سے آنکھ کھل گئی بہت غصّہ ہوا دریافت کیا کہ یہ کیسا شور وغل ہے۔ معلوم ہوا محل کے قریب ایک غریب آدمی ولی محمد نامی رہتا ہے اُس کے اولاد نہ ہوتی تھی آخر بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد آخر عمر میں اُس کے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور یہ اُس کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ آصف جاہ نے حکم دیا کہ ابھی اُس بے ادب اور اس کے بچّہ کو میرے سامنے حاضر کرو۔ حکم کی دیر تھی سپاہی دوڑے اور ولی محمدؐ اور اُس کے بچّہ کو آصف جاہ کے سامنے لے گئے۔ آصف جاہ نے نہایت غصّہ سے کہا اس محل میں لاہور کا گورنر اور ملکہ نورجہاں کا بھائی آصف جاہ رہتا ہے اور یہ اُس کے آرام کا وقت ہے۔ تو نے یہ جان بوجھ کر شور وغل کیوں کیا اور اپنی موت خود کیوں بلائی۔ ولی محمد یہ سُن کر کانپ اُٹھا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ حضور خداوند تعالیٰ نے بڑی دعاؤں اور مُرادوں کے بعد آج مجھے ایک بیٹا مرحمت فرمایا ہے یہ اُس کی خوشی منائی جا رہی تھی حضور کے آرام میں خلل پڑا مجھ سے بڑا قصور ہوا۔ ہاتھ جوڑ کر اور حضور کے قدموں پر سر رکھ کر معافی چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سر آصف جاہ کے قدموں پر رکھ دیا۔ مگر اس کے دماغ میں تو نشہ ہی اور تھا کم بخت ظالم نے ظلم کی انتہا کر دی

اور غریب ولی محمدؐ کے جگر کے ٹکڑے کو جسے دُنیا میں آئے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے اس کے ہی ہاتھ سے ذبح کرایا۔ اپنے معصوم بچے کے گلے پر خنجر پھیر کر ولی محمدؐ کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے اپنے مُردہ بچّے کی نعش کو سینہ سے چپٹا کر بیہوش ہو گیا۔ جب ذرا ہوش میں آیا تو روتا پیٹتا آصف جاہ کے محل سے اپنے گھر آیا اور اپنے بچہ کو ہمیشہ کے لئے خاک میں سُلا کر بادشاہ سے فریاد کرنے آگرہ کو روانہ ہوا۔ آگرہ پہنچ کر اس طرح رو رو کر بادشاہ کے حضور میں فریاد کی کہ بادشاہ کا دل بھی ہل گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فوراً لاہور کے سفر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ لاہور پہنچ کر دوسرے دن ایک بہت بڑا دربار کیا۔ جس میں رئیسوں اور امیروں کے علاوہ عام رعایا بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئی۔ جس وقت درباری بادشاہ اور ملکۂ نورجہاں کو شاہی سلام کر چکے تو بادشاہ نے دربار میں کھڑے ہو کر فرمایا:۔ "بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ اور اس کا یہ فرض ہے کہ خدا کے بندوں کی حفاظت کرے۔ اُن کے آرام اور خوشی کو اپنے آرام اور خوشی سے بہتر سمجھے اور کسی کو ہرگز نہ ستائے۔ نہ ظلم کرے۔ اور یہی فرض اُن لوگوں کا ہے جو بادشاہ کے حکم سے رعایا پر حاکم مقرر ہوئے ہوں۔ یہ خدا اور رسول کا حکم ہے۔ یا اس میں کچھ غلطی ہے؟" بادشاہ نے آصف جاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آصف جاہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ حضور والا! بالکل بجا ارشاد فرمایا۔ حاکم کا فرض ہے کہ وہ رعایا کے آرام کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دے۔

بادشاہ نے ملکۂ نورجہاں کو مخاطب کر کے فرمایا اگر آصف جاہ کا یہ کہنا سچ ہے تو تمھاری رائے میں ایک ایسا حاکم کس سزا کا مستحق ہے جو صرف اپنی نیند میں خلل پڑ جانے کی وجہ سے ایک غریب شخص کو اپنے ایک ایسے بچّے کے حلق پر خنجر پھیرنے کے لئے مجبور کرے جو بڑی تمناؤں کے بعد آخر عمر میں خدا نے اُس کو عطا کیا ہو۔ بادشاہ کی یہ باتیں سُن کر آصف جاہ کی آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔ مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگا۔ نورجہاں جو اب تک اِن تمام باتوں سے بے خبر تھی نہایت جوش کے ساتھ بولی ایسے سخت دل حاکم کا خواہ وہ میرا کیسا ہی عزیز ہو سرتن سے جدا کرنے سے باز نہیں رہ سکتی۔ ولی محمدؐ دربار میں ہی ایک طرف چھپا بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے اُس سے کہا کہ تو اپنا سچا

حال پھر دربار میں بیان کر۔ ولی محمدؐ نے اپنا دردناک حال بیان کرنا شروع کیا۔ دو چار لفظ کہتا تھا۔ اور پھر غم و رنج سے اُس کا گلا گھٹنے لگتا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا مینھ برسنے لگتا تھا۔ بڑی مشکل سے اُسنے سب حال کہا درباریوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ولی محمدؐ کا دل ہلا دینے والا بیان سُن کر آنسو نہ بہا رہا ہو ملکہ نورجہاں کا چہرہ غصّہ کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ اور وہ ایک بھوکی شیرنی کی طرح اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔ اُدھر آصف جاہ کا یہ حال تھا کہ خوف اور شرم کی وجہ سے اَدھ مَرا ہو چکا تھا چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور اُسے اپنی موت نہایت ڈراونی شکل میں بہت قریب نظر آرہی تھی۔ بادشاہ نے نورجہاں سے کہا کہ تُم نے کہا تھا کہ میں ایسے ظالم حاکم کا سر خود اُڑا دوں گی چاہے وہ میرا کیسا ہی عزیز ہو۔ اب کیا دیر ہے اپنے اس قول کو پُورا کرو۔ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا۔ آخر رئیسوں اور امیروں نے جرأت کر کے بادشاہ سے آصف جاہ کا قصور معاف کر دینے کے لیۓ نہایت عاجزی کے ساتھ التجا کی۔ ولی محمدؐ نے بھی عرض کیا کہ جہاں پناہ جو مجھ بدنصیب کی تقدیر میں لکھا تھا وہ پُورا ہوا۔ اب آصف جاہ کے قتل سے میرا بچہ تو واپس آسکتا نہیں۔ اس لیۓ آصف جاہ کو معاف کر دیا جائے آصف جاہ بھی اُٹھا اور بادشاہ کے قدموں میں گر کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔ اتنے میں نورجہاں بجلی کی طرح تڑپ کر اُٹھی اور بادشاہ کی تلوار لے کر آصف جاہ کا سر ایک ہی وار میں تن سے جدا کر دیا اور اُس کی تڑپتی ہوئی لاش کو ٹھکرا کر بولی کہ ایسا ظالم اور بے غیرت شخص نورجہاں کا بھائی کہلانے کے قابل ہرگز نہیں۔

(سید مسعود علی۔ میرٹھ)

لطیفہ

باپ۔ تُم گذشتہ سال بھی فیل ہو گئے تھے۔ اور اب کے پھر فیل ہو گئے۔

لڑکا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ ماسٹر صاحب نے اب کی مرتبہ پھر وہی سوال پوچھے جو پہلی مرتبہ پوچھے تھے۔

گرمی:۔ "بیگم صاحب آداب عرض ہے"

سردی:۔ (مسکراکر) "آداب عرض ہے۔ آیئے آیئے اب تو آپ عید کا چاند ہوگئی ہیں"

گرمی:۔ "کیا عرض کروں، جی تو بہت چاہتا تھا، مگر بہن سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کے پاس آتے ڈر لگتا ہے"

سردی:۔ (تعجب سے) کیوں؟ ڈر کیوں لگتا ہے؟

گرمی:۔ "تو بھلا ڈر نہ لگے تو کیا ہو۔ ذرا ماشاء اللہ اپنی وضع تو دیکھئے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدیشی کپڑوں کی ہولی جلانے کے لئے کانگریسیوں نے ولایتی کپڑے کا ڈھیر لگا رکھا ہے"

سردی:۔ "اللہ کی شان ہے کہ اب آپ بھی بڑھ بڑھ کر باتیں مارنے لگیں۔ ذرا پہلے اپنا حلیہ تو ملاحظہ فرمائیے۔ چیتھڑے بھی میسر نہیں۔ کہ تن ہی ڈھانک لیتیں۔

گرمی:۔ (مسکراکر) "ڈھکی اور چھپائی تو وہ چیز جاتی ہے جس میں کوئی عیب ہوتا ہے۔ یہ دس تہوں کے اندر اپنے کو چھپانا آپ ہی کو مبارک ہو"

سردی:۔ "اے ہے میں کہتی ہوں کہ آج کیا لڑنے کے ارادے سے گھر سے نکلی تھیں کہیں ایسا تو نہیں کہ رات کھرّی چارپائی پر سوگئی ہو۔ جیسے کپڑا نصیب نہیں ویسے بچھونا بھی نصیب نہ ہوا ہو"

گرمی:۔ "میں تو لڑنے کو نہیں آئی تھی۔ آپ ہی کچھ پھولی سوجی بیٹھی تھیں"

سردی:۔ "میں پھولی سوجی کیوں ہوتی۔ آتے ہی خود تو مجھ پر پھبتیاں کسنا شروع کردیں پھر میں کچھ کہہ دوں گی تو بیگم صاحبہ کو غصہ آجائیگا۔ ناچتی پھرنگی"

گرمی:۔ "اچھا ابھی آپ نے کچھ کہا ہی نہیں، محتاج

فقیر سب کچھ تو بنا لیا۔ ابھی کچھ اور کہنا باقی ہے؟۔
میں نے تو ہنسی ہنسی میں ایک فقرہ کہہ دیا تھا،
آپ کو ایسا بُرا لگا کہ گالیاں دینی شروع کر دیں"
سردی:۔ "جو جیسا کہے گا ویسا ہی سُنے گا بھی، ابھی
میں نے کہا ہی کیا ہے۔ کہنے پر آؤں گی تو بخئے اُدھیڑ
کر رکھ دوں گی۔"
گرمی:۔ (ہنس کر) گرمی نام تو میرا ہے۔ مگر میں
دیکھتی ہوں کہ خیر سے مزاج آپ کا بہت گرم ہے۔
پُرانے زمانے کے حکیم کہا کرتے تھے کہ برف ظاہر میں
تو ٹھنڈی ہے۔ مگر اس کا مزاج گرم ہے۔ اب آپ
کو دیکھ کر مجھے یقین سا ہوتا جاتا ہے کہ شاید ان
لوگوں کا خیال درست ہی ہے بخئے اُدھیڑنے کو جی
چاہتا ہے تو یہ ارمان بھی پورا ہی کیوں نہ کر لیجئے
اس کا خوف تو اُسے ہو جس کی کچھ ڈھکی چھُپی باتیں
ہوں۔ صاف سچّی اور کھُلی ہوئی زندگی گذارنے
والے کو اس کا کیا خوف"
سردی:۔ (غصہ سے) "جی میرے سامنے یہ پارسائی
نہیں چلے گی۔ دُھلا سفید کُرتا پہننے سے دل کی
سیاہی تھوڑے دُور ہو سکتی ہے۔ یہ چِٹّے کپڑے ہی پہن
پہن کر تو آپ دُنیا کو دھوکے دیا کرتی ہیں۔ میں ایسے
بگلا بھگتوں کو خوب پہچانتی ہوں"

گرمی:۔ "اب گالیاں ہی دیئے جائیگا۔ یا کچھ بتائیگا
بھی کہ مجھ میں کیا عیب ہے"
سردی:۔ "ایک دو عیب ہوں، تو کوئی گنا وے۔
جب سر سے پیر تک عیب ہی عیب ہوں تو کہاں تک
کوئی گنائے اور کیا کیا کوئی بتائے"
گرمی:۔ (کسی قدر تیز آواز سے) "میں تو اب
تک ہنسی سمجھ رہی تھی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے
کہ آپ کا کچھ لڑنے کو ہی جی چاہتا ہے۔ پہلے ذرا
اپنی آنکھ کا شہتیر نکال لیجئے۔ پھر دوسروں کی آنکھ
کے تنکے پر نگاہ ڈالیئے گا۔ شیشے کے گھروں میں
رہ کر دوسروں کے گھروں پر پتھر پھینکنا انتہائی
حماقت ہے۔"
سردی:۔ یہ آپ کے شہتیر اور تنکے تو میں جانتی نہیں
مجھے تو سیدھی سی ایک بات معلوم ہے کہ جس سے
اللہ کی مخلوق کو فائدہ پُہنچے وہ اچھا ہے۔ اور جس سے
لوگوں کو تکلیف پُہنچے وہ بُرا۔ اب ذرا آپ اپنے
کرتوتوں پر نظر ڈالیئے اور دیکھئے کہ آپ کی ذات
سے دُنیا کو کس قدر تکلیف پہنچتی ہے۔ اور کیسی کیسی
تباہیاں اور بربادیاں آپ کی وجہ سے ظہور میں
آتی ہیں۔ آدمی۔ جانور۔ پیڑ۔ سب آپ سے بیزار
رہتے ہیں اور آپ کی وجہ سے ہر جاندار کو اپنی

زندگی گذارنا مشکل ہوتی ہے۔ زمین اس قدر تپنے لگتی ہے کہ پاؤں نہیں رکھا جاتا۔ درو دیوار سے اس طرح آگ نکلتی ہے کہ ان کے قریب کھڑا ہونا دشوار ہوجاتا ہے۔ پانی پیتے پیتے ہر ایک کا پیٹ پھٹنے لگتا ہے پھر بھی پیاس نہیں بجھتی۔ ذرا دیر پانی نہ ملے نوجوان پر بن جاتی ہے۔ پیڑ خشک ہوکر مرجھا جاتے ہیں۔ پھولوں کی نازک نازک پنکھڑیاں سوکھ کر رہ جاتی ہیں۔ غریب جانور اپنی زبان نکالے کیچڑ میں لوٹتے پھرتے ہیں۔ چلنا۔ پھرنا یا کوئی کام کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اشرف المخلوقات انسان اس کے سوا اور کسی مصرف کا نہیں رہتا کہ پڑے پڑے پنکھا جھلا کرے۔ اور طرح طرح سے سردی پیدا کرکے اس آگ کو بجھایا کرے جو اس کے تن بدن میں لگی ہوئی ہے۔ اور یہ سن کر آپ کو شرم آئے گی کہ آپ کے ان ستائے ہوؤں کی، دنیا میں کوئی مدد کرتا ہے تو وہ میں ہی ہوں۔ ہوا ہو یا پانی ہو، یا برف یہ سب چیزیں اسی لئے تسکین پہنچاتی ہیں، کہ ان میں میرا اثر ہوتا ہے۔ آپ اللہ کی مخلوق کو تباہ کرتی ہیں۔ میں انھیں پناہ دیتی ہوں۔ آپ جانداروں کو ہلاک کرتی ہیں۔ میں ان کو زندگی بخشتی ہوں۔ آپ ہر چیز کو بھون جھلس کر رکھ دیتی ہیں۔ میں انھیں ٹھنڈا کرتی ہوں اور اب اس کے بعد بھی کیا آپ کو اس کی جرأت ہوسکتی ہے کہ میرے مقابلہ میں آئیں"

گرمی:۔ (کڑک کر) اپنے قصور دوسروں کے سر تھوپنا آپ کو خوب آتا ہے۔ اس ڈھٹائی کی بھی کوئی انتہا ہے کہ دنیا بھر کی بلائیں آپ اور لگائیں میرے سر۔ کون نہیں جانتا کہ تمام جانداروں کی زندگی گرمی سے ہے۔ اور سردی میں ہر چیز ٹھٹھر جاتی ہے میری وجہ سے اگر لوگوں کو ایک پیسہ کا پنکھا خریدنا پڑتا ہے تو وہ آپ کو اس قدر ناگوار ہے۔ لیکن کبھی آپ نے یہ نہ سوچا کہ آپ کی وجہ سے جو کمبل۔ لحاف رزائیاں۔ توشکیں اور گرم پوشاک لوگوں کو خریدنی پڑتی ہے۔ اور پھر یہ سیروں اون اور روئی لاد لینے کے بعد بھی مہینے بھر میں منوں کوئلہ پھونکنا پڑتا ہے۔ اس کا کہیں حساب ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غریب آدمی کی تو آپ دشمن ہیں۔ کوئی غریب آپ کی عملداری میں زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔ تباہی اور بربادی کا الزام آپ میرے سر لگاتی ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ادھر آپ تشریف لائیں اور ادھر باغوں سے پھول اور پیڑوں سے پتے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ، آپ

کے ان مارے ہوؤں کو پھر میں ہی آکر زندہ کرتی ہوں اور میری بدولت اُن میں پھر اتنی جان آجاتی ہے کہ ان کا شمار زندوں میں ہو سکے۔ پھر بھی ایک مصیبت ہو تو جھیل لی جائے آپ تو اپنے ساتھ نہایت تکلیف دہ اور مہلک بیماریوں کا ایک لشکر کا لشکر لے کر آتی ہیں اور لاکھوں آدمیوں کی جان لیتی ہیں۔ کھانسی زکام نمونیا۔ طرح طرح کے درد اور قسم قسم کے بخار آپ بڑے دن اور نئے سال کے تحفوں کے طور پر بڑی فیاضی کے ساتھ تقسیم کیا کرتی ہیں۔ اور ہر سال لنگڑے لولوں اور دمہ کے ماروں کی تعداد میں اچھی خاصی بڑھوتری ہوتی رہتی ہے۔ باوجود ایسی بے دردیوں اور سفاکیوں کے اگر آپ پارسا بننے چلی ہیں۔ تو اسے بے حیائی کے سوا اور کیا کہا جائیگا"۔

سردی:۔ (بہت بگڑ کر) "اے ہے! سچ کہنا ذرا! کیسی بیچاری معصوم بنتی ہیں۔ ذرا مجھ سے آنکھ ملا کے بات کیجئے۔ بیماریاں میں پھیلاتی ہوں یا آپ؟ یہ جو سارے ڈاکٹر رات دن چلاتے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے جراثیم گرمی میں نشو و نما پاتے ہیں یہ سب جھوٹ ہے خدا کی شان۔ بخار پھیلانے کا الزام اور مجھ پر! میں پوچھتی ہوں کہ بخار گرمی کو کہتے ہیں۔ یا سردی کو۔ شرماتے نہیں۔ غریبوں کا دشمن مجھے بنایا جاتا ہے حالانکہ آپ کی بدولت ہمیشہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ غریبوں نے رات کو کھانا پکا کے رکھا اور صبح کو دیکھا تو سڑا ہوا ملا۔ کبھی میری وجہ سے بھی دنیا میں کوئی چیز سڑی ہے۔ اور پھر مصیبت یہ ہے کہ افلاس کے مارے اگر مجبور ہو کر اسی سڑی ہوئی غذا کو کھا لیں تو ہیضہ، تخمہ۔ پیچش اور خدا جانے اور کس کس بلا میں گرفتار ہو کر آپ کی جان کو دعائیں دیتے ہیں۔ آگ کی تباہ کاریوں سے کون واقف نہیں غریبوں کے محلے کے محلے آپ کی ذرا سی توجہ سے برباد ہو جاتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ان کے پاس پکے مکان بنانے کے لئے روپیہ نہ تھا۔ اور بیچاروں نے اپنا سر چھپانے کے لئے چھپر ڈال رکھے تھے۔ ان حرکتوں پر بھی آپ کو شرم نہیں آتی اور میرے منھ آتی ہیں"۔

گرمی:۔ جب آدمی اول جلول باتیں کرنے لگتا ہے تو وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اب اس کے پاس کوئی معقول دلیل باقی نہیں رہی۔ آپ نے لوگوں کی غذا کے سڑنے کا الزام میرے سر لگایا ہے۔ ذرا یہ بھی دیکھا ہوتا کہ اس غذا کو پکاتا کون ہے۔ کہیں آپ نے برف پر بھی کھانا پکتے دیکھا ہے اور ایک کھانے پر ہی کیا منحصر ہے۔ ہر قسم کے اناج اور پھل کون پکاتا ہے اور

ان میں ایسی مٹھاس اور ایسا مزا کس کی بدولت آتا ہے۔ ہمیں دُنیا میں اولوں اور پالے سے بھی کھیت پکے ہیں۔ پالے کا اثر تو جن پھلوں پر ہو جاتا ہے۔ وہ بڑھنے بھی نہیں پاتے اور مُرجھا کر رہ جاتے ہیں۔ کسی غریب کسان سے پوچھیئے کہ جب اس کے ہرے بھرے کھیت کو پالا مار جاتا ہے۔ یا اولے تباہ کر دیتے ہیں تو اُس کے دل پر کیا گذرتی ہے۔ آگ اگر کسی کے مکان میں لگ جاتی ہے تو اس میں آگ کا کیا قصور ہے؟ لوگ اپنی حماقت اور اپنی غفلت کی وجہ سے اپنے گھر پھونک لیتے ہیں عقل اور علم کس قدر اچھی چیزیں ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ انھیں بھی بُرے کاموں میں استعمال کیا کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں عقل یا علم کو کون بُرا کہے گا؟

(سردی کو غصہ آجاتا ہے۔ اور وہ دوڑ کر گرمی کو لپٹ جاتی ہے، دونوں میں کشتی ہونے لگتی ہے۔ ایک طرف سے گلے میں ہار ڈالے۔ سبزہ اور پھولوں سے لدی ہوئی جھومتی جھامتی اور ملاریں گاتی برسات آنکلتی ہے۔ دونوں کو لڑتے دیکھ کر ہنستی ہے۔)

برسات:۔ ارے تم دونوں پھر لڑنے لگیں۔ ہٹو ایک دوسرے کو چھوڑ دو۔ نہیں تو میں بجلی کا کوڑا نکالتی ہوں۔ دونوں کی کھال اُدھیڑ کر رکھ دوں گی بے وقوفوں کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ دُنیا کی کسی چیز میں نہ فقط بھلائی اور فائدہ ہی فائدہ ہے اور نہ نقصان ہی نقصان۔ ہر چیز میں کچھ اچھائیاں ہوتی ہیں اور کچھ بُرائیاں، گرمی اور سردی دونوں انسان کے لئے مفید اور ضروری چیزیں ہیں۔ ان سے اگر نقصان پہنچتا ہے تو وہ انسان کی اپنی غلطی ہے انسان اگر عقل سے کام لے تو ہر چیز کو اپنے لیے مفید بنا سکتا ہے۔ تم دونوں آخر اس طرح ہمیشہ لڑا کیوں کرتی ہو۔ اس طرح تو عمر بھر بھی فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ کون اچھا ہے۔ آپس میں جو تم تکرار کرنے کرنے کی بجائے اچھے اچھے کام کرو اور اس طرح اپنے کام سے اپنی اچھائی کا ثبوت دو جو زیادہ اچھے کام کرے گی وہی زیادہ اچھی ہے۔

تمھاری یہ رات دن کی لڑائی دیکھ کر مجھے ہندوستان کے بے وقوف ہندو مسلمانوں کی لڑائی یاد آجاتی ہے۔ وہ بھی بجائے کسی قسم کا کوئی مفید کام کرنے کے اپنا تمام وقت اور اپنی تمام قوت آپس کی تُو تُو مَیں مَیں ہی میں ضائع کیا کرتے ہیں جاؤ اب اپنے اپنے گھر جاؤ۔ پھر کبھی میں تمھیں لڑتے نہ دیکھوں۔

(ڈاکٹر سعید بریلوی)

کیا پتیوں میں بھی آنکھیں ہیں؟

جناب ابوطاہر صاحب کا یہ مضمون بڑا دلچسپ ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ بچے اسے پوری دلچسپی سے پڑھیں گے اور اُن کی بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق جو تجربے کریں گے اُس سے ہمیں بھی مطلع کریں گے۔ بچے اپنی اور اپنے دوستوں کی تصویر اپنے گھر کے درختوں پر اُتار کر سب کو حیرت میں ڈال سکتے ہیں دیکھیں کس کا تجربہ زیادہ کامیاب رہتا ہے۔ (ایڈیٹر)

ہمارے یہاں ایک چوری ہو گئی۔ وہ اس طرح کہ بھائی جان کی ایک سونے کی گھڑی تھی۔ جو اُن کو سسرال سے تحفہ میں ملی تھی۔ اور اس کو وہ بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ کسی نے اُن کی جیب میں سے نکال لی۔ واقعہ یوں ہے کہ اُن کی جیب اُن کی اچکن میں تھی۔ اور اچکن اُن کے کمرے میں کھونٹی پر لٹکی ہوئی تھی اور اُن کا کمرہ دومنزلہ مکان پر سب سے علیحدہ جگہ پر تھا۔ ہمارے گھر میں اتنے آدمی تھے کہ ہم اُن کو اُنگلیوں پر گن سکتے تھے۔ اور ان آدمیوں میں کوئی ایسا شخص تھا ہی نہیں جس کو چور ٹھیرایا جا سکتا۔ —— البتہ آج ایک ہفتہ ہوا تھا کہ ایک نئی ماما جس کا نام گلابو تھا۔ ہمارے یہاں کچھ دنوں کے لئے کام کرنے کو آئی تھی۔ کیونکہ ہماری پرانی ماما گل چمن جس کے نام سے آپ سب واقف ہیں بیمار ہو گئی تھی۔ گلابو کو اس حالت میں چور تو کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اُس کے حلیہ سے یہ پتہ چلانا ذرا مشکل تھا۔ اس لئے کہ وہ نمازی پرہیزگار پڑھی لکھی شریف عورت تھی اور خود کو ایک شریف گھرانے کی مصیبت کی ماری بیوہ بتاتی تھی۔

نانی اماں نے کہا کہ یٰسین کے چاول پڑھ کر ہر ایک کو کھلائے جائیں۔ جن کا اثر یہ ہوگا کہ چور کے پیٹ میں درد ہونے لگیگا۔ بھابی جان نے رائے دی کہ چھری پڑھوا کر قرآن شریف میں رکھی جائے تو اُس کا کلیجہ کٹ جائیگا۔ باجی اماں نے کہا کہ دھنیا مہری کے جوتے پر فال دیکھی جائے۔ اور فتو بوا نے اس بات پر زور دیا کہ بدھے کی فال ہو یا بڑے ملاجی جو مسجد میں پیش امام ہیں اُن سے تعویذ لیا جائے۔

ہمارے بھائی جان نئی وضع کے آدمی تھے وہ اِن دقیانوسی باتوں پر ایک قہقہہ مار کر ہنسے

اور کہنے لگے کہ اگر یہ تمام باتیں کارآمد ہوتیں تو آج دُنیا کے تمام مُلک پولیس، فوج اور خفیہ پولیس کو اتنی بھاری بھاری تنخواہیں چور اور ڈاکو پکڑنے کے لئے کیوں دیتے۔ بلکہ اُن لوگوں کے بجائے ننّو بوا کو بدھنے کے ساتھ ہر جگہ بلا کر چوری کا پتہ لگا لیا کرتے۔

اُنھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ تمام گھر کی تلاشی لی۔ اور اُس کے ساتھ ہی گلابو بوا کی چیزوں کا بھی جائزہ لیا۔ مگر اس میں اُن کو ناکامی ہوئی — گھڑی بالکل ہضم ہو چکی تھی اور اُس کو باہر نکالنے کی صرف ایک ہی ترکیب تھی کہ چور کو دھمکی دی جائے اب سنئے اُنھوں نے کیا کیا۔

"کل چور کا نام معلوم ہو جائیگا" —— بھائی جان نے اس یقین کے ساتھ کہا کہ سب لوگ اُن کا مُنھ حیرت سے دیکھنے لگے —— "کیا مسمریزم سے پتہ لگاؤ گے" باجی اماں نے ہنس کر کہا۔ "نہیں" بھائی جان نے جواب دیا —— میرے کمرے کے سامنے کروٹن کے کچھ درخت لگے ہوئے ہیں جو میں نے کئی سو روپیہ دیکر ولایت سے منگائے ہیں۔ اُن میں ایک درخت نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ اُس کی خاصیت یہ ہے کہ جو کوئی اُس کے قریب جاتا ہے اُس کی تصویر اُس کے پتّوں پر اس صفائی سے اُتر آتی ہے کہ جیسے کسی نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہو —— اس تصویر کے نیچے اُس شخص کا نام بھی خود بخود لکھ جاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ تصویر اور نام تین دن کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔ کل چونکہ تیسرا دن ہے۔ اس لئے میں اپنا چور آنکھ بند کر کے پکڑ لونگا" —— یہ کہنے کے بعد بھائی جان نے گلابو بوا کی طرف دیکھا۔

"قہ قہ قہ" —— اُس نے ایک لمبا قہقہہ لگایا۔ اور پانچ منٹ تک ہنسی کے مارے لوٹن کبوتر بنی رہی —— اور واقعی بات بھی اتنی بے تکی تھی کہ اُس کا ہنسنا بالکل ٹھیک تھا۔ میں خود مُنھ پر رومال رکھے ہنس رہا تھا

"اچھی بے پر کی اُڑائی" باجی اماں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"افیم زیادہ ہو گئی شاید" بجیا نے ہنس کر کہا۔

"کوئی تعجب کی بات ہے" بھائی جان نے ناراض ہو کر کہا۔ تُم لوگوں کو کیا معلوم کہ سائنس نے کتنی ترقی کی ہے۔ بے تار برقی۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے واقعات پر بھی شروع میں لوگ یونہی ہنسا کرتے تھے۔ مگر آج چونکہ یہ چیزیں عام ہو گئی ہیں

اس لئے نہیں ہنستے۔

"ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" بجیا نے اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا "پتّوں پر تصویر کا کھینچ جانا کونسی سائنس ہے؟"

"اور کیمرے میں پلیٹ پر تصویر کا کھنچ جانا کونسی سائنس ہے؟" بھائی جان نے پوچھا۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ آنکھ کی پُتلی میں سامنے کی چیزوں اور آدمیوں کی تصویر کا اُتر آنا بھی تو حیرت کی بات ہے۔ اسی طرح اس کروٹن کے پتّوں میں بھی قدرت نے وہی مسالہ پیدا کیا ہے۔ جو انسان کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ اور اسی لئے اُس میں بھی تصویر اُتر آتی ہے۔

"ہوگا بھئی۔ ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں"، بجیا نے جواب دیا۔

"مگر یہ پتہ کیسے چلے گا کہ چور وہی ہے۔ جس کی تصویر اُس پتہ پر اُتر آئی ہے؟" باجی اماں نے سوال کیا

"چونکہ میرے کمرے میں کوئی دُوسرا شخص قدم رکھتا ہی نہیں اور اس کے علاوہ وہ درخت میرے کمرے کے اندر اسٹول پر رکھا رہتا ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ گھڑی چراتے وقت وہ چور اُس کے سامنے سے ضرور نکلا ہوگا"، بھائی جان نے جواب دیا۔

"مگر تمھاری تصویر کیوں نہیں اُتر آتی" نانی اماں نے پُوچھا

"کیونکہ میں اُس کے سامنے سے نکلتا ہی نہیں"، بھائی جان نے جواب دیا۔

(۲)

ہمارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ کروٹن کے پانچ پتّوں کے اوپر ایک عورت کی ہلکی سی تصویر اُتری ہوئی ہے۔ اور اُس کے نیچے گلابو کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ —— تصویر پر غور کرنے سے تھوڑا سا پتہ چلتا تھا۔ لیکن نام کے موجود ہونے سے تو شخصیت کا یقین ہوگیا۔ میں آپ سے کس طرح بیان کروں کہ وہ تصویر کس قسم کی تھی —— آپ یقین کیجئے گا کہ وہ تصویر ہرگز مصنوعی نہیں تھی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اپنے ہاتھوں سے خود بنائی ہے۔ اگر آپ کسی کروٹن کے پتہ کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہری ہری سطح پر زرد زرد گول گول دھبّے عموماً پڑے رہتے ہیں۔ کیا کوئی شخص اُن دھبّوں کو مصنوعی کہہ سکتا ہے؟ بس یہی سمجھ لیجئے کہ وہ تصویر اور نام اُن زرد دھبّوں کا ایک مجموعہ تھا جو پتّے کی ہری پلیٹ پر اس طرح نظر آ رہا تھا جس طرح زرد دو پتّے پر رنگ اُڑنے کے سفید داغ

بجیا کو یہ شک البتہ ہوا کہ ممکن ہے بھائی جان نے چالاکی سے پتے پر رنگ لگا دیا ہو۔ یا کسی کیمیائی روشنائی سے ایسا عمل کیا ہو۔ اس لئے اُنھوں نے اُس پتے کو پانی سے دھویا۔ اُنگلی سے رگڑا۔ کپڑے سے پونچھا لیکن اُس میں کسی طرح کی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ اس کے علاوہ پانچوں پتوں پر ایک طرح کی تصویریں اور ایک ہی وضع کے نام تھے۔ اس لئے ہم لوگوں کو سوائے یقین کرنے کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔

بھائی جان نے جب وہ اعمالنامہ گلابو کو دکھایا ہے تو حیرت سے اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اس کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔ اُس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اور اُس کے جسم میں ایک قسم کا لرزہ پیدا ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں جب اُس کو یقین ہوگیا کہ یہ تصویر اُسی کی ہے۔ اور وہ نام بھی اُسی کا ہے تو وہ ڈر کے مارے رونے لگی۔ جب اُس کو تسلّی دی گئی کہ پولیس میں اُس کو نہیں دیا جائیگا تو اُس نے وہ قیمتی گھڑی اپنے ٹینٹے میں سے نکال کر بھائی جان کے حوالے کردی۔

جب گلابو اپنے گھر چلی گئی تو بھائی جان نے مجھے اپنے کمرے میں ایک کرسی پر بٹھا کر کہا:۔

"کہو کیسی عمدہ ترکیب تھی"

"ترکیب" میں نے اُچھل کر کہا۔ "کیا وہ اصلی تصویر نہ تھی"

"نہیں۔ بلکہ سائنس کا کرشمہ تھا" اُنھوں نے ہنس کر کہا۔

جب مجھے اُن کی عقل و ذہانت کا واقعہ معلوم ہوا تو میں نے بے اختیار ہو کر اُن کے ہاتھ چوم لئے۔ آپ کی تفریح کے لئے میں نیچے اُن باتوں کو بیان کئے دیتا ہوں آپ خود تجربہ کرلیں۔

سورج کی کرنوں میں دراصل سات قسم کے رنگ ہوتے ہیں جن کو ہم پانی برسنے کے بعد قوس قزح میں صاف طور سے دیکھ سکتے ہیں۔ قدرت نے یہ انتظام کیا ہے کہ درختوں۔ پھولوں اور پھلوں میں آپ جس قدر رنگ دیکھتے ہیں وہ سب سورج کی کرنوں کے رنگوں کا عکس ہے۔ مثالاً یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح ہم سفید دوپٹے کو جس رنگ میں ڈبوئیں گے وہی رنگ اُس پر ظاہر ہو جائیگا۔ اسی طرح نباتات میں جس رنگ کے قبول کرنے کا مادہ موجود ہوگا۔ وہی رنگ سورج کی روشنی سے پیدا ہو جائیگا۔

درختوں کے پتے عموماً سبز رنگ کے ہوتے

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پتوں میں ایک قسم کی شیشیاں ہوتی ہیں۔ جن میں ایک قسم کا خاص مادہ بھرا ہوا رہتا ہے جو سورج کی کرنوں کے اندر سے سبز رنگ بلاٹنگ پیپر کی طرح جذب کرتا رہتا ہے۔ اگر ہم اُن درختوں پر سورج کی روشنی کا اثر زائل کردیں تو اُن پتوں کا رنگ سبز نہ رہیگا۔ بلکہ زرد ہو جائیگا۔

بھائی جان نے یہ ترکیب کی تھی کہ اپنے قیمتی کیمرے سے گلابو کی تصویر اس طرح اُتاری تھی کہ اُس کو شک نہیں ہونے پایا تھا۔ اُس کے بعد اُس کیمرے میں سے وہ سیاہ کاغذ جس پر اُس کی تصویر تھی لے کر اپنے کمرے میں رکھے ہوئے درخت کی پتیوں پر چپکا دیا تھا۔ اور کاغذ کے ایک کالے ٹکڑے پر اُس کے حروف کاٹ کر اُس تصویر کے نیچے لگا دیئے تھے۔ اس کے بعد اُنھوں نے اس درخت کو دن بھر دھوپ میں رہنے دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سورج کی کرنیں درخت پر پڑیں لیکن پتوں کے اُن مقامات پر نہ پڑ سکیں جن پر سیاہ کاغذ چپکا ہوا تھا۔ شام کے وقت اُنھوں نے اُن کاغذوں کو ہٹایا تو اُن کی جگہ زرد نشانات تھے اور کھلے ہوئے حصوں پر سبز اور اس طرح قدرت کے ہاتھوں کی بنائی۔ سورج کی کرنوں کی نوکوں سے رنگ دی ہوئی کروٹن کے سبز پتوں پر وہ تصویر اُبھر آئی۔

(سید ابوطاہر داؤد۔ بی۔ ایس۔ سی (ٹک))

معمّا

میں چار حروف کا ایک مشہور شہر ہوں، اگر میرا پہلا حرف کاٹ دیا جائے تو میں گانٹھ بن جاتا ہوں اور اگر صرف دوسرا حرف کاٹ دیا جائے تو بڑھئی کا ایک اوزار ہو جاتا ہوں۔ اور خدانخواستہ اگر دوسرے و تیسرے حرف ایک دم کاٹ دیئے جائیں تو دل کی آہ ہو جاتا ہوں۔ اور اگر صرف تیسرا و چوتھا ہی حرف کاٹا جائے تو میں چنگاری ہو جاتا ہوں۔

پیام بھائیو! بتلاؤ میں کونسا شہر ہوں۔

(چندر شیکھر فوجدار سیکر)

ٹیپو سلطان شہید

سرنگا پٹم میسور سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ ہے۔ جو دریائے کاویری سے گھرا ہوا ہے، ٹیپو سلطان کی راجدھانی یہی جزیرہ تھا۔

ٹیپو سلطان اپنے والد نواب حیدر علی خاں بہادر کے انتقال کے بعد ۱۷۸۳ء میں تخت پر بیٹھے اور ۱۵ سال تک حکومت کی۔ اس تھوڑی سی مدت میں آپ نے وہ کام انجام دیئے جن کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

جنوبی ہند نے اپنی تاریخ میں صرف ایک ہی سلطان دیکھا اور وہ ٹیپو سلطان شہید تھے۔ آپ کا برتاؤ ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ ایک سا تھا چنانچہ آج بھی جنوبی ہند کے ہندو آپ کا نام نہایت عزت سے لیتے ہیں۔

آپ ایک لائق و فاضل بادشاہ تھے، انگریزی فرنچ۔ عربی اور فارسی زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ آپ کو اپنے مذہب (اسلام) سے بہت محبت تھی۔ ہر روز صبح صادق سے پہلے جاگ اُٹھتے اور نماز سے فارغ ہو کر قرآن پڑھنے میں مصروف ہو جاتے اس کے بعد سلطنت کے کاموں کی طرف توجہ فرماتے رات میں اکثر تاریخی اور مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے

سلطان فن سپہگری میں بہت مشہور تھے، چنانچہ میسور کی دوسری جنگ میں آپ نے کرنل بیلی کی فوج کے ٹکڑے اُڑا دیئے تھے۔ ہر لڑائی میں آپ تلوار کمر سے لگائے فوج کے آگے آگے رہتے اور پیچھے پیچھے فوج کے دوسرے سردار ہوتے

ٹیپو سلطان کو شیروں سے بہت محبت تھی اپنے محل میں کئی شیر پال رکھے تھے اپنے سپاہیوں کو زرہ بکتر پہنا کر ان شیروں سے لڑواتے۔ کہتے ہیں ان شیروں کو انگریزوں نے محل میں گھسنے سے پہلے ہی گولی سے اُڑا دیا تھا۔

ٹیپو سلطان کا تخت بھی شیر کی صورت پر بنایا گیا تھا۔ جو سونے اور جواہرات سے آراستہ کیا گیا تھا۔

آپ کی شہادت کے بعد یہ تخت لارڈ ولزلی نے
ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز میں بھیج دیا
اور اب وہ انگلستان کے شاہی محل میں موجود ہے
جنوبی ہند کے مسلمان آپ کو "شیر دکن"
کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے۔
"گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک
دن کی زندگی مجھے پسند ہے" آپ کا یہ زریں مقولہ
ہندوستان بلکہ دنیا کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں
لکھے جانے کے قابل ہے۔ اور آپ نے اس کو کامل
طور سے عملی جامہ بھی پہنایا۔

ٹیپو سلطان کو عمارتیں بنوانے کا بھی بے حد
شوق تھا چنانچہ دریا دولت باغ۔ لال باغ۔ بارہ دری
رنگین محل۔ مقبرہ سلطانی۔ مسجد اعلیٰ۔ مسجد احمدی
وغیرہ آپ کی مشہور یادگاریں ہیں

سرنگاپٹم سے دو میل کے فاصلہ پر گنجام واقع ہے
یہ سلطان کے زمانہ کا "چاندنی چوک" یا "انارکلی" بازار
تھا جو "گنج عام" کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں مقبرہ
سلطانی اور دریا دولت باغ ہے۔

دریا دولت۔ سلطان کا ایوان عام تھا۔ یہ محل
دریائے کاویری کی شمالی شاخ سے کوئی دو سو گز کے
فاصلہ پر واقع ہے۔ عدل و انصاف اور سلطنت کے
انتظامی کاموں کا فیصلہ سلطان اسی دیوان میں
بیٹھ کر فرماتے۔ یہ عمارت عظیم الشان اور دو منزلہ ہے
اس کی اندر اور باہر کی تمام دیواروں پر سنہری بیل
بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ مشرقی اور مغربی دیواروں
پر بہت سی تصویریں ہیں۔ مغربی دیوار پر جنگی تصویریں
ہیں۔ ایک تصویر میں کرنل بیلی کو پالکی میں بیٹھا ہوا
دکھایا گیا ہے۔ اور وہ سلطان سے شکست کھا کر اپنی
انگلیاں دانتوں میں دبائے ہوئے ہے۔ مشرقی
دیواروں پر جو تصویریں ہیں اُن سے سلطان کی روزانہ
زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ ان تصویروں میں سلطان کو
کہیں نماز پڑھتے ہوئے۔ کہیں قرآن پڑھتے ہوئے
اور کہیں انصاف فرماتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

دریا دولت سے پورب کی طرف سلطان کا
مقبرہ آتا ہے۔ اس کا نام "گنبد اعلیٰ" ہے۔ گنبد
کے اندر سبز رنگ (شیر کا رنگ) پھرا ہوا ہے۔
اس کے اندر سلطان کے والد نواب حیدر علی
خاں اور سلطان کی والدہ کے مزار ہیں۔ والد
اور والدہ کے مزار بنانے وقت سلطان کو اپنی
موت کا بھی خیال رہا چنانچہ آپ نے جیتے جی
اپنے لئے بھی ایک قبر تیار کرالی تھی۔ ٹیپو سلطان
کے مزار پر سرخ غلاف شہادت کے نشان کے

طور پر ہر وقت پڑا رہتا ہے۔

گنبد بہت اونچا اور عالی شان ہے۔ سیاہ سنگ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہوا ہے۔ چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر حیدر علی یا ٹیپو سلطان کی وفات کے تاریخی کتبے لگے ہوئے ہیں۔ مغربی دروازے پر چوکھٹ کے دائیں بائیں سلطان کی شہادت کے تاریخی کتبے لگے ہوئے ہیں۔ تاریخ کا ایک شعر یہ ہے ؎

چوں آں مرد میداں نہاں شد ز دُنیا
یکے گفت تاریخ "شمشیر گم شد"[1]

مقبرہ کے صحن سے لگی ہوئی ایک خوشنما مسجد ہے جو "مسجد احمدی" کے نام سے مشہور ہے۔

گنبد کے پہلے دروازے میں جہاں سے لوگ داخل ہوتے ہیں۔ نوبت ونقارہ اب تک دن میں دو بار بجتے ہیں۔ یہاں ہر سال سلطان شہید کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ علاقہ میسور کا کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا جو اس عرس میں شریک نہ ہوا ہو۔

سلطانی محلوں کے کھنڈروں کے قریب ایک عالیشان مسجد ہے۔ جس کا نام مسجد اعلیٰ ہے یہ سلطان کی بنائی ہوئی ہے۔ اس کے بلند مینار آج بھی ٹیپو سلطان کے عہد کی یاد دلاتے ہیں۔

مسجد کی عمارت کے دو حصہ ہیں۔ اوپر کے حصہ میں مسجد ہے۔ مسجد میں جانے کے لئے دونوں طرف پکی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ میناروں کے اندر بھی اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں جہاں سے بہت دُور دُور کا نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اس مسجد میں قرآن پاک کی آیتوں کے کتبے لگے ہوئے ہیں۔

سلطان پانچ وقت کی نماز اس مسجد میں ادا کرتے تھے۔ مسجد میں آپ عام راستہ سے داخل نہیں ہوتے تھے۔ اس خیال سے کہ نمازیوں کو آپ کے آنے کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو اور اُن کے سکون میں خلل نہ ہو مسجد کے بڑے کمرے میں آپ کی طرف ایک چھوٹا دروازہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ آپ اس دروازہ سے داخل ہو کر فوراً ہی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔

سرنگا پٹم میں اور کوئی چیز ذکر کے قابل نہیں

[1] یعنی جب وہ میدان کا مرد دنیا سے چھپ گیا (مر گیا)، تو کسی نے کہا کہ "تلوار گم ہو گئی"۔ شاعر نے بادشاہ کو تلوار فرض کیا ہے، اور اُس کے مرنے کو تلوار کا گم ہو جانا۔ اس شعر سے اُس کے مرنے کی تاریخ (۱۲۱۴ھ) نکلتی ہے۔

البتہ جنوب میں ایک کمان ہے۔ جو کاریگری کا بے مثال نمونہ ہے۔ یہ صرف اینٹوں اور چونہ کی بنی ہوئی ہے۔ جب کوئی بچہ بھی اوپر چڑھ کر کودتا ہو تو یہ عجیب و غریب کمان ہلنے جلنے لگتی ہے۔ اب تک کوئی کاریگر اس معمے کو حل نہ کر سکا۔ کہتے ہیں کہ سلطان دریائے کاویری پر ایک عالیشان پل بنوانا چاہتے تھے جس کی یہ پہلی کڑی ہے

میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان نے پلنگ پر سونا چھوڑ دیا تھا اور فرش زمین پر ایک ٹاٹ پر سوتے تھے۔ سلطان کو مصوری[1] کے فن میں کمال حاصل تھا اور نئی نئی ایجادوں کا بھی بہت شوق تھا۔ آپ نے بہت سے شہروں کے نام بدل کر دوسرے رکھے تھے جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

سرنگاپٹم	ظفر آباد
ڈنڈی گل	خالق آباد
میسور	نظر آباد
کلیکوٹ	اسلام آباد
بنگلور	دارالسرور

سلطان کے بعض وزیروں نے آپ سے نمک حرامی کی میر صادق تو آپ کے جیتے جی لالچ میں آکر انگریزوں سے مل گیا میسور کی چوتھی لڑائی میں بظاہر سلطان کے ساتھ رہا۔ مگر موقع پر انگریزوں کو مدد دیتا اور ضروری باتوں سے آگاہ کرتا رہا جب سلطان شہید ہو گئے تو میر صادق نے گنجام کا راستہ لیا۔ جہاں اس کی کوٹھی تھی۔ جب قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہنچا تو سلطان کے ایک جاں نثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف تھا تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے چار روز بعد اس کی لاش بے کفن اسی جگہ دفن کر دی گئی۔ لوگ اب تک آتے جاتے اس کی قبر پر تھوکتے اور اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

جب انگریزوں نے سرنگاپٹم فتح کر لیا تو ان کے بعض افسروں نے یہ تجویز پیش کی کہ سلطان کے کسی شہزادے کو تخت پر بٹھایا جائے۔ مگر اس وقت بھی ایک دوسرے نمک حرام میر غلام علی (لنگڑے) نے یہ کہہ کر کہ "سانپ کو مارنا اور سانپ کے بچے کو پالنا عقلمندوں کا کام نہیں"، اس خاندان کو تخت سے محروم کر دیا۔

"شیر دکن" کی تاریخ شہادت ۴ مئی ۱۷۹۹ء ہے اور اس دن سے آج تک آپ کا مزار مبارک سرخ پوش چلا آتا ہے اور قیامت تک ایسا ہی چلا جائیگا

میسور کے لوگ شیر دکن کی لڑائی کے کارنامے آپ کی فتوحات پاکیزہ اخلاق اور آپ کی شہادت کے واقعات نہایت فخر سے بیان کرتے ہیں۔ (عبدالقادر)

[1] تصویریں بنانا۔

چیونٹیاں

اس وقت تک چیونٹی کی قریب قریب چھ ہزار قسمیں دریافت ہو چکی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی عادتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک چیونٹی کی زندگی کے عام طور پر تین حصّے کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا تو وہ جب چیونٹی انڈے کی شکل میں ہوتی ہے۔ دوسرے جب یا تو وہ بالکل ننگی ہوتی ہے اور یا بعض وقت ایک سفید نرم غلاف میں بند ہوتی ہے، جسے لوگ غلطی سے چیونٹی کے انڈے کہتے ہیں۔ کچھ دنوں بعد وہ اس غلاف میں سے نکل آتی ہے۔ اور پورا جانور بن جاتی ہے۔ یہ اُس کی زندگی کا تیسرا دور ہوتا ہے۔ بڑی چیونٹیاں ان کو غلاف میں سے نکلنے میں مدد دیتی ہیں۔
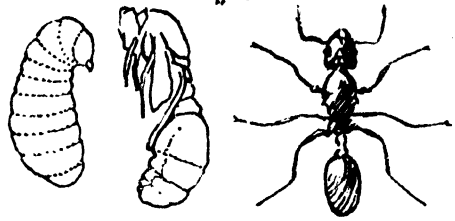
تم نے دیکھا ہو گا کہ چیونٹیاں ایک خاص راستہ پر چلتی ہیں، ان کی لائن کی لائن چلی جاتی ہے، کچھ آتی ہیں کچھ جاتی ہیں بعض دفعہ یہ کچھ سفید سفید چیزیں لیجاتی ہیں ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ یہ کیا ہوتی ہے۔ اسی طرح چیونٹیاں کھانے کی چیزیں مثلاً آٹا شکر وغیرہ سب اُٹھا کر لیجاتی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سی چیز کہاں پر رکھی ہے۔ برسات کے زمانہ میں جاڑا شروع ہونے سے پہلے یہ خوب کھانا جمع کر لیتی ہیں، اور جاڑوں بھر کھاتی ہیں

اگر چیونٹیوں کے راستہ میں کوئی چیز رکھ دو تو وہ ایک دم تتر بتر ہو جاتی ہیں۔ ہر چیونٹی آڑ تک آتی ہے اور اگر آڑ ہٹالی جائے تو وہ اپنا راستہ پھر نکال لیتی ہیں۔ جب دو چیونٹیاں مخالف سمت میں جاتی ہیں تو وہ اپنی سونڈوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے بچ جاتی ہیں

اگر کسی دن کہیں چیونٹیاں چلتی ہوئی دیکھو تو غور کرنا اور دیکھنا کہ جو جو باتیں تمھیں بتائی گئی ہیں وہ ٹھیک ہیں یا نہیں؟

(جیواد)

پھل مٹھائی سے بہتر ہیں

تم مٹھائی کو پھلوں سے زیادہ پسند کیوں کرتے ہو. پھل کھا کر تم اتنے خوش کیوں نہیں ہوتے جتنے مٹھائی کھا کر ہوتے ہو۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ اوّل تو تمہیں پھلوں کے فائدے معلوم نہیں۔ دوسرے پھلوں میں اتنی مٹھاس نہیں ہوتی جتنی مٹھائی میں ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تم مٹھائی زیادہ پسند کرتے ہو۔ اور شوق سے کھاتے ہو۔ اگر تم سے کہا جائے کہ مٹھائی اچھی چیز نہیں اور اس کے زیادہ کھانے سے دانت اور پیٹ میں طرح طرح کی تکلیفیں ہو جاتی ہیں اور معدہ میں کھانا ہضم کرنے کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ تو شاید تم ان باتوں کو سچ نہ سمجھو گے۔ اور تعجب کرو گے لیکن اس میں در اصل کوئی بات ذرا بھی غلط نہیں ہے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے تحقیقات کرنے کے بعد لکھا ہے کہ صرف پھل اور سبزی ہی انسان کے لئے بہترین قدرتی غذائیں ہیں۔ ان کے استعمال سے تازہ اور خالص خون بکثرت بدن میں پیدا ہوتا ہے۔ اور پھلوں میں وہ تمام چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جو انسان کو تندرست رکھنے اور بڑی اور پوری عمر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ جو شخص برابر ان کا استعمال رکھتا ہے وہ ہمیشہ خوش اور تندرست رہتا ہے۔ اور اس کی عمر بھی عموماً اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے، جو یہ چیزیں استعمال نہیں کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی بڑی بڑی عمریں ہوتی تھیں۔ اور وہ لوگ اس زمانہ کے لوگوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تندرست اور قوی بھی ہوتے تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ

لوگ پھلوں اور سبزی کا بہت زیادہ استعمال کرتے
تھے مگر بدقسمتی سے ہم نے پھلوں اور سبزی کا استعمال
زیادہ نہیں رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آجکل سو آدمیوں
میں سے مشکل سے دو چار ہی آدمی اچھے اور تندرست
نظر آتے ہیں۔ جسے دیکھو بیماروں کی سی صورت۔
بدن کا رنگ زرد۔ جسم میں کہیں خون کی سرخی کا
نشان ہی نہیں۔ صاف اور اچھا خون پیدا ہی کہاں
سے ہو۔ جب کہ ہم خون پیدا کرنے والی چیزوں کا
استعمال ہی نہ کریں۔ گھی اور دودھ تو شہروں میں
خالص مشکل سے ہی ملتا ہے۔ لیکن پھل اور سبزی
تو قریب قریب ہر شہر میں کثرت سے ملتی ہیں اور ہم
خالص گھی اور دودھ نہ ملنے کی کمی کو پھل اور سبزیاں
کھا کر پورا کرسکتے ہیں۔ مگر افسوس ہم لوگ مٹھائیوں
اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کو تو خوب کھاتے ہیں
لیکن پھلوں اور سبزیوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں
کرتے۔ امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر
ڈاکٹر لامیر صاحب لکھتے ہیں کہ اگر انسان کے بدن میں
دو چیزوں چونہ اور فاسفورس کی کافی مقدار موجود ہے
تو وہ ایک عرصہ دراز تک تندرست رہ سکتا ہے۔
اور پوری عمر حاصل کرسکتا ہے۔ اور چونہ اور فاسفورس
صرف پھلوں اور سبزیوں کے استعمال سے بدن میں پیدا
ہوتا ہے۔ اور جو لوگ پھل سبزی کا زیادہ استعمال نہیں
رکھتے اُن کے جسم میں چونہ اور فاسفورس بہت کم
رہ جاتا ہے۔ اور وہ جلد کمزور ہو جاتے ہیں۔ طرح طرح
کی بیماریاں اُن پر حملہ کرتی ہیں۔ اور آخر کار وہ جلد
ہی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اور حکیم سب
پھلوں اور سبزیوں کے فائدوں کی تعریف کرتے ہیں
وہ لوگ بیماروں اور کمزوروں کے لئے پھل، اور
پھلوں کے مُربّے کیوں تجویز کرتے ہیں۔ مٹھائی کیوں
نہیں تجویز کرتے۔ صرف اس لئے کہ پھل بدن میں
طاقت اور خون پیدا کرتے ہیں۔ اور دل و دماغ کو تازگی
اور قوت بخشتے ہیں۔ پھلوں کی تعریف میں جو کچھ بھی
کہا جائے وہ کم ہے۔ ہر پھل اپنے اندر خاص فائدے
رکھتا ہے جن کی اگر پوری تشریح کی جائے تو ہر پھل
پر علیحدہ علیحدہ بڑے بڑے مضمون لکھے جاسکتے ہیں۔
کیلا۔ آم۔ جامن۔ امرود۔ انگور۔ سیب۔ ناسپاتی۔
خربوزہ۔ تربوز۔ انار۔ آڑو۔ خوبانی۔ غرض سب پھل
دل۔ دماغ۔ اور جگر کو تازگی اور قوت بخشتے ہیں۔
خداوند تعالیٰ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ پھل جیسی نعمت
اُس نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر ہم اس نعمت سے
فائدہ نہ اٹھائیں تو ہم سے زیادہ اور کون بدنصیب
ہوسکتا ہے۔ پھل ایسی نعمت ہیں کہ اس کا مقابلہ دنیا کی

کوئی نعمت نہیں کر سکتی۔ اور پھر لطف یہ کہ مٹھائی کی
نسبت پھل سستے بھی ملتے ہیں اس لئے پیارے بچو
اگر خوش اور تندرست رہنا چاہتے ہو تو پھل
خوب کھایا کرو۔ البتہ گلے اور سڑے ہوئے
پھلوں سے پرہیز لازم ہے۔

(سید مسعود علی۔ مسعود لاج ۔ میرٹھ)

سمندر کا عجائب خانہ

اکٹوپس کے معنی آٹھ پاؤں والے کے ہیں
یہ دیو صورت جانور سمندر ہی نہ خانوں اور گھاٹیوں
میں رہتا ہے اور اسفنج اور جیلی فش کی طرح ملائم جسم رکھتا
ہے۔ اس کے چوڑے پیر کے آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں
اور ہر ایک ٹکڑا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک پیر
اس کے سر میں سے نکلا ہوا ہے۔ ان ٹکڑوں کو چاہے
پاؤں کہو چاہے ہاتھ، یہ ان سے دونوں چیزوں کا
کام لیتا ہے۔ ان آٹھوں سانپ کے مانند لہراتے
ہوئے پیروں کے بیچ میں طوطے کی سی چونچ رنگ
کی ایک چونچ ہے۔ اس چونچ کے پیچھے ایک نہایت
کھردری اور بہت بڑی زبان ہے۔ زبان کا ہے
کو ہے۔ اچھی خاصی اونچی نیچی کانٹوں بھری پہاڑی
زمین ہے۔ سر کے دونوں طرف دو بہت بڑی بڑی
آنکھیں ہیں۔ جو اندھیرے میں بجلی کے لمپوں کی
طرح روشن رہتی ہیں اور سر کے پیچھے تھیلے کا سا بھاری
بھر کم جسم لٹکتا رہتا ہے۔ وضع قطع تو سن لی۔ اب ذرا
ڈیل ڈول کا حال بھی سن لو۔ ان آٹھ پاؤں کے
علاوہ بہت لانبے یعنی ستر ستر، اسی اسی فٹ کے دو
ہاتھ یا دو اور پاؤں ہوتے ہیں۔ ان کو فیلرس کہتے ہیں۔
یہ گاؤدم نہیں ہوتے۔ بلکہ شروع سے آخر تک یکساں
پتلے ہوتے ہیں۔ ان میں آم کے پتوں کی طرح چوڑی
اور چپٹے پنجے ہوتے ہیں۔ پاؤں کی لمبائی چالیس
پچاس فٹ ہوتی ہے۔ یہ البتہ سڈول ہوتے ہیں۔
ان دسوں ہاتھوں پیروں پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ
سے طشتری نما ہڈی کے ڈھانچے بنے ہوتے ہیں جن
کو سکرس کہتے ہیں (دیکھو شہسوار مچھلی کے حالات)
ان میں پکڑنے اور چمٹ جانے کی ایسی قوت ہوتی
ہے کہ جب ایک بار کسی چیز سے چمٹ جاتے ہیں تو
پھر کاٹے بغیر ان کا چھوڑانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہر
پاؤں کے سرے پر شیر کے ناخنوں کی طرح۔ لیکن
ان سے کہیں بڑے بڑے ناخن ہوتے ہیں۔ سر
تقریباً بارہ فٹ لمبا ہوتا ہے۔ اور سر کے پیچھے کوئی

پندرہ سولہ فٹ کا دھڑ لٹکتا رہتا ہے۔ اس جانور
کی طاقت کا یہ حال ہے کہ ایک بڑی اور انسانوں کی
بھری ہوئی کشتی کو پانی کی تہ میں کھینچ لے جاتا ہے
حیوانات کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے
بدوضع بدشکل اور خونی حیوان کا جواب زمین پر اگر کوئی
جانور ہو سکتا تھا تو وہ اُڑنے والی چھپکلیاں تھیں
خدا کا شکر ہے کہ اب اس طرح کے جانور خشکی میں
باقی نہیں رہے۔ اکٹوپس کی تمام قسمیں ایسی بڑی
نہیں ہوتیں۔ یہ گرم سمندر کی بعض بڑی قسموں کا
حال تھا۔ جو بیان کیا گیا، ٹھنڈے سمندروں
کے اکٹوپس بہت چھوٹے چھوٹے جانور ہیں سمندر
کے بالائی حصوں میں رہتے ہیں اور اکثر بڑی
مچھلیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بڑا اکٹوپس دن بھر
پہاڑوں کی آڑ میں چھپا بیٹھا رہتا ہے۔ اور کبھی
کبھی ایک پاؤں بڑھا کر تیرتے ہوئے کیکڑوں
اور مچھلیوں کو اندر کھینچ لیتا ہے۔ مگر رات کی ڈراونی
تاریکیوں میں یہ عفریت اپنے مقام سے شکار کے
لئے نکلتا ہے۔ اس کی آمد سے دریائی جانوروں
میں ایسی پریشانی اور بدحواسی پھیل جاتی ہے کہ چھوٹی
مچھلیاں ہیبت سے بڑی مچھلیوں کے مُنھ میں پناہ
لینے کے لئے گھس جاتی ہیں۔ اور بڑی مچھلیاں
اتنی بدحواس ہو جاتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی مچھلیوں
کو نوالہ بنانا تو درکنار خود اس جانور کے سامنے سے
بھاگنے کے بجائے مارے خوف کے اس کے
آگے تڑپنے لگتی ہیں۔ اکٹوپس اور کٹل فش کے
خوفناک ہاتھ پاؤں کے درمیان شکار کے آتے
ہی سکرس خون چوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ ناخن
گوشت نوچنے لگتے ہیں۔ اور چونچ ہڈیوں کو کُچلتی
جاتی ہے، چند منٹ میں شکار کی چند ٹوٹی پھوٹی
ہڈیوں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اگر یہ
جانور سمندر کی اوپری سطح تک آنے کی جرأت
کر سکتا تو پھر دریا میں انسان کے کھانے کے لئے
جھینگا مچھلی۔ کچھ نہ ملتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ آخر بڑے اکٹوپس اوپر آنے کی جرأت
کیوں نہیں کرتے۔ تم نے سُنا ہوگا۔ "ہر فرعونے
را موسیٰ" قدرت نے اس فرعون کے لئے بھی
ایک موسیٰ سمندر میں پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ
اسپرم ویل ہے۔ ہم نے اسے سمندر کا شہنشاہ
کہا تھا۔ اس کی حکومت کا زور اس موقع پر نظر
آتا ہے۔ اس خونی شہزادے کے آگے اکٹوپس
اور کٹل فش ایسے بھاگتے ہیں کہ دو دو اور تین
تین میل کی گہرائیوں میں ہی جا کے دم لیتے

ہیں۔ مگر یہ سمندری سلطان وہاں بھی جا
پہنچتا ہے اور ان دیوؤں کے گلوں میں گھس کر
ان کا شکار کرتا ہے۔ مسٹر مارک ٹی بلین امریکہ کا
ایک بڑا سائنس داں سیاح اور مصنف گزرا ہے
اس نے ایک آکٹوپس اور اسپرم ویل کی لڑائی
کی چشم دید (آنکھوں دیکھی) کیفیت بیان کی ہے
یہ کیفیت انگریزی زبان میں پڑھنے کے قابل
ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ویل نے اس عفریت کے
پرزے اُڑا دیئے۔ جتنا کھایا جا سکتا تھا کھایا
اور فاتحانہ شان سے تیرتا ہوا نکل گیا۔ جب سے
انسانوں نے ویل کو ہلاک کرنا شروع کیا ہے اُس
نے بھی گہرے سمندروں کی راہ لی ہے۔ اور ممکن
ہے آکٹوپس اور کٹل فش کا نشان بھی چند دن میں
مٹا دے۔ اسپرم ویل سے بچنے کے لئے خدا
نے ان جانوروں کو اچھا آلہ دے دیا ہے۔ ان کے
منہ میں کالی سیاہی سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہوتا ہے
یہی سیاہی جو مصوّر تصویر کشی کے وقت استعمال
کرتے اور جس کو "سیپیا" کہتے ہیں۔ یہ آکٹوپس۔
کٹل فش اور اسکوئڈ سے حاصل کی جاتی ہے، چونکہ
یہ جانور ہمیشہ پیٹھ کی طرف یعنی اُلٹا تیرتے ہیں اس
لئے بھاگتے ہوئے یہ کالی سیاہی پانی میں اس
طرح چھوڑتے جاتے ہیں کہ آس پاس کا سمندر
بالکل کالا اور تاریک (اندھیرا) ہو جاتا ہے۔
اور کسی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور اس اندھیرے
میں وہ اپنی جان بچا کر نکل جاتے ہیں۔

بہرام شاہ اور ایک فریادی

ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی کے لڑکے بہرام شاہ
نے ایک آدمی کو غور کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس نے وہاں
پہنچ کر لوگوں پر بڑے بڑے ظلم کرنا شروع کئے۔
ایک مرتبہ ایک شخص غور سے بہرام شاہ کے سامنے
فریادی بن کر آیا۔ اور اس حاکم کے ظلم کی تمام
داستاں سنائی۔ بہرام شاہ نے حکم دیا کہ حاکم کے
نام ایک فرمان[1] لکھ کر بھیج دیا جائے جس میں ظلم
سے باز رہنے اور رعایا سے نیک سلوک کرنے کی
تاکید کی جائے۔ چنانچہ فرمان لکھا گیا اور اُسی
فریادی کے ذریعہ بھیجا گیا۔ ظالم حاکم نے پڑھ کر
اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور جبراً اُس
شخص کو مار مار کر کھلائے۔ دوبارہ وہ شخص پھر فریادی
بن کر غزنی آیا۔ بہرام شاہ نے حکم دیا کہ اس مرتبہ
پہلے سے زیادہ بڑے کاغذ پر فرمان لکھ کر بھیجا جائے
چنانچہ فرمان نویس[2] نے ایک بڑا کاغذ اُٹھایا

[1] حکم [2] حکم لکھنے والا۔

فریادی نے کہا خدا کے لئے ایک پرزے پر لکھ دو کیونکہ پہلے فرمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زبردستی کھلا چکا ہے۔ شاید اب کے بھی ایسا ہی کرے بہرام ہنسا، فریادی نے کہا کہ اگر حضور کی طبیعت میں ذرا بھی بادشاہی عزت ہے تو ہنسنا کیسا۔ سلطانی فرمان کی بے ادبی پر رونا چاہیئے۔ اس بات نے بہرام پر بہت اثر کیا اور کہا کہ اے غوری جب تک اُس ظالم سے بدلہ نہ لے لونگا مجھ پر کھانا پینا حرام ہے۔ یہ کہہ کر اور ایک تاو ارسے کر اپنا گھوڑا غور کی سڑک پر ڈال دیا۔ اور کہا کہ ہم شکار کے لئے جاتے ہیں، ہمارے خاص لشکر کو چاہیئے کہ آج ہی غور کی طرف روانہ ہو جائے جب بادشاہ غور کے قریب پہنچا تو وہی حاکم استقبال کے لئے آیا۔ اور فریادی کو ساتھ دیکھ کر کانپ اُٹھا۔ گھبراہٹ میں معافی کی اُمید سے رکاب کو بوسہ دینے لگا۔ بہرام نے فوراً گرفتار کر لیا۔ اور قسم کھائی کہ جب تک تجھ کو سزا نہ دے لوں گا، گھوڑے سے نہ اُتروں گا۔ آخرکار شاہی حکم سے جست پگھلایا گیا اور جلتا ہوا اُس ظالم کے حلق میں ڈال دیا گیا۔ پھر بہرام نے کہا جو آدمی فرمان شاہی کی بے ادبی کرے اور رعایا پر ظلم کرے اس کی یہی سزا ہے۔ اس کے بعد بہرام نے کسی عادل آدمی کو غور کی حکومت پر مقرر کیا۔ اور فریادی کو معقول انعام دے کر رخصت کیا۔

(سید مسعود علی ترمذی۔ بھوپال طالب علم درجہ ہفتم الگزنڈرا ہائی اسکول)

لطیفے

شریر لڑکا: "میاں تانگے والے تم مجھے گھر کتنے میں پہنچا دو گے؟"

تانگہ والا: "جناب چھ آنے میں"

لڑکا: "اور اس اسباب کا کیا لو گے؟"

تانگہ والا۔ کچھ نہیں۔

لڑکا۔ تو اچھا میرا یہ سامان میرے گھر پہنچا دیں خود پیدل آ جاؤں گا۔

سپاہی۔ حضور دشمن کا جہاز اب قریب آ رہا ہے

افسر۔ تو گولی چلاؤ۔

سپاہی۔ مگر ابھی وہ اتنی دور ہے کہ گولی صرف آدھے راستہ تک پہنچے گی۔

افسر۔ تو پھر دو گولیاں چلاؤ۔

(محمد احمد سبزواری۔ بھوپال)

۵ل منصف۔ انصاف کرنے والا۔

بے وفا دوست

پہلا منظر

(ایک خوبصورت جزیرے کے پورب کی طرف عین دریا کے کنارے ایک انجیر کا گھنا درخت ہے۔ دریا کا پانی آہستہ آہستہ بہ رہا ہے۔ درخت کی کنارے والی شاخ پر ایک بہت بڑا مگر دُبلا پتلا بندر انجیر توڑ توڑ کر کھا رہا ہے۔ اتفاق سے ایک انجیر بندر کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گر پڑا۔ ٹپ سے گرنے کی آواز بندر کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ اُس نے ایک انجیر اور پانی میں ڈالا۔ اس طرح اس نے کئی انجیر توڑ توڑ پانی میں گرائے۔ ایک کچھوا کہیں سے ٹہلتا ہوا اُدھر آنکلا اور پانی میں گرے ہوئے انجیروں کو کھانے لگا۔ درخت پر بندر کو دیکھ کر کچھوے کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس سے دوستی کرنی چاہئے۔ روزانہ انجیر کھانے کو ملیں گے اور لُطف سے کٹے گی۔)

(یہ سوچ کر اس نے بندر کو آواز دی۔)

کچھوا۔ کہو بھائی مزاج تو اچھا ہے۔

بندر۔ خدا کا شکر ہے۔ کسی نہ کسی طرح عمر کٹ ہی جاتی ہے۔ آج تم اِدھر کیسے نکل آئے

کچھوا۔ میں کبھی کبھی اِدھر سیر تماشہ کے لئے نکل آیا کرتا ہوں۔ پہلے اس درخت پر کوئی نہیں رہتا تھا۔ مگر آج پہلی مرتبہ تم کو دیکھتا ہوں۔

بندر۔ بیشک مجھے تو یہاں آئے ہوئے صرف تین دن ہوئے ہیں۔ اب سے پہلے میں قریب کے جنگل کے بندروں کا بادشاہ تھا۔ اب میں بڑھاپے کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ اور اُچھل کود کی طاقت نہ رہی۔ جنگل کے نوجوان بندروں نے مجھے نکال باہر کیا ہے۔ اس لئے یہاں پناہ لی ہے یہ جگہ مجھے اچھی معلوم ہوئی اب یہیں رہنے کا

ارادہ کرلیا ہے۔

کچھوا۔ مجھے تمھارے حالات سُن کر تم سے بہت ہمدردی پیدا ہوگئی ہے۔ اور میں تمھارا شکر گذار ہوں کہ مجھے بھی انجیر کھلائے۔

بندر۔ بھائی میں بھی تمھاری ملاقات سے خوش ہوا۔ تنہائی میں طبیعت گھبراتی تھی۔

کچھوا۔ میری رائے ہے کہ ہم دونوں آپس میں دوستی کرلیں۔ اور مِل جُل کر رہا کریں۔ ایک دوسرے کے درد دُکھ میں ساتھ دیں۔

بندر۔ مجھے کیا عذر ہوسکتا ہے۔ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔

دونوں کا آپس میں عہد و پیمان ہوتا ہے اور اسی جگہ رہ پڑتے ہیں۔ بندر کچھوے کو روزانہ انجیر توڑ کر کھلاتا ہے یہاں تک کہ کچھوا اپنے گھر اور بیوی بچوں کو بھول جاتا ہے۔

دوسرا منظر

کچھوے کی مادہ اور بچے اس کی جدائی سے سخت پریشان ہیں اور انتظار کرتے کرتے نا اُمید ہوکر بیٹھ رہے ہیں۔ ایک دن کچھوے کی مادہ کی ایک سہیلی آتی ہے۔ اور دونوں میں باتیں ہوتی ہیں۔

سہیلی۔ کہو بہن کچھوے کی کچھ خبر تمھیں بھی معلوم ہوئی

کچھوے کی مادہ۔ آپا کیا تمھیں کچھ حال معلوم ہوا ہے بہن میں تو نا اُمید ہوکر بیٹھ رہی تھی۔

سہیلی۔ ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نے کسی بندر سے دوستی کرلی ہے۔ اور دونوں اُس پار دریا کے کنارے رہتے ہیں۔ کچھوے کا وہاں اس قدر جی لگ گیا ہے کہ بندر کو چھوڑ کر آنا نہیں چاہتا۔

مادہ۔ پھر تو اس کا پتہ لگنا نہ لگنا دونوں برابر ہیں

سہیلی۔ نہیں سنو۔ میں تمھیں ایک ترکیب بتاتی ہوں تم اپنے کو قصداً بیمار بنالو۔ میں اس کے پاس خبر کہلا بھیجوں گی کہ تیری مادہ سخت بیمار ہے۔ آخری بار دیکھنا ہے تو دیکھ جائے۔ اس طرح اُمید ہے کہ وہ ضرور آجائیگا۔

مادہ۔ آخر میں کب تک بیمار بنی رہوں گی۔ فرض کرو وہ آیا۔ اور ایک آدھ دن رہ کر پھر وہیں چلا گیا۔ تو اس سے کیا فائدہ

سہیلی۔ تو کیوں وہم کرتی ہے اطمینان رکھ میں اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی چال چلوں گی۔

تیسرا منظر

سہیلی کچھوے کے پاس اس کی مادہ کی سخت بیماری کی خبر کہلا بھیجتی ہے۔ کچھوا بڑی مشکل سے بندر سے دو دن کی اجازت لے کر آتا ہے۔ اس کی مادہ

نزع کی سی حالت بنائے پڑی ہے۔ سہیلی کچھوے سے کہہ رہی ہے۔)

سہیلی۔ کوئی بیوی بچوں کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے یہ اب ایک آدھ روز کی مہمان اور ہے۔ تو اگر پہلے سے ہوتا تو دوا علاج وغیرہ کراتا۔

کچھوا رنجیدہ ہو کر پوچھتا ہے کیا اب کوئی صورت اس کے بچنے کی نہیں نکل سکتی۔

سہیلی۔ بیماری بہت سخت ہے۔ مگر کل مجھے ایک حکیم نے ایک دوا بتائی ہے۔ اس کے استعمال سے جان بچنے کی اُمید ہے۔ مگر اس کا ملنا تو مشکل ہے

کچھوا۔ تو مجھے بتا تو۔ جہاں ملے گی میں تلاش کروں گا

سہیلی۔ وہ دوا بندر کا دل ہے۔ اس کے خون کی مالش سے اس کی جان بچ سکتی ہے۔

(کچھوا انتہائی کش مکش اور سوچ میں پڑ جاتا ہے دل میں کہتا ہے۔ بندر میرا اچھا دوست ہے اگر اس کی جان مار کر دل حاصل کیا جائے تو کتنی بے وفائی اور بد عہدی ہوگی۔ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ پھر سوچتا ہے اگر ایسا نہیں کرتا ہوں تو بیوی کی جان جاتی ہے۔ پھر بچوں کو کون پالے گا۔ آخر یہ بھی مرکھپ جائیں گے۔ اس طرح تو کئی ایک کی جان جائیگی۔ آخر بہت پس و پیش کے بعد یہ

طے کرتا ہے کہ بندر کی اکیلی جان لینے سے کئی جانیں بچتی ہیں۔ بڈھا تو ہو ہی گیا ہے کچھ دنوں بعد یوں بھی مرجائے گا۔ کیوں نہ میرے کام آئے۔ جاکر اس کو بلالاؤں۔ پھر یہاں سب اس کا دل نکال لیں گے۔ کچھوا اپنے گھر سے بندر کی طرف روانہ ہوتا ہے۔)

چوتھا منظر

(بندر درخت پر بیٹھا ہوا اپنے دوست کا انتظار کر رہا ہے۔ دُور سے کچھوے کو آتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اس کی اور اس کے بال بچوں کی خیریت پوچھتا ہے۔)

کچھوا کہتا ہے کیا بتاؤں۔ میری مادہ کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ میرا ارادہ ابھی آنے کا نہ تھا۔ مگر تیری محبت کھینچ لائی۔ اب میں پھر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر بغیر تیرے وہاں میری زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ اس لئے اگر تو بھی میرے ساتھ چلے تو عین مہربانی ہوگی۔

بندر کہتا ہے میں نے عہد کر لیا تھا کہ اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤنگا۔ مگر خیر تجھ جیسے دوست کی بات کو ٹال بھی نہیں سکتا۔ اچھا یہ تو بتا تو تو دریا میں تیر کر نکل جائے گا میں کیسے چلوں

کچھوا۔ میری پیٹھ پر سوار ہو لے تجھے بھی نکال لے چلوں گا۔

بندر کچھوے کی پیٹھ پر سوار ہو لیتا ہے۔ کچھوا دریا میں تیرتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ چلتے چلتے دریا کے بیچ دھارے میں پہنچ کر کچھوا ذرا ٹھٹھک جاتا ہے۔ اور کچھ سوچنے لگتا ہے۔ کچھ دور چل کر پھر رُک جاتا ہے۔ دوست کے ساتھ بے وفائی کا خیال کر کے اپنے اوپر ملامت کرتا ہے۔ پھر دوسرے پہلو کو سوچ کر اپنی تسلی کر لیتا ہے۔

بندر کو فکر پیدا ہوئی کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے کچھوے کے رُک رُک کر چلنے میں کچھ بھید معلوم ہوتا ہے۔

بندر پوچھتا ہے یہ رُک رُک کر چلنا کیسا کوئی فکر ہو تو مجھ سے بھی کہہ، شاید میں تیری مشکل دُور کر سکوں۔

کچھوا۔ کچھ نہیں۔ مادہ کی بیماری کا خیال آ گیا تھا۔

بندر۔ نہیں نہیں کوئی اور بات ہے۔ آخر مجھ سے دل کی بات بتانے میں کیا عذر ہے۔

کچھوا۔ رُک رُک کر کہتا ہے۔ بھائی کہنے کی بات نہیں ہے۔ مگر بتائے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ میری مادہ کے مرض کا علاج ایک حکیم نے بندر کا دل بتایا ہے۔ دراصل میں تجھے اس غرض کے لئے لے جا رہا ہوں۔ مگر رہ رہ کر دوستی کا خیال آ جاتا ہے۔

بندر چکرا تا ہے۔ دل میں پیچ و تاب کھا کر سنجیدگی سے کہتا ہے۔ " بھائی میں تیرے لئے جان تک دینے کو تیار ہوں۔ دل کیا چیز ہے۔ تو کیوں پریشان ہو رہا ہے۔ مگر افسوس تو نے چلتے وقت مجھے نہ بتایا۔ ورنہ میں اپنا دل ساتھ ہی لے آتا۔ ہماری قوم میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کہیں باہر کسی دوست کے یہاں جاتے ہیں، تو اپنا دل گھر ہی پر چھوڑ آتے ہیں چہ چہ جلدی واپس چل میں اپنا دل درخت پر سے اُٹھا لاؤں۔

یہ سنتے ہی بیوقوف کچھوا واپس ہوتا ہے۔ کنارے پر پہنچتے ہی بندر جھٹ اُچھل کر درخت پر چڑھ جاتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔

کچھ دیر انتظار کے بعد کچھوا پکارتا ہے۔ بھائی جلدی آ دیر ہو رہی ہے۔

بندر کہتا ہے ابے چل دُور ہو میں نے عمر بھر بندروں پر حکومت کی ہے خدا نے بڑی خیر کی کہ میں تیرے پھندے سے بچ کر نکل آیا۔ بیوقوف کیا تو اب بھی یہ اُمید رکھتا ہے کہ میں تجھ جیسے بیوفا اور کمینے کے ساتھ دوستی برقرار رکھوں گا۔" چلا ہے وہاں سے بندر کا دل لینے"

کچھوا اپنا سا منھ لیکر رہ جاتا ہے۔

(احسن سعید سرانوی۔ ناظم مسلم لائبریری)

عقل مندی

خلیفہ ہارون رشید کو تو تم ضرور جانتے ہوگے۔ یہ مسلمانوں کا بڑا مشہور خلیفہ گزرا ہے۔ یہ خلیفہ اپنے لڑکوں میں مامون کو امین سے زیادہ چاہتا تھا ایک دفعہ امین کی ماں زبیدہ نے اس بات کی خلیفہ سے شکایت کی، تب خلیفہ نے دو غلاموں کو بُلواکر ان دونوں کے پاس بھیج دیا۔ اور ان کو سمجھا دیا کہ تم باتوں باتوں میں ان سے پوچھنا کہ آپ جب خلیفہ ہو جائیں گے تو ہمیں کیا دیں گے چنانچہ دونوں غلاموں نے دونوں کے پاس جاکر ایسا ہی سوال کیا امین نے غلام سے کہا کہ میں تجھے جاگیر دونگا مگر مامون نے یہ سنتے ہی دوات پھینک ماری اور کہا بدذات کیا تو امیر المومنین (خلیفہ کا لقب) کا بُرا چاہتا ہے میری تو آرزو ہی کہ ہم سب خلیفہ پر فدا ہو جائیں، زبیدہ نے جب دونوں بھائیوں کی باتیں سنیں تو دم بخود رہ گئی۔

بہرا پن

انسان بہرے پن کی وجہ سے بہت مجبور ہو جاتا ہے کھیت کی کہو تو کھلیان کی سُنتا ہے اور جواب بھی ویسا ہی بے تکا دیتا ہے۔ اس وقت ایک بہرے کا دلچسپ قصہ یاد آگیا۔ جو پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

کسی گاؤں میں ایک لڑکا عباس رہتا تھا اس کا ایک دوست حبیب نامی تھا۔ یہ بے چارہ بہرا تھا۔ ان دونوں میں اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی جہاں جاتے ساتھ جاتے۔ کھیلتے بھی، تو مِل کر کھیلتے۔ غرض دونوں میں بڑا اتحاد و اتفاق تھا۔

اتفاق سے ایک بار عباس بیمار ہو گیا اور کئی دن تک گھر سے نہیں نکلا تو حبیب (بہرا) اپنے دوست کا مزاج پوچھنے کے لئے گھر سے نکلا وہ راستہ میں سوچتا جاتا تھا کہ عباس کے گھر پُہنچ کر پہلے میں سلام کرونگا۔ پھر مزاج پوچھونگا وہ کہے گا اب آرام ہے۔ تو میں کہونگا الحمدللہ پھر پوچھونگا کہ کھانے کیا ہیں وہ کہے گا دودھ چاول میں کہونگا " خدا نصیب کرے۔ پھر پوچھوں گا

علاج کس کا ہو رہا ہے۔ وہ کسی حکیم کا نام بتلائے گا
تو میں کہوں گا خدا راس لائے۔ غرض وہ انھیں
منصوبوں میں تھا کہ عباس کا گھر آگیا۔ جاکر سلام
کیا اور قریب بیٹھ گیا۔
حبیب (عباس سے جو چارپائی پر بیمار پڑا تھا)
"کہیئے مزاج کیسا ہے؟"
عباس :- "بخار کھانسی میں مر رہا ہوں"
حبیب :- "الحمدللہ" (یعنی اللہ کا شکر ہے)
عباس بے چارہ تکلیف سے پریشان تھا
یہ سن کر بہت جھنجھلایا۔
حبیب :- آج کل کھاتے کیا ہیں۔
عباس (جل بھن کر) "خاک"
حبیب :- "خدا نصیب کرے"
(عباس کو اور بھی تاؤ آیا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا
مگر چپ ہو گیا۔)
حبیب :- "اچھا یہ تو فرمائیے علاج کس حکیم کا ہے"
عباس :- (غصہ میں لال پیلا ہو کر) "عزرائیل کا"
حبیب :- "خدا راس لائے"
اب پیام بھائی خود ہی اندازہ لگالیں کہ اس جواب
کو سن کر عباس کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔

(محمد غوث حیدرآبادی)

ورزش

ورزش سے صحت اچھی رہتی ہے۔ جو لڑکے ورزش
کرتے رہتے ہیں اور جن کی تندرستی اچھی ہو وہ
ہر قسم کے کام کر سکتے ہیں۔ پڑھنا لکھنا کھیلنا
کودنا سب ہی کچھ۔
جن لڑکوں کی صحت اچھی نہیں ہوتی وہ
ہمیشہ کسی نہ کسی مرض کا شکار رہتے ہیں طبیعت
چڑچڑی رہتی ہے نہ پڑھنے لکھنے کو جی چاہتا ہے، نہ
کوئی اور کام کرنے کو۔ ایسے لڑکوں کو ضرور
ورزش کرنی چاہئے۔
میں آپ کو ایک آسان ورزش بتاتا ہوں جس سے
صحت اچھی رہ سکتی ہے۔
صبح سویرے اٹھو اور قریب کے کسی باغ میں یا کھلی جگہ
میں چلے جاؤ، وہاں جاکر کچھ فاصلہ مقرر کرلو پچیس گز یا
اس سے زیادہ اس فاصلہ پر دوڑ لگاؤ۔ سانس پھول جائے
تو ایک جگہ کھڑے ہو کر لمبی لمبی سانس ناک کے راستہ لو منھ کے
راستے نکال دو، جب اچھی طرح دم آجائے تو واپس گھر
کو آجاؤ۔ اس طرح ہر روز آدھ گھنٹہ صبح کے وقت کیا
کرو۔ تھوڑے ہی دنوں میں تم دیکھو گے کہ تمھاری
صحت پہلے سے کتنی اچھی ہو گئی ہے۔ (رشید الدین)

افریقہ کے چند جانور

افریقہ کے متعلق تم نے جغرافیہ میں پڑھا ہوگا یہاں کے ایک بہادر لڑکے کا قصہ تھوڑے ہی دن ہوئے تم پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو۔ افریقہ ایک بہت بڑا براعظم ہے۔ اور اس کا بہت بڑا حصہ رتیلا میدان ہے جسے صحرائے اعظم کہتے ہیں۔ ہاں بیچ میں دریائے کانگو کے قریب گھنے جنگل ہیں جن میں شیر ہاتھی۔ شتر مرغ۔ بن مانس سگ بون۔ تیندوا۔ زیبرا زرافہ۔ مگرمچھ۔ سانپ، اور دوسرے سینگڑوں قسم کے جنگلی اور زہریلے جانور رہتے ہیں۔ اس جنگل کے بعض حصے تو ایسے ہیں کہ وہاں اب تک کسی مہذب ملک کے آدمی کا گذر نہیں ہوا ہے۔ صرف وہیں کے وحشی قبیلے بنٹو۔ زولو وغیرہ رہتے ہیں یہ وہاں کے راستے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی دوسرا شخص ان جنگلوں میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ آج ہم پیام بھائیوں کی دلچسپی کے لئے وہاں کے چند مشہور جانوروں کا حال لکھتے ہیں۔

۱۔ شتر مرغ:۔ تم کسی چڑیا گھر میں گئے ہوگے تو اس عجیب وغریب جانور کو بڑی شان سے ٹہلتے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ مگر یہ بھی معلوم ہے کہ یہ رہتا کہاں ہے؟ یہ جناب صحرائے اعظم کے ریتیلے میدانوں، لبنان۔ دریائے نیل اور دریائے کانگو کے قریب رہتا ہے رہنے کے لئے اسے وہ جگہ زیادہ پسند ہے جہاں کھلا ہوا میدان، اور پانی قریب ہو۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہے اس کی ٹانگیں بہت اونچی اور گردن لمبی ہوتی ہے۔ آنکھیں چھوٹی اور چمکیلی اور بازو قد کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ جانور اڑ نہیں سکتا۔ یہ آٹھ سے بارہ فٹ تک
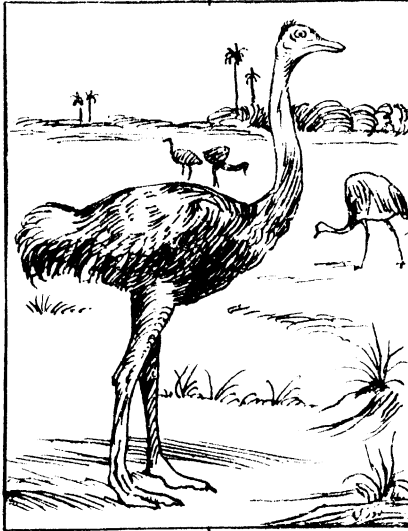
لمبا ہوتا ہے۔ اور وزن تقریباً ۱۲۵ پونڈ ہوتا ہے۔

شترمرغ چھوٹے چھوٹے جھنڈوں میں رہتے ہیں۔ ان کی خاص غذا پودے اور گھاس ہے مگر یہ چھوٹے چھوٹے پرندے اور رینگنے والے جانور بھی چٹ کر جاتے ہیں۔ شترمرغ بڑا حبشی مشہور ہے۔ چنانچہ مختلف چڑیا گھروں کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوہے۔ مرغی کے بچے اور چڑیاں وغیرہ بڑے شوق سے کھاتا ہے۔ ایک بار ایک چڑیا گھر میں ایک شترمرغ کے مرنے کے بعد اس کا پیٹ چیرا گیا تو اس میں سے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، کوڑیاں۔ سکے، کنجیوں کے گچھے، دھات اور لکڑی کے ٹکڑے نکلے۔

یہ عام طور پر صبح کو ناشتہ کر لیتا ہے اور دوپہر کو یا تو آرام کرتا ہے یا کھیلتا پھرتا ہے۔ شام کو کچھ کھا پی کر آرام کرنے چلا جاتا ہے۔

یہ بھاگتا بہت تیز ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ دس پندرہ فٹ تک چھلانگ مار سکتا ہے۔ اس لئے اس کا شکار کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کی ہوشیاری کا تم اس سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ اکثر زیبرا کے ساتھ رہتا ہے' اس لئے کہ اگر کوئی خطرہ ہو تو زیبرا پہلے ہی سمجھ جاتا ہے اور بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ شترمرغ بھی اُسی بھاگتے دیکھ کر نوک دُم بھاگتا ہے۔ عرب لوگ اس کا شکار کھیلنے میں خوب ماہر ہیں۔ آٹھ دس آدمی اچھے اور خوب تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اور اتنا دوڑاتے ہیں کہ شترمرغ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ اور تیر مار کر گرا دیتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی وہ اتنا تیز دوڑتا ہے کہ میلوں آگے نکل جاتا ہے۔ اور گھوڑے تھک کر رہ جاتے ہیں۔

شترمرغ انڈے دیتا ہے۔ اس کا ایک انڈا تقریباً مرغی کے چوبیس انڈوں کی برابر ہوتا ہے مادہ انڈے دے کر بے فکر ہو جاتی ہے۔ اب نر دن کے وقت انھیں ریت میں دبا دیتا ہے۔ اور رات کو خود سیتا ہے۔ چھ ہفتے کے بعد بچے نکل آتے ہیں

اس کے پر بہت قیمتی ہوتے ہیں اسی لئے اسے پالا بھی جاتا ہے۔ پالنے کے لئے یا تو چھوٹے چھوٹے بچے پکڑ لیتے ہیں۔ یا پھر انڈوں سے بچے نکالتے ہیں۔ پالتو شترمرغ کو ایک احاطہ میں چاروں طرف تار لگا کر چھوڑ دیتے ہیں اور یہ اس

میں بہت آزادی کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے۔
سال میں دو مرتبہ پر کاٹ کر بیچے جاتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جنگلی شتر مرغ کے پر زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ پر زیادہ تر شکار ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔

(محمد احمد سبزداری۔ بھوپال)

لالچ

ایک دفعہ تین ساتھی کسی جنگل میں سفر کر رہے تھے۔ کہ ایک جگہ انھیں ایک تھیلی روپوں کی بھری ہوئی پڑی ملی۔ وہ وہیں ٹھہر گئے اور کہنے لگے کہ پہلے اپنی بھوک مٹالیں، بعد میں اس دولت کو آپس میں تقسیم کریں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک کھانا خریدنے شہر کو گیا۔

اس کے جانے پر ان دونوں ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب وہ شخص کھانا لے کر آئے ہم اسے قتل کردیں۔ اس طرح سے یہ دولت ہم دونوں میں آسانی سے تقسیم ہو جائے گی۔ اور ہر ایک کا حصہ بھی بڑھ جائیگا۔

ادھر تیسرے ساتھی نے بھی اپنے دل میں سوچا کہ میں ان دونوں کے کھانے میں زہر ملادوں۔ جب وہ کھائیں گے تو مرجائیں گے اور دولت کا مالک میں اکیلا رہ جاؤنگا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور زہروالا کھانا لے کر جنگل کی طرف گیا۔

جوں ہی وہ کھانا لے کر ان دونوں کے پاس جنگل میں پہنچا ان دونوں نے اسے قتل کر دیا۔ اور خود کھانا کھانے بیٹھے۔ چونکہ کھانے میں زہر ملا ہوا تھا۔ وہ بھی تھوڑی ہی دیر میں مر گئے۔ اس طرح لالچ نے ان تینوں کا کام تمام کیا جہاں تک ہوسکے لالچ سے بچے ہی رہنا چاہیے۔ ورنہ بعض دفعہ یہ ہلاکت کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔

(محمد رشید الدین۔ لاہور)

کُتّا

دیکھو کُتّا کیسا وفادار جانور ہے۔ اپنے مالک کو دیکھ کر کیسا خوش ہوتا اور پیچھے پیچھے دُم ہلاتا پھرتا ہے۔ مالک جب کہیں باہر سے آکر گھر میں قدم رکھتا ہے تو خوب ہی اُچھلتا کودتا اور مالک کے پیروں میں لوٹتا ہے۔ رات کو مالک تو پاؤں پھیلا کر آرام سے سوتا ہے۔ مگر یہ اُس کے پاس بیٹھا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ ذرا کھٹکا ہوا اور یہ چونکتا ہوا اور بھونکا۔ کیسا ہی چوکیدار ہو کُتّے کی طرح مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ چوکیداری نہیں کرسکتا۔ چاہے مالک کے پاس اُسے کِھلانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو مگر کُتّا اپنی وفاداری پر برابر قائم رہتا ہے۔ بھوک، پیاس، اور ہر قسم کی سختیاں وہ خوشی اور صبر کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ مگر اپنے مالک سے جدائی ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ اپنے مالک کے رنج اور دُکھ میں شریک اور مُصیبت میں حصّہ لینے والا صرف کُتّا ہی ہے۔
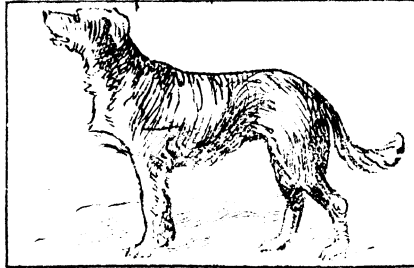
پھر لُطف یہ کہ مالک اُس پر چاہے کیسی سختی کرے اور اُسے کیسی ہی تکلیف دے، مگر پھر جب مالک کو دیکھتا ہے تو پھولا نہیں سماتا

اگرچہ کُتّے کی سینکڑوں قسمیں ہیں، مگر یہ خوبیاں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ قسم کے کُتّے میں بھی پائی جاتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ خوبیاں آدمیوں میں بھی بہت کم پائی جاتی ہیں۔ صبر و شکر۔ وفاداری محبّت اور ہمدردی یہ وہ خوبیاں ہیں جو انسان کو اس ذلیل اور ناپاک کُتّے سے سیکھنا لازم ہیں۔

اکثر ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کُتّے نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے مالک کی جان بچائی ہے۔ میرے مکان کے قریب ہی ایک صاحب رہتے تھے۔ تیرنے کا اُنھیں بہت شوق تھا۔ لکھنؤ میں وہ ملازم تھے اور وہاں دریائے گومتی میں اکثر تیرنے جایا کرتے تھے۔ ایک کُتّا اُنھوں نے پال رکھا تھا۔ جب وہ تیرنے جایا

کرتے تھے تو وہ کُتّا بھی اُن کے ساتھ جایا کرتا
تھا۔ اور جب تک وہ تیرتے وہ کُتّا دریا کے کنارے
بیٹھا اُن کے کپڑوں کی حفاظت کیا کرتا تھا ایک
دن جب وہ تیر رہے تھے تو اتفاق سے دریا
کے ایک گہرے گڑھے میں پھنس گئے۔ اُنھوں
نے بہت ہاتھ پاؤں چلائے۔ مگر اُس گڑھے سے
نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ڈوبنے میں کوئی
کسر باقی نہ تھی۔ کُتّے نے جو یہ دیکھا بجلی کی طرح
پانی میں کود پڑا۔ اور اپنے مالک کا لنگوٹ جو وہ
اُس وقت باندھے ہوئے تھے دانتوں میں مضبوطی
سے پکڑ کر کنارے پر کھینچ لایا۔ اگر اس وقت کُتّا
اُن کی جان نہ بچاتا۔ تو کوئی صورت اُن کی جان
بچنے کی نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اُس روز سے وہ
کُتّے کی بڑی خاطر اور قدر کرتے تھے۔ جب وہ
کُتّا مر گیا تو وہ کہتے تھے کہ اُنھیں اس کا اسی
قدر صدمہ اور رنج ہوا کہ جس قدر ایک قابل اور
لائق بیٹے کے مرجانے پر ماں باپ کو ہوتا ہے
اور اب بھی جب کبھی وہ اس کا ذکر کرتے ہیں تو
اُن کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں۔

میں نے بھی ایک کُتّا پال رکھا ہے۔
موتی اُس کا نام ہے۔ رنگ بالکل سفید اور قد
درمیانہ ہے۔ یعنی نہ تو بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بہت
ہی چالاک اور مسخرا کُتّا ہے۔ بچّے اکثر سڑک پر
گیند اور گلّی ڈنڈا وغیرہ کھیلتے رہتے ہیں وہ ایک
طرف کھڑا چُپ چاپ دیکھتا رہتا ہے۔ جیسے
ہی موقع پاتا ہے اُن کی گلّی یا گیند منھ میں دبا
میرے پاس دوڑ کر چلا آتا ہے۔ بچّے اس کے
پیچھے پیچھے بھاگ کر آتے ہیں اور مُجھ سے فریاد
کرتے ہیں۔ میں اُن کی چیز دے دیتا ہوں اور
اُن سے یہ کہہ دیتا ہوں کہ موتی کا یہ مطلب ہے
کہ تم دن بھر اس طرح کھیل کر اپنا قیمتی وقت ضائع
نہ کرو پڑھا لکھا بھی کرو۔

بسکٹ کھانے کا بہت شوقین ہے، صبح
کے وقت اکثر آدمی بازار سے بسکٹ لاتے ہیں
جس شخص کے ہاتھ میں بسکٹ دیکھتا ہے چُپکے
سے اُس کے پیچھے ہولیتا ہے۔ اور کچھ دُور چل کر
اُس آدمی کے ہاتھ سے بسکٹ چھین یہ جا وہ جا
بیچارہ وہ آدمی چیختا چلاّتا رہ جاتا ہے۔ اگر مجھے
یہ معلوم ہوجاتا ہے تو اُس آدمی کو بسکٹ کی
قیمت دے دیتا ہوں۔ اکثر مٹھائی بیچنے والے
ہمارے کوچے (گلی) میں آتے ہیں۔ مگر جب
تک موتی اُن سے ٹیکس وصول نہیں کر لیتا

اُنھیں کوچے میں نہیں گھسنے دیتا۔ جب وہ اُسے پہلے ہی کچھ کھلا پلا دیتے ہیں تو پھر ان سے کچھ نہیں بولتا۔ ایک گائے بھی ہم نے پال رکھی ہے اُس سے موتی کی بڑی گہری دوستی ہے۔ بسکٹ یا اور جو چیز اِدھر اُدھر سے چھین جھپٹ کر لاتا ہے اُس میں سے آدھی خود کھاتا ہے اور آدھی اُس گائے کو کھلاتا ہے۔ رات کو بھی اُسی کے پاس بیٹھا اور لیٹا رہتا ہے۔ رات کو دس بجے کے بعد پھر بھلا مجال ہے کہ سوائے اُن لوگوں کے جو ہمارے کوچہ میں رہتے ہیں کوئی غیر شخص قدم رکھ لے۔ جہاں کسی غیر آدمی نے قدم رکھا یا ذرا کچھ کھٹکا ہوا تو اس قدر بھونکتا ہے کہ تمام کوچے کو اپنے سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ مُنھ چڑھانے سے موتی بہت

ناراض ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ کوئی اس کا مُنھ چڑھا دے۔ بس پھر ہمیشہ کے لئے اُس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ جب میں کہیں جاتا ہوں تو چُپکے سے میرے پیچھے ہو لیتا ہے۔ مجھے خبر بھی نہیں ہوتی۔ کچھ دُور جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ مسٹر موتی بھی پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ اگر اُسے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں تو خیر ورنہ اُس سے کہہ دیتا ہوں کہ جاؤ موتی گھر واپس جاؤ۔ اتنا سنتے ہی وہ گھر کو لوٹ جاتا ہے۔ کُتّا کیا ہے پورا "جوکر" (مسخرہ) ہے۔ بڑا ہی ہوشیار اور مسخرہ کُتّا ہے۔ اور مجھے بہت ہی پیارا ہے

(مسعود علی

مسعود لاج۔ شہر میرٹھ)

ورزش اچھی چیز ہے

ایک شخص ایک عجیب وغریب چیز اپنے ملک کے بادشاہ کے پاس لے گیا، یہ اناج کا ایک دانہ تھا، جو مُرغی کے ایک انڈے کی برابر تھا۔ اس نے یہ عجیب وغریب چیز بہت بڑی قیمت لے کر بادشاہ کے ہاتھ بیچی۔ بادشاہ نے حکومت کے تمام عہدہ داروں کو بُلا کر وہ اناج دکھایا۔ اور کہا کہ اس کی تحقیق کریں۔ سبھوں نے بڑی بڑی کتابیں دیکھ ڈالیں۔ لیکن کوئی بھی یہ معلوم نہ کر سکا کہ یہ اناج کہاں پیدا ہوتا ہے۔ آخر کار سب کے سب بادشاہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ اور یہ عرض کیا کہ کسان اُس کے متعلق بہتر جانتے ہیں۔ آپ اُن سے دریافت کریں۔

بادشاہ کے حکم سے ایک کسان بہت بوڑھا کم زور اور لنگڑا، کمر جھکی ہوئی دو لاٹھیوں کے سہارے بادشاہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے اناج دکھایا۔ بوڑھے آدمی نے بمشکل تمام اُس کو ہاتھ میں لیا۔ اور جیسے ہی آنکھوں کے قریب لایا تھا کہ وہ اناج زمین پر آرہا

بادشاہ نے پوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ اناج کہاں اُگتا اور پیدا ہوتا ہے۔ یا تم نے کہیں اُس کے متعلق کچھ سنا ہے" بوڑھا اپنی کمزوری کی وجہ سے بڑی دیر میں سمجھا اور جواب دیا "کہ میں نے ایسا اناج نہ کہیں بویا اور نہ کچھ اُس کے متعلق کہیں سنا۔ البتہ میرے باپ کو شاید کچھ معلوم ہو آپ اُن سے پوچھیں"

بادشاہ نے اُس کسان کو بلایا۔ وہ اس سے زیادہ طاقت ور اور چُست تھا۔ اور دیکھنے اور سننے کی طاقت بھی بہت ہی ٹھیک تھی۔

بادشاہ نے وہ اناج اُس کو دیا اور اُس نے اُسے غور سے دیکھا۔ اُس شخص سے بھی وہی سوال کیا گیا۔ جو اُس کے بیٹے سے کیا گیا تھا۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ یہ چیز تو ہم نے نہیں دیکھی۔ اور میرے زمانے میں خریدنا اور بیچنا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ روپیہ پیسہ کا معاملہ ہمارے زمانہ میں نہیں تھا۔ البتہ میں نے اپنے باپ کو ایک مرتبہ کہتے سنا تھا کہ اُن کے زمانہ میں اناج بہت بڑا ہوتا تھا۔ آپ اُن سے پوچھیں" بادشاہ نے اس کسان کے باپ کو بلایا۔ وہ بادشاہ کے سامنے بغیر کسی سہارے کے حاضر ہوا۔ اس کی دیکھنے کی قوت پہلے دونوں سے بہت صاف تھی۔ سننے کی طاقت بھی بہت اچھی اور بات چیت بھی صاف تھی۔ بادشاہ نے پہلے کی طرح اناج اس کے ہاتھ میں دیا۔ اُس نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کا کچھ حصّہ چکھ کر کہا "ایسا اناج میں نے بہت زمانہ پہلے دیکھا تھا اور یہ بالکل ویسا ہی ہے"

بادشاہ نے دریافت کیا کہ کہیں تم نے ایسا اناج بویا یا خریدا ہے؟ بوڑھے کسان نے کہا "میرے زمانہ میں ایسے اناج ہر جگہ کثرت سے اُگتے تھے۔ میں نے اپنے بچپن میں اسی اناج پر زندگی بسر کی ہے۔ اور دوسروں کو

بھی تقسیم کیا ہے۔" بادشاہ نے پھر پوچھا "تم نے اسے بویا یا خریدا ہے؟" بوڑھے نے ہنس کر جواب دیا۔ ہمارے زمانہ میں اناج خریدنا یا بیچنا گناہ سمجھا جاتا تھا اور ہم روپیہ پیسہ سے ناواقف تھے۔ ہر شخص اپنا اناج آپ پیدا کرتا تھا۔" بادشاہ نے دریافت کیا "وہ کونسی زمین تھی جس میں تم بوتے تھے؟" کسان نے جواب دیا "اُس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ جو شخص جہاں چاہتا تھا وہاں کاشت کر سکتا تھا۔ کوئی اپنی زمین نہیں کہہ سکتا تھا۔ البتہ محنت ایک ایسی چیز تھی جس کو سب اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ ہر ایک محنت کا عادی تھا۔ جو جتنی محنت کرتا کم تھا۔" بادشاہ نے اور دو سوال کئے ایک تو یہ کہ "اب زمین پر یہ اناج کیوں نہیں اُگتا، دوسرے تمہارا پوتا دو لاٹھیوں کے سہارے چلتا ہے اور تمہارا بیٹا صرف ایک بیساکھی کے سہارے اور تم بغیر کسی سہارے کے تمہاری آنکھیں بہ نسبت اُن دونوں کے صاف اور چمکیلی ہیں اور دانت مضبوط ہیں اور بات چیت بھی صاف ہے۔ اس کی کیا وجہ؟

کسان نے کہا "آدمیوں نے اب خود محنت کرنا چھوڑ دی ہے۔ دوسروں کے بھروسہ پر رہتے ہیں۔ اب لوگ محنت مشقت سے بھاگتے ہیں جیسا جیسا زمانہ گذر رہا ہے لوگ آرام طلب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ میرے بیٹے نے کچھ محنت کی تھی۔ وہ اتنا کمزور نہیں جتنا میرا پوتا ہے۔ کیونکہ اُس نے ہمیشہ اپنے آپ کو محنت سے دور رکھا۔

محمد بشیر الدین
راک لینڈ سیف آباد۔ حیدر آباد دکن۔

ہماری جامعہ

از

(مولانا سید محمد شرف الدین صاحب مومن استاد جامعہ)

اب سے چند مہینے پہلے رہتے تھے ہم خوش گھر پر اپنے
دیکھتے پھرتے سیر تماشے کھاتے پیتے مزے اڑاتے
لکھنے پڑھنے سے نہ خبر تھی جانتے تھے بس کھیل کھلونے
ایک دن ابّا گھر میں آکر سینہ سے اپنے مجھ کو لگا کر
کہنے لگے او میرے پیارے دل کے ٹکڑے آنکھ کے تارے
تم سے میں اک بات ہوں کہتا مانو گے تم میرا کہنا؟
دہلی میں ہے اک مدرسہ اچھا جامعہ اس کا نام ہے بیٹا
تم کو وہاں میں پہنچا دونگا جاکے وہاں تم لکھنا پڑھنا
گھر اپنا اسے کہتے ہیں بچے خوش بہت وہاں رہتے ہیں بچے
سن کے سب یہ ابّا کا کہنا دھک سے کلیجہ ہوگیا میرا
سسکیاں لے کر رونے لگا میں آنسوؤں سے منھ دھونے لگا میں
سینہ سے پھر ابّا نے لگایا پھسلایا، سمجھایا بجھایا
دی پھر اماں نے بھی تسلّی آنے پر میں ہوگیا راضی
جامعہ میں لائے مجھے ابّا چھوڑ کے جب جانے لگے ابّا
اب تو بہت ہی میں گھبرایا آنکھوں میں آنسو بھر لایا
ارشاد الحق صاحب آئے ساتھ کئی لڑکوں کو لائے
مجھ سے کہا یہ بھی تو ہیں بچے یہ تو ذرا نہیں روتے دھوتے
تم بھی یوں ہی بہلا لو دل کو ساتھ اب ان کے کھیلو کودو
اہا یہ پنجرا کیسا ہے طوطا اس میں پلا ہوا ہے
یہ قمری تو سفید ہے بالکل بولی سنو تو جیسے بلبل
پلے ہوئے ہیں جانور اکثر مرغ، ہرن، خرگوش، کبوتر
لو وہ بجی اب دوسری گھنٹی آؤ، چلو اسکول کو جلدی
پھر دل پر اک ہیبت چھائی پڑھنے کی اب باری آئی۔
اے وہ مدھولی صاحب آئے ہاتھ میں کچھ تصویریں لائے
پیار سے ہم کو پاس بٹھایا اور اک اچھا سا قصہ سنایا
روز نئی ہیں ہی نائش دکھلاتے اور کہانی ایک سناتے
یوں ہی کئی دن تک سمجھایا یوں ہی ہمیں رستہ پہ لگایا
پہلے آپ سنائی کہانی پھر ہم سے بنوائی کہانی
اے لو ہم تو پڑھنے لگے اب حرف ورف پہچان گئے سب
الف نہ بے تے جیم نہ حے خے زیر زبر ہے نہ ہجے وجے
گھول کے ہم کو پلا دیا یوں ہی پڑھنا وڑھنا آگیا یوں ہی
اب یہ بجی ہے کیسی گھنٹی؟ یہ گھنٹی ہے باغیچہ کی
آؤ وہاں اب کام کریں گے کھیت کو اپنے پانی دیں گے
باغ بھی اچھا کھیت بھی اچھا واہ وا واہ وا واہ وا واہ وا

ایک طرف ہے گاجر مولی ایک طرف ہے سرسوں پھولی
ایک طرف سبزی ترکاری ایک طرف ہے پھل پھلواری
اب تو یہاں جی لگ گیا میرا اچھی ہے شام اچھا ہے سویرا
گھر پہ یہ سب حال لکھونگا آپا کو خوش خبری دونگا
کھیلنا پڑھنا۔ کھیت کی محنت لگ گئی سب کاموں میں طبیعت

پانچوں وقت خدا کی عبادت ہوتی ہے پر وقت جماعت
جامعہ میں آرام سے ہیں ہم خوش اپنے ہر کام سے ہیں ہم
بچوں کی اور اُستادوں کی یا رب سب کی مرادیں ہوں پوری
جامعہ کا ہر کام ہو اچھا جامعہ کا دُنیا میں ہو چرچا
ہر دل میں ہو محبت اس کی دن دونی ہو ترقی اس کی

گانوں کی لڑکیاں

یہ گاؤں وطن جو ہے ہمارا
دل جان سے ہی ہمیں یہ پیارا
کیا خوب یہاں کا ہے نظارا

ہیں جمع جو لڑکیاں جگت پر
ٹھلیوں میں کنوئیں سے پانی بھر کر
لے جاتی ہیں روز صبح اکثر

اس گانوں کی ہیں یہ رہنے والی
گوری کوئی کوئی ان میں کالی
یہ سب ہیں شریف بھولی بھالی

محنت سے یہ جی نہیں چراتیں
اور کام سے منھ نہیں چھپاتیں
ماں باپ کو بھی نہیں ستاتیں

کر لیتی ہیں کام اپنے گھر کے
دھو لیتی ہیں برتن اور کپڑے
ہیں تو یہ غریب، گن ہیں اچھے

ہیں سینے پرونے میں بھی ہُشیار
ہیں کھانے پکانے کو بھی تیار
محنت سے نہیں دل ان کے بیزار

کھانا یہ کبھی پکا رہی ہیں
باتیں یہ کبھی بنا رہی ہیں
روتوں کو کبھی ہنسا رہی ہیں

کرتی ہیں یہ باتیں پیاری پیاری
ماں باپ کی ہیں بہت دُلاری
عزت ہے انھیں سے بس ہماری

(محمد حسین محوی لکھنوی)

۴۸۶

جیبی گھڑی

(اسد حسین قدوائی از بھوپال)

کس قدر ہے خوبصورت یہ گھڑی — قد میں چھوٹی اور قیمت میں بڑی

خوب ہیں اس کے سنہرے ہندسے — اور رنگین چینیاں بھی ہیں جڑی

ہیں جڑے یاقوت ہر اک بیچ میں — اور ہر پہیے میں ہے اک انکڑی

کیسے چمکیلے منٹ کے ہیں نشاں — گرد اس کے موتیوں کی ہے لڑی

اس کا ڈھکن کھول کر دیکھو ذرا — اس میں ہے صنعت عجب رکھی گئی

اس کا شیشہ ٹوٹ جائے گا ابھی — گر تمھارے ہاتھ سے یہ گر پڑی

پھرتے پھرتے رک گئیں جو سوئیاں — اسکے پرزوں میں ہے کوئی شے اڑی

ٹوٹ جائے گی کمانی ایک دن

کوک اس میں تم نے گر بھر دی کڑی

چوری کی سزا

جناب محمد ابوالمقتدر صاحب. صدر مدرس مدرسۂ تحتانیہ (دکن)

پیارے بچو! سن رکھو دلچسپ ہے یہ ماجرا ۔۔۔ مثنوی[1] مولوی میں ہے یہ قصہ یوں لکھا

کہتے ہیں اک چور تھا، رہتا تھا وہ اک گاؤں میں ۔۔۔ بچپنے سے بدچلن بدخلق تھا اور بے حیا

عالم طفلی[2] میں کچھ اس نے پڑھا لکھا نہیں ۔۔۔ تھا جو پڑھنے کا زمانہ کھیل میں سب کھو دیا

مدرسہ جاتا رہا کچھ دن سو وہ بھی اس طرح ۔۔۔ چیز جو ہاتھ آ گئی فوراً اڑا کر لے گیا

بارے چھوڑا مدرسہ اور ہو گیا آوارہ وہ ۔۔۔ مشق میں چوری کی اب دن رات وہ بڑھتا گیا

بارہا پائی سزا لیکن نہ باز آیا کبھی ۔۔۔ دیکھیے قدرت سے کیا اب ملتی ہے اس کو سزا

ایک بازی گر بھی رہتا تھا اسی کے گاؤں میں ۔۔۔ اتفاقاً ایک شب چوری کو اس کے گھر گیا

جا کے دیکھا سو چکے تھے گھر کے سب خورد و کلاں[3] ۔۔۔ اک پٹارا اس نے گڑبڑ میں وہاں سے لے لیا

وہ تو سمجھا اس میں رکھا ہوگا کچھ مال و متاع[4] ۔۔۔ مال کیا؟ اس کے اندر اک بڑا سا سانپ تھا

دل میں خوش ہو کر رکھا سر پر پٹارا چل دیا ۔۔۔ ایک پوشیدہ جگہ پر کھولنے اس کو لگا

کھولتے ہی ڈھکنا اس کا سانپ نکلا زور سے ۔۔۔ اور لپٹ کر جسم کو اس کے وہ پھر ڈسنے لگا

سخت ہی حالت خراب اس چور کی اس دم ہوئی ۔۔۔ کاٹ کھایا سانپ نے اور دفعتہً وہ مر گیا

پیارے بچو کیا برا انجام یہ اس کا ہوا ۔۔۔ مل گئی قدرت سے کیسی سخت تر اس کو سزا

یاد رکھو اس برائی سے ہمیشہ تم بچو!
مان لو بہر خدا اتنا تصور کا کہا

---

[1] ایک بزرگ کی لکھی ہوئی نظم کی کتاب کا نام ہے۔ [2] بچپن کا زمانہ [3] چھوٹے بڑے [4] اسباب۔

تصویریں کھینچنے کا آسان طریقہ

۳	۲	۱
۳۔ گھوڑا	۲۔ کتا	۱۔ بلّی

محمد رشید الدین ۔ لاہور
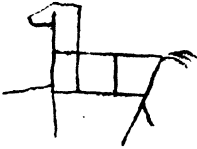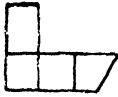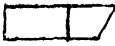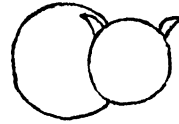
انعامی مقابلہ

(چھوٹے بچوں کے لئے)

(از جناب عبدالاکرم صاحب قمر ہوشیارپور)

نیچے لکھے ہوتے حرفوں کو ترتیب دیکر وہ نام یا معنی بتاؤ۔ جو سامنے درج ہیں۔

حروف	اتا پتا	حل
(۱) د م ج س ۔	عبادت گاہ ۔	مسجد
(۲) ہ م ک ۔	ایک متبرک شہر	مکہ
(۳) ب ع ر ۔	ایک ملک ۔	عرب
(۴) ی پ ا ن ۔	زندگی کے لئے ضروری۔	پانی
(۵) ب پ ا ن ج	ایک صوبہ۔	پنجاب
(۶) ن ق آ ر	ایک الہامی کتاب	قرآن
(۷) ی ی ا ا ر د ن س ص ع	ایک رسالے کا ایڈیٹر۔	سعید انصاری
(۸) ی ش ر ۔	ایک جانور۔	شیر
(۹) ہ ہ ج م م ا ل ی ع ۔	ایک قومی درسگاہ ۔	جامعہ ملیہ
(۱۰) ن ج ل ا ا م خ	ایک مشہور حکیم۔	اجمل خاں
(۱۱) ن ح د د د ا ا ر ک ب ی ۔	ایک مشہور ریاست۔	حیدرآباد دکن
(۱۲) ہ ش ل م	صحت افزا مقام۔	شملہ
(مثال معہ حل)، ن ی ص ر م و ۔	صحت افزا مقام۔	مسوری ۔

نوٹ۔ ہر حل کے ساتھ ایک آنہ کا ٹکٹ آنا لازمی ہے ورنہ حل ردّی سمجھا جائیگا۔

میعاد۔ سب حل یکم دسمبر ۳۳ء تک پہونچ جائیں۔

انعام۔ ایک خوبصورت کتاب۔ انعام کا اعلان پیام تعلیم میں کیا جائے گا۔

یہ بھی یاد رہے کہ حل اسی کوپن پر ہو اور اگر زیادہ صحیح حل آئے تو انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائیگا۔ حل مندرجہ ذیل پتہ پر آئیں۔

ایڈیٹر پیام تعلیم قرول باغ۔ دہلی۔

کاغذ کا کھیل

(از جناب عبدالحی صاحب کلٹل منڈی حیدرآباد دکن)

چھوٹے بڑے یہ گیارہ ٹکڑے ہیں۔ ان سب کو جما کر ایک شکل مربع بنا دیجئے۔ جواب یکم دسمبر سنہ ۱۹۳۳ء تک بھیج دیجئے۔ صحیح حل بھیجنے والوں کے نام پیام تعلیم میں شائع کئے جائیں گے۔
جواب ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم۔ قرول باغ۔ دہلی کے نام بھیجے جائیں۔

فہرست مضامین

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹٦۱ — قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

ہمارا بچپن

ہے نعمتِ الٰہی یارو ہمارا بچپن ہنس کھیل کر نہ کھونا پیارو یہ پیارا بچپن

ننھے سے دِل ہمارے ہیں پاک فکر و غم سے شاہی کرا رہا ہے ہم سے ہمارا بچپن

باتیں ہماری سب کو لگتی ہیں پیاری پیاری ہم چاند کے ہیں ٹکڑے آنکھوں کا تارا بچپن

رونا نہیں گوارا دم بھر کسی کو اپنا نازوں میں پل رہا ہے گویا ہمارا بچپن

لیکن عزیزو پیارو تُم نے کبھی سُنا بھی کہتا ہے چُپکے چُپکے کیا کچھ تُمھارا بچپن

اے فکر و غم سے خالی دل والو یاد رکھو کچھ دن کا میہماں ہے یہ پیارا پیارا بچپن

ساماں کرو ابھی سے آنے کو ہے جوانی

پڑھنے میں دل لگاؤ حاصل ہو شادمانی

(اسد حسین قدوائی از بھوپال)

دو دو باتیں

خدا کا شکر ہے کہ اپنے وعدے کے مطابق ہم پیام تعلیم کا "تاسیس نمبر" نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ بچّوں نے بھی اسے پسند کیا۔ ہم اپنے تمام مضمون نگار بچوں اور بھائیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اچھے اچھے مضمون بھیجے اور ہمارا ہاتھ بٹایا ساتھ ہی ہمیں افسوس ہے کہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہم بعض مضمون سال گرہ نمبر میں شائع نہ کرسکے۔ جو انھوں نے خاص اسی غرض سے بھیجے تھے۔ مگر ہم انھیں اطمینان دلاتے ہیں کہ یہ سب پیام تعلیم میں آہستہ آہستہ شائع ہوتے رہیں گے۔

سال گرہ نمبر کی تیاری کے سلسلے میں ہم نے پیام تعلیم پڑھنے والے بچوں سے پوچھا تھا کہ وہ پیام تعلیم میں کیا کیا نئی باتیں چاہتے ہیں

پچھلے دنوں ہم نے بھی اس کے متعلق بہت سی دلچسپ اور مفید تجویزیں سوچی ہیں اور انشاءاللہ آہستہ آہستہ ان پر عمل بھی شروع کردیا جائیگا اس وقت ہم جن تجویزوں کا ذکر کر رہے ہیں وہ ایسی ہیں جن پر ہم بہت جلد عمل کرنا چاہتے ہیں، وہ تجویزیں یہ ہیں:-

۱- جانوروں کے قصے تصویروں کے ساتھ دیئے جائیں۔

۲- سائنس کے ایسے آسان تجربے بیان کئے جائیں جنہیں سب بچّے خود آزما سکیں

۳- معمے، پہیلیاں اور لطیفے ہرچند کہ پیام تعلیم میں شائع ہوتے ہیں۔ لیکن آئندہ سے ان کے لئے زیادہ گنجائش رہے گی۔

۴- بڑے آدمیوں کے حالات

۵- چھوٹے چھوٹے اور مختصر ڈرامے۔

۶- جامعہ اور دوسرے اسکولوں کی خبریں

۷- ڈرائنگ اور کشیدہ کے عمدہ نمونے۔

۸- ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ پیام تعلیم کا ایک صفحہ پیام بھائیوں کی خط و کتابت کے لئے خاص

کر دیا جائے۔ اور اُس میں اُن کے دلچسپ اور مفید خط شائع ہوں۔ لڑکے اگر کچھ سوالات کریں گے تو یہ سوالات اور اُن کے جوابات بھی اسی صفحہ پر شائع ہوں گے۔

ہماری خواہش ہے کہ پیام تعلیم بچوں کے لئے نہایت ہی دل کش اور مفید رسالہ بن جائے اس کے لئے ہم برابر کوشش کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں پیام تعلیم میں جو ترقی ہوئی ہے اُسے بچّوں نے بھی محسوس کیا ہے اور ہم خوش ہیں کہ ہماری کوششوں کی وہ قدر کرتے ہیں۔ لیکن انھیں شاید معلوم نہیں ہے کہ پیام تعلیم کو کامیاب بنانے میں ایک بڑی رکاوٹ روپیہ بھی ہے۔ اب یہ رُکاوٹ کیسے دُور ہو؟ اس کا دُور کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس کو تو پیام تعلیم کے قدردان ہی دُور کر سکتے ہیں۔ اس کی صورت بھی کچھ مشکل نہیں۔ پیام تعلیم کا ہر ایک پڑھنے والا طے کرے کہ وہ پرچہ کا کم از کم ایک نیا خریدار اسی مہینہ میں ضرور بنادیگا تو اس طرح ہماری بہت سی مشکلیں دُور ہو جائیں گی۔ اور ہم پیام تعلیم کو کچھ سے کچھ بنا دیں گے۔ خریدار پیدا کرنے والوں کے نام بڑی خوشی سے پیام تعلیم میں شائع کئے جائیں گے۔

مُعمّا

نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو ترتیب سے جماؤ تو ہندوستان کے ایک مشہور بادشاہ کا نام بن جاتا ہے۔

م م ل ل ا ا ی ی ی ح د ر ن ع گ۔

یہ بھی ہم بتا دیتے ہیں کہ اس کا نام "م" سے شروع اور "ر" پر ختم ہوتا ہے۔

سلیم احمد خان گلبرگہ

(سمندر کا عجائب خانہ)

سمندر کے خوفناک خونخوار اور عفریت نما حیوانات کے حالات تم نے پڑھ لیے۔ لیکن سب جانور اسی قسم کے نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض بالکل سیدھے سادے اور ایسے بھولے بھالے کہ انسان قریب جا کر اور لکڑیوں سے مار مار کر انھیں ہلاک کر لیتا ہے۔ اور وہ بھول کر بھی اپنی جانیں نہیں بچاتے۔ اسے ان کا بھولاپن سمجھو یا بے وقوفی وہ غریب یہ سمجھتے بھی نہیں کہ انھیں ہلاک کیا جا رہا ہے جن کے ہاتھوں پٹتے ہیں۔ ان ہی میں پھر گھسنے ہیں۔ سمندری خزانہ کے بیان میں تم نے دیکھا ہوگا کہ چند جانوروں کی چربی اور پشمینہ دار کھال بھی انسان کے کام آتی ہے۔ یہی وہ جانور ہیں جو اپنی چربی اور کھال کے لئے ہزاروں کی تعداد میں مارے جاتے ہیں ان میں سے بعض سرد ملکوں کے سمندروں میں یخ بستہ[1]

بحیروں میں اور برف کے پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں قدرت نے اسی مناسبت سے ان کے جسم کو گرم رکھنے کے لئے نہایت موٹی پشمینہ دار کھال دی ہے۔ اس کھال سے آدمی اپنے لئے سرد موسم میں استعمال کرنے کے لباس بناتے ہیں اور یہ بڑا قیمتی لباس سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ سیل

ان ہی پشمینہ دار کھال والے جانوروں میں سیل انسان کی طرح گوشت کھانے والا جانور ہے۔ اور اس نے ویل وغیرہ کی مانند خشکی کا رہنا ترک کر کے سمندروں کی بود و باش اختیار کی ہے۔ اس کے دانت بتاتے ہیں کہ یہ کتے اور ریچھ کی وضع کا جانور ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں ایک کو سیل کہتے ہیں۔ سیل کے پچھلے دونوں پاؤں باہم مل کر دُم کی طرح پھیل گئے ہیں۔ اس سے اس کو تیرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ مگر خشکی پر چلنا دشوار

[1] یعنی جن بحیروں میں پانی کی سطح پر برف جمی ہوئی ہو۔ یخ برف کو کہتے ہیں۔

ہو گیا ہے۔ ظاہر میں اس کے کان نہیں
ہوتے۔ مگر چھوٹی سے چھوٹی آواز بھی سُن
سکتا ہے۔ سیل سمندر کے ہر حصہ میں پایا جاتا
ہے۔ مگر اس کا مسکن شمالی سمندر ہیں جوزی
رنگ کا سیل جسے فوکا کہتے ہیں۔ اگلے زمانہ
میں ایشیا کے عظیم الشان "تالابوں" یعنی کیاسپین
سی اور لیک بیکال وغیرہ تک میں پایا جاتا
تھا۔ مگر انسانوں نے اس کثرت سے ہلاک کیا
کہ اب اس نے برفستانی
علاقوں کو اپنا وطن بنا رکھا
ہے۔ ان برف بستہ سمندروں
کے ساحلوں پر آباد ہونے
والی قوم یعنی اسکیموس
جانور کا گوشت کھاتے۔ چمڑے کے خیمے۔
لباس وغیرہ تیار کرتے اور چربی کے چراغ
جلاتے ہیں۔ موسم گرما میں جب یہاں کا برف
پگھلنا شروع ہوتا ہے تو سیل چھوٹی مچھلیوں
کا شکار کرتے کے لئے کنارے کے قریب
جمع ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی اس
عادت سے فائدہ اُٹھا کر اسکیمو ان کا ہزاروں
کی تعداد میں شکار کر لیتے ہیں۔ سیل موسیقی
کا اتنا دلدادہ ہے کہ جہاز کے بینڈ کی آواز پر
کوسوں تیرتا ہوا جہاز تک آتا ہے اور ظالم اور
مکار انسان بانسری بجا بجا کر انھیں محو کرتا
اور اسی محویت کے عالم میں ہلاک کرتا جاتا ہے

۲- دریائی ہاتھی: سیل کے اقسام میں سب
سے بڑا اور سب سے زیادہ قوت والا جانور دریائی
ہاتھی ہے۔ اس کو ہاتھی شاید اس لئے کہتے
ہیں کہ ڈیل ڈول میں خشکی کے ہاتھی کی برابر
بلکہ اس سے بھی بڑا ہوتا ہے
اس کا قد تقریباً بیس تیس
فٹ لمبا اور ناک چھوٹی سی
سونڈ کے مشابہ ہوتی ہے۔
ان دو چیزوں کے علاوہ
اس میں اور ہاتھی میں کوئی اور مشابہت
نہیں۔ اگر تم اسے خشکی پر یا برف پر چلتا ہوا
دیکھو تو ہنستے ہنستے لوٹ جاؤ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ گویا کسی دیو کے دونوں پاؤں باندھ دیئے گئے
ہیں اور وہ نہایت مشکل سے پھدک پھدک کر
چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انسانوں نے اس کا
اتنا شکار کیا ہے کہ جنوبی امریکہ کے ٹھنڈے سمندروں کے
علاوہ کہیں نہیں پایا جاتا۔

(سید محمد عسکری)

سائیکلوں پر کشمیر کا سفر

پیام بھائیو! آپ نے اکثر سفر کئے ہوں گے اور بعض سفروں میں لطف بھی اُٹھایا ہوگا۔ اور دقتیں بھی، یہ دونوں باتیں اس قابل ہوتی ہیں کہ دوستوں میں بیٹھ کر بیان کی جائیں۔ اور اگر سفر کی تکلیفوں اور دشواریوں پر قابو پالیا ہو تو بڑے فخر سے اُسے بیان کریں۔ آئیے ہم بھی آپ کو ایسے سفر کا قصہ سنائیں جس میں دلچسپی بھی رہی اور تکلیفیں بھی۔

ہم چند جامعی بھائیوں کے دل میں عرصہ سے خواہش تھی کہ سائیکلوں پر کہیں دُور کا سفر کریں۔ مگر یہ کہ کہاں جائیں۔ ابھی تک طے نہیں ہوا تھا۔ ایک دن ہمارے مشفق اُستاد نے یہ مشورہ دیا کہ "کشمیر جاؤ" سنتے ہی باچھیں کھل گئیں۔ مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا کہ بس خاموش رہو، کہیں کسی اور کو خبر نہ ہو۔ ورنہ بُری طرح بنائے جائیں گے۔ اور ہر طرف یہ کہتے سنیں گے کہ "لیجئے کچھ لو اور بھی سُنا، سائیکل کا سفر اور کشمیر کا ارادہ"

مگر اسی دن سے پکا ارادہ کرلیا کہ کچھ ہوجائے یہ سفر ضرور ہوگا۔

بس جناب چپ چاپ تیاری شروع کردی اور گھروں سے اجازت منگالی۔ اس شرط پر کہ وہ بھی کسی سے ذکر نہ کریں۔ اب شیخ الجامعہ صاحب سے اجازت لینا باقی تھی۔ وہ بھی کسی طرح سے مل گئی۔ مگر ابھی ایک اور چیز کا حل کرنا تھا۔ یعنی یہ کہ ہمارے ساتھ کون سے ماسٹر صاحب جائیں، ہم نے جناب حامد علی خاں صاحب سے ڈرتے ڈرتے درخواست کی کہ کہیں انکار نہ کردیں، وہ سنتے ہی تیار ہوگئے۔ اب کیا تھا میں نے مسعود اختر صاحب اور محمد اقبال صاحب نے پوری سرگرمی سے تیاری شروع کردی۔

خوشی کا دن جو آنے والا ہوتا ہے اس کا انتظار دوبھر ہوجاتا ہے۔ خدا خدا کرکے ۲۷۔ مئی آئی اور ہم تالیوں کی گونج میں اپنی تربیت گاہ بشیر منزل سے روانہ ہوگئے۔ ہمیں رخصت کرنے جامعہ کے سب لوگ آئے تھے اور سب اتنے ہی خوش تھے جتنی ہمیں خوشی تھی۔

اپنے ساتھیوں میں مَیں سائیکل چلانا بہت
کم جانتا تھا۔ ابھی دس میل گئے ہوں گے کہ سب نے
اپنی ٹوپیاں اُتار لیں۔ ہمیں بھی دیکھا دیکھی شوق
چرّایا۔ اور جوں ہی اپنا ہاتھ سر کی طرف بڑھایا ہنڈل
مڑا اور ہم زمین پر۔ گلے میں تھرماس تھا وہ بھی شہید
بڑی شرمندگی ہوئی۔ مگر کسی ساتھی نے نہ بنایا، نہ
تھرماس ٹوٹنے پر افسوس کیا۔ اس لئے کہ ماسٹر صاحب
نے یہ ہدایت کردی تھی کہ ایک ساتھ ۲۴ گھنٹے جب
عرصہ تک رہتے ہیں تو ذراسی بات بھی ناگوار ہونے
لگتی ہے۔ اس لئے کوئی کسی کو نہ بنائے چنانچہ اس
کی مشق ہمیں سے شروع ہوئی۔ چار میل اور گئے تھے
کہ سامنے سے ایک لاری آتی دکھائی دی۔ ہم لوگ
ایک قطار میں سڑک کے بائیں جانب چل رہے تھے
لاری بھی اسی طرف آئی۔ اور سب تو پھرتی سے بچ گئے
میری سائیکل کا پچھلا حصہ لاری سے ٹکرایا۔ ایسا معلوم
ہوا جیسے دُنیا تاریک ہوگئی۔ میں اس ٹکر سے کوئی چھ
گز کے فاصلہ پر جاکر گرا۔ اور سائیکل تو اس قدر چکنا
چور ہوئی کہ یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ کبھی سائیکل تھی خیر
رات یہیں گذاری۔ دوسرے دن صبح مسعود صاحب
دہلی جاکر دوسری سائیکل لائے۔ اور سب پھر روانہ
ہوئے۔ دو دن تک ہم نے ایک دن میں تیس میل
سے زیادہ سفر نہیں کیا۔ مگر کرنال سے ہمارا اوسط
۴۰۔ ۴۵ ہوگیا تھا۔ راستہ میں ہم زیادہ تر خاموش
چلا کرتے تھے۔ اور دس میل کے بعد پانچ منٹ کا وقفہ
ہوتا تھا۔ اس وقت کچھ ہنسی مذاق بھی ہوتا تھا اور شکوہ
و شکایت کا موقع بھی یہی تھا۔ ایک دوسرے کی ہیئت
پر ہنستے تھے۔ کوئی ماسٹر صاحب سے اس بات پر خفا
ہوتا تھا کہ پیاس لگتی ہے اور پانی پینے نہیں دیتے۔
مجھے عموماً یہ شکایت ہوا کرتی تھی کہ ماسٹر صاحب تھکتے
ہی نہیں۔ اکثر دس میل کی بجائے پندرہ میل پر
وقفہ کرتے تھے۔ اگر ہوا مخالف نہ ہوتی اور سورج
کی تیزی بھی کم ہوتی تو ہمیں ماسٹر صاحب اور
ہم ماسٹر صاحب کو گانا سناتے۔ راستہ میں لوگ
خوب خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ بعض
مقامات پر خوب خوب استقبال بھی ہوئے۔
اگر سب واقعات بیان کئے جائیں تو غالباً آپ
سُنتے سُنتے تھک جائیں گے۔

(باقی آئندہ)

محمد طیب پھلواروی۔ متعلم جامعہ

تُم نے جنگلوں میں اور درختوں پر اس پرند کو اکثر دیکھا ہوگا بعض بعض جگہ بچے اسے "کُھٹ کُھٹ بڑھئی" بھی کہتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے یہ پرندہ تمام پرندوں کا بادشاہ تھا۔ مگر آدمی غُلیل سے اس کا خوب شکار کرتے تھے۔ اس مصیبت سے مجبور ہو کر اس نے خدا سے دعا کی کہ "اللہ میاں میرا سونے کا تاج اُتار دے۔ اور پروں کا تاج دے دے۔" اللہ میاں نے اپنے اس ننھے مُنے پرندے کی دعا قبول کی۔ اور اس کا تاج پروں کا بنا دیا۔

یہ بڑا ہی خوب صورت پرندہ ہے، اور اس کی سب سے زیادہ خوبصورت چیز اس کی کلغی ہے، اس کی چونچ لانبی اور آگے سے مڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کلغی بھی سر کے پیچھے مڑی ہوئی ہوتی ہے یہ جب پریشان ہوتا ہے یا ڈر جاتا ہے تو اس کی کلغی پھیل جاتی ہے۔

ہدہد پھل وغیرہ کچھ نہیں کھاتا۔ نہ غریب کسان کے کھیتوں کو اُجاڑتا ہے۔ بلکہ مرغی کی طرح زمین پر دانہ دُنکا چُن چُگ لیتا ہے۔ یا اپنی چونچ سے زمین کھود کر کیڑے مکوڑے اور ٹڈے وغیرہ کھاتا ہے۔

یہ نہاتا بھی ہے۔ مگر کس چیز سے؟ پانی سے نہیں۔ خاک سے نہاتا ہے۔

ہُدہُد زیادہ اُڑنے والا پرندہ تو نہیں، لیکن چالاک اور ہوشیار بہت ہے۔ اسی لئے شکاری پرندے باز، شکرے اور عقاب وغیرہ بڑی مشکل سے اس کا شکار کر پاتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی جانور اس کا پیچھا کرتا ہے۔ تو وہ اُڑتے اُڑتے ایکا ایکی اِدھر اُدھر مُڑ جاتا ہے اور پیچھا کرنے والا پرندہ پریشان ہو جاتا ہے۔

ہدہد درختوں میں بھی رہتا ہے۔ لیکن زیادہ تر

دیوار کے سوراخوں میں گھونسلہ بناتا ہے۔ یہ ہمیشہ تنگ سوراخ کو پسند کرتا ہے۔ جس کا راستہ چھوٹا ہو تاکہ اس کے اندر سے کوئی اس کے انڈے نہ نکال سکے

ہُدہُد کی مادہ دودھ کی طرح سفید پانچ انڈے دیتی ہے۔ انڈے دے چکتی ہے تو انھیں سینے بیٹھ جاتی ہے۔ اور جب تک بچے نہیں نکل آنے باہر نہیں نکلتی۔ نر اس کے لئے خوراک لاتا ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو ان کے لئے ٹڈوں کا شکار کرتی ہے۔ خود بھی کھاتی ہے انھیں بھی کھلاتی ہے۔

ہدہد، مور، بلبل۔ طوطا۔ مینا۔ کیسے پیارے پیارے اور خوبصورت پرندے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ سب میرے گھر میں پلے ہوں اور میں ان کے ساتھ خوب کھیلوں۔ (منصور احمد) طالب علم جامعہ، دہلی)

نیک سلوک

ایک پادری کی عادت تھی کہ ہمیشہ کسی بھوکے اور غریب کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھاتا تھا۔ کبھی اکیلا نہیں کھاتا تھا۔ ایک دن رات کے بارہ بج گئے کوئی غریب نظر نہ آیا۔ وہ بازار میں گھومتا گھامتا اپنے مکان کی طرف آرہا تھا۔ رستہ میں ایک غریب بےچارا کمبل اوڑھے سردی میں اکڑا ہوا بہت بےکسی کی حالت میں کھڑا تھا۔

نیک دل پادری نے اس سے پوچھا کیا میاں تم بھوکے ہو۔ غریب نے کہا "جی ہاں" پادری اُسے سیدھا اپنے مکان لے گیا۔ اور اپنے دسترخوان پر ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔

کھانے سے فارغ ہوکر پادری نے اُس غریب کے سونے کا سامان بھی کر دیا۔ اور اس سے کہا کہ یہیں آرام کرے۔

تھوڑی دیر بعد پادری صاحب بھی آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کوئی دو گھنٹے گذرے ہونگے وہ شخص چپکے سے اُٹھا اور پادری صاحب کے کمرے میں سے چاندی کے برتن اور بہت سی قیمتی چیزیں لے کر چلتا بنا

پادری صاحب کو خبر ہوئی تو وہ سیدھے اس غریب کے کمرے میں گئے۔ مگر وہ اب کہاں تھا۔ پلنگ خالی پڑا تھا۔ مگر اس شریف انسان نے کچھ نہیں کہا اور چپ ہوکر بیٹھ رہا۔

چور جب رات کو سڑک پر جا رہا تھا۔ تو پہرے کے

سپاہی نے اُسے روکا۔ اور جب چاندی سونے کا سامان اس کے قبضہ میں دیکھا تو اُسے کچھ شبہ ہوا۔ اور پوچھا کہ تم اتنا قیمتی سامان کہاں سے لے آئے۔ اس نے جواب دیا میں نے یہ سب سامان فلاں پادری سے خریدا ہے۔ سپاہی اُسے اپنے ساتھ پادری کے گھر لے گیا۔ شاید یہ ہم نے ابھی تک تمھیں نہیں بتایا کہ چور بدحواسی میں اپنا ڈنڈا پادری کے گھر میں چھوڑ گیا تھا۔ غرض وہ سپاہی کے ساتھ پادری کے گھر آیا تو وہ (پادری) گویا اُس کے انتظار میں بیٹھا تھا اور اس سے پوچھنے لگا۔ کیوں بھائی تم اپنی سب چیزیں لے گئے لیکن لکڑی یہیں چھوڑ گئے۔ یہ سوال سن کر سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص چور نہیں ہے۔ بلکہ واقعی اس نے پادری سے یہ سامان خریدا ہے۔ اور وہ اسے چھوڑ کر واپس چلا گیا، ادھر چور کی یہ حالت ہوئی کہ مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ پادری کے قدموں پر گر پڑا اپنے قصور کی معافی مانگنے لگا اور سچے دل سے توبہ کی کہ آیندہ چوری نہ کریگا

(شیخ حفیظ الدین - ملازم دکن)

تتلی

گلشن میں صبح آکر
شبنم[1] سے وہ نہاکر
پھر شاخِ گل[2] پہ جاکر
پھولوں کا مسکرا کر
مُنھ چومتی ہے تتلی
مُنھ چومتی ہے تتلی

غنچہ بھی مُسکرایا
اس کو گلے لگایا
کچھ حال دل سُنایا
کیا اُس کے جی میں آیا
منھ چومتی ہے تتلی
منھ چومتی ہے تتلی

تجھ کو چمن سے الفت
ہر پھول سے محبت
تو سب سے خوبصورت
اے شاخِ گل کی زینت
کیوں پھول چومتی ہے
کیوں پھول چومتی ہے

(اثر جبلپوری - لکھنؤ)

[1] اوس
[2] پھول کی ٹہنی

افریقہ کے چند جانور

۲۔ سگ بون

یہ ایک بندر کی قسم کا جانور ہے۔ مگر اس کی شکل کتے سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے اس کو سگ بون کہتے ہیں یہ جانور عام طور پر زمین پر رہتا ہے۔ اور درخت پر بہت کم چڑھتا ہے۔ اور یہ بہت ہی خوفناک اور مکار جانور ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور چمکیلی ہوتی ہیں۔ اس کے دانت بہت لمبے اور تیز ہوتے ہیں۔

یہ جانور خون خواری میں تیندوے سے کم نہیں ہے۔ جڑیں پودے پھل اور کیڑے مکوڑے اس کی غذا ہے۔ یہ سانپ سے بہت ڈرتا ہے۔ مگر اکثر اوقات اس پر اچانک حملہ کر کے اس کو مار ڈالتا ہے۔ یہ جانور ہمیشہ گروہ کے ساتھ رہتا ہے اور جب کبھی ان کا کوئی گروہ کسی کھیت میں جا گھستا ہے تو وہاں فصل کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ اس لئے کاشت کے زمانہ میں ہر ایک کھیت پر ایک دو آدمی مقرر ہوتے ہیں۔ اور رات بھر حفاظت کرتے ہیں کہ یہ جانور نہ آنے پائے۔ برسات کے موسم میں یہ جانور پہاڑوں کے تنگ و تاریک دروں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ یہ پہاڑ ایسے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان پر انسان کا چڑھنا محال ہے۔ مگر یہ جانور نہایت پھرتی اور تیزی سے اونچی چوٹیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ صبح کو ناشتہ کرنے نیچے آتا ہے اور پانی وغیرہ پی کر اور کچھ کھا پی کر سو رہتا ہے۔ دوپہر کو کچھ کھانے کے بعد پھر پہاڑوں پر واپس چلا جاتا ہے۔ مگر برسات کے موسم کے علاوہ یہ جانور رات کو ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے اور کھیتوں اور گاؤں میں گھس آتا ہے اور انسان کے چھوٹے

بچوں کو بھی اُٹھالے جاتا ہے۔

اس کا شکار ایک آدمی نہیں کرتا بلکہ بیس پچیس آدمی مل کر شکار کو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ پچاس ساٹھ کتے بھی لے جاتے ہیں حملے کے وقت یہ جانور بڑی طرح دانت بند کرکے غراتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھوت وغیرہ منھ بند کرکے ہنس رہا ہے جب کتے ان پر حملہ کرتے ہیں تو پہلے یہ آنکھیں دکھاتے ہیں پھر غراتے ہیں اور آخر میں کتوں پر حملہ کردیتے ہیں۔ جس وقت ان کی اور کتوں کی لڑائی ہوتی ہے۔ اُس وقت شکاری ان پر گولی چلاتے ہیں اور مار ڈالتے ہیں۔ (محمد احمد سبزواری بھوپال)

حضرت عبداللہ اور چند غلام

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ایک بار مکان میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک غلام بڑے خلوص اور سچے دل سے خدا کی عبادت اور نماز میں مصروف ہے۔ خدا کی عبادت میں غلام کا اس طرح ہاتھ باندھ کر مشغول ہونا آپ کو بہت پسند آیا۔ اللہ واسطے اسے آزاد کردیا۔ آپ کے اور بھی کئی غلام تھے۔ اُنھوں نے سوچا کہ آزادی کی تو یہ بہت اچھی تدبیر ہے۔ اُنھوں نے بھی حضرت عبداللہ کے سامنے لمبی چوڑی نمازیں شروع کردیں۔ بڑی بڑی سورتوں کی قرأت لمبے لمبے رکوع اور سجدے کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ خوب جانتے تھے کہ یہ خدا کے لئے نہیں بلکہ آزادی کے واسطے ہے مگر پھر بھی اُن کو آزاد کردیا۔ اور اپنا طریقہ نہ بدلا۔ لوگوں نے کہا حضرت یہ بناوٹی نمازیں اور دکھاوے کی عبادت ہے۔ محض آپ کو دکھانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ ہورہا ہے آپ بے سوچے سمجھے آزاد نہ کیجئے۔ مگر حضرت عبداللہ خدا تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے تھے۔ فرمایا جو شخص چاہے ہمیں خدا کی راہ میں دھوکا دے۔ مگر ہم تو جان بوجھ کر اس کے دھوکے میں آنے کو تیار ہیں۔ غرض اس طرح ساری غلاموں کو آزاد کردیا۔

خدا کے بندے ایسے ہوتے ہیں۔ نیک کام میں وضع داری کو نہیں چھوڑتے اور خدا کی بندگی کرنے والے کو اپنا غلام و بندہ رکھنا پسند نہیں کرتے۔ (محمد حسین علوی لکھنوی)

ورزش

یورپ میں ایک ملک جرمنی ہے ابھی چند روز ہوئے وہاں ایک بہت بڑا جلسہ ورزش کے متعلق ہوا تھا۔ اس جلسہ میں ہر ہٹلر جرمنی کے چانسلر[1] نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جسم کی طاقت دماغ کی طاقت سے بہتر ہے۔ جو لوگ دماغی طاقت رکھتے ہیں اسکول ماسٹر بن سکتے ہیں۔ مگر ایک مضبوط قوم کی حفاظت نہیں کر سکتے ہم طاقت ور آدمیوں کی نسل بنانا چاہتے ہیں کیونکہ فلسفی ہمارے محافظ نہیں ہو سکتے۔ ہر ہٹلر کے ان الفاظ سے ہمیں سبق لینا چاہئے۔ ان کے ان لفظوں کا حرف حرف صحیح اور سچا ہے۔ جسمانی طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ورزش۔ اس لئے ورزش کرنا ہر نوجوان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ انسان کی زندگی کا یہی زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ جسم ترقی کرتا ہے۔ اور جسم میں خون پیدا ہوتا ہے اور اسی زمانہ میں ہم تمام زندگی کے لئے اپنے جسم کو مضبوط اور طاقت ور بنا سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کے اس قیمتی حصہ کو ضائع کر دیں اور ورزش سے اپنے جسم کو مضبوط اور طاقت ور نہ بنائیں تو پھر ہم ہمیشہ جسمانی طاقت سے محروم رہتے ہیں۔

جس طرح انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانا پانی اور صاف ہوا کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اس کو تندرست رہنے کے لیے ورزش کرنا بھی لازم ہے۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے جو صرف دماغی کام کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ پیروں سے محنت نہیں کرتے۔ ورزش بہت ہی زیادہ ضروری ہے، کمزور سے کمزور آدمی بھی ورزش سے اپنے بدن کو مضبوط اور طاقت ور بنا سکتا ہے۔ ورزش کرنے میں قریب قریب بدن کے ہر حصہ کو محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس وقت خون بدن میں بہت تیزی کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اور خوب پسینہ آتا ہے۔ یہ پسینہ تمام بدن کی کثافت یعنی گندگی کو باہر نکال دیتا ہے۔ ہاتھ پاؤں خوب کھل جاتے ہیں ہاضمہ ٹھیک رہتا ہے۔ بدن کا ہر حصہ مضبوط اور خوبصورت ہو جاتا ہے۔ اور جسم میں چستی اور چالاکی آجاتی ہے ورزش کرنے والا محنت کا عادی ہو جاتا ہے۔ بیماری اسے بہت کم ستاتی ہے اور کسی مشکل اور مصیبت کے وقت وہ نہیں گھبراتا۔ لیکن ایک

[1] صدر کے بعد سب سے بڑا عہدہ

وہ شخص جو ورزش نہیں کرتا ہمیشہ سُست اور کمزور ہی رہتا ہے۔ جسم کی کمزوری کی وجہ سے اُس کا دماغ بھی کمزور ہوتا ہے اور صحیح طریقہ سے کام نہیں کرسکتا۔ اُس کا مزاج چڑچڑا ہوجاتا ہے۔ اور بیماریاں اُس پر آئے دن حملہ کرتی رہتی ہیں۔ محنت سے بھاگتا ہے اور ذرا سی مشکل یا مصیبت کے وقت کمزوری کی وجہ سے اُس کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔

کالج اور اسکول کس واسطے ہیں۔ صرف تمھیں تعلیم دینے کے لئے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ وہاں تمھیں طرح طرح کے کھیل بھی کھلائے جاتے ہیں۔ اور ورزشیں بھی کرائی جاتی ہیں ہر اسکول میں ایک اُستاد علیحدہ طالب علموں کو کھیل کھلانے اور ورزش کرانے کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ جس کو ڈرل ماسٹر کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ طالب علموں کی صحت اور تندرستی کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اور انھیں مضبوط، مستعد اور محنتی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کھیلوں کے ذریعہ اُنھیں اتفاق، وقت کی پابندی۔ باہمی ہمدردی اور صبر برداشت کا سبق بھی سکھایا جاتا ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ بہت سے طالب علم اسکول کے کھیلوں اور ورزشوں میں حصّہ نہیں لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسکول اور کالجوں میں پڑھنے والے عام طور سے مریضوں کی سی صورت اور کمزور نظر آتے ہیں جیسے دیکھئے جسم پر گوشت برائے نام بدن جھکا ہوا رنگ مینڈک کی طرح زرد۔ سینہ اندر کو دھنسا ہوا بدن پر کہیں سرخی کی جھلک نہیں۔ افسوس ایسے نوجوان کیا تو پڑھ سکتے ہیں اور کیا آیندہ زندگی میں دُنیا کی سختیوں اور مشکلوں کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرسکتے ہیں۔ خیر تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلیجئے کہ وہ پڑھ بھی گئے اور علم کی بڑی سے بڑی ڈگریاں بھی اُنھوں نے حاصل کرلیں تو ملک کی وہ کیا خدمت کرسکتے ہیں۔ علم و فضل دولت و حکومت اور دنیا کی ہر نعمت سے انسان جب ہی پُورا پورا لطف اُٹھا سکتا ہے جبکہ وہ تن درست اور طاقت ور ہو۔ اگر تندرستی نہیں اور جسم میں طاقت نہیں تو یہ سب چیزیں بے کار ہیں۔ اگر تم دنیا میں عزت اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو آج سے اس بات کا عہد کرلو کہ ورزش سے کبھی غفلت نہ کروگے (سید مسعود علی میرٹھی)

جیسے کو تیسا

ایک سوداگر اپنا مال بیچنے دوسرے ملکوں کی طرف جانا چاہتا تھا۔ مگر وہ سو من لوہا اپنے ملک میں بیچنے کے لئے کہیں سے لایا تھا۔ اس نے سوچا میں یہ لوہا کسی کے پاس رکھوا دوں۔ دُکان میں بند کر دینے سے شاید چوری چلا جائے زنگ لگ جائے۔ اس نے وہ سب لوہا اپنے دوست کے پاس امانت رکھوا دیا۔

اس سوداگر کے چلے جانے کے بعد اس کے دوست نے تھوڑا تھوڑا لوہا بیچنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سوداگر کے واپس آنے تک سارا لوہا بیچ کھایا۔ جب سوداگر مال بیچ کر گھر آیا اور اپنی دُکان کھولی تو لوہا مانگنے اپنے دوست کے پاس گیا۔ اِس کے دوست کی اولاد صرف ایک ہونہار لڑکا تھا۔ جو اپنے باپ کا بہت لاڈلا تھا اس وقت جب سوداگر لوہا مانگنے گیا وہ بچہ موجود نہ تھا۔ سوداگر نے اپنے دوست سے لوہا مانگا۔ اس کے دوست نے کہا کہ آپ کا لوہا میں نے بڑی حفاظت سے کوٹھڑی میں رکھ دیا ہے۔ آپ مزدور اور ٹھیلے لے آئیں تاکہ اسے اپنی دوکان پر لے جا سکیں۔ سوداگر ٹھیلے اور مزدور لے آیا۔ تو اس نے دیکھا کہ اس کا دوست نہایت غمگین صورت بنائے بیٹھا ہے۔ اور اس کے آگے ایک بڑے ٹھیکرے میں مٹّی کے چھوٹے چھوٹے ڈلے رکھے ہیں۔

سوداگر نے کہا مزدور اور ٹھیلے لے آیا ہوں اور تُم وہ جگہ بتاؤ جہاں میری امانت رکھی ہے۔ اس کے دوست نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا کہ افسوس ہے کہ تمھارے لوہے کو چوہے کتر گئے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سب گل کر مٹّی ہو گئے۔ یہ دیکھو یہ ٹھیکرے میں تمھارے دکھانے کے لئے لایا ہوں۔" یہ سُن کر سوداگر نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو۔ اس زمانہ کے چوہے ایسے ہی ظالم ہیں کہ لوہے کو کتر دیں۔ خیر تم کچھ افسوس مت کرو۔"

سوداگر اپنی دُکان کو واپس آ رہا تھا۔ راستہ میں اس کے دوست کا لڑکا مِلا۔ سوداگر اسے بہلا پھسلا کر پہلے تو اپنے مکان پر لے گیا اور وہاں سے اپنے گھر۔

تین چار دن کے بعد سوداگر کا دوست اس کی دوکان کے آگے جا رہا تھا۔ سوداگر نے پکارا وہ دوکان پر آیا تو اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں اور چہرہ مارے رنج کے زرد ہو رہا تھا۔ سوداگر نے وجہ دریافت کی تو اس کے دوست نے کہا کہ آج تین چار روز ہوئے کہ میرا اکلوتا بیٹا گم ہو گیا سارے شہر کی خاک چھان ماری، گلی گلی کوچہ کوچہ دیکھ ڈالا مگر اس کا پتہ نہیں لگتا۔"

سوداگر نے کہا کیا اس لڑکے کی عمر دس بارہ برس کی تھی۔ رنگ گورا بڑی بڑی آنکھیں چہرے پر اکا دکا چیچک کا داغ پتلے پتلے ہونٹ اونچی ناک چوڑی پیشانی کالے اپلکے کا کوٹ پہنے ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھا۔" یہ سن کر اس کا دوست بہت خوش ہوا ہر بات کی تصدیق کی۔ اور پوچھا کہ تم نے اس لڑکے کو کہاں اور کب دیکھا تھا۔

سوداگر نے کہا کہ جب میں تمھارے گھر سے واپس آیا تو اپنی دوکان پر بیٹھ گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی لڑکا جس کا اتا پتا میں نے ابھی تمھیں بتایا ہے ادھر سے گذر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سرخ رنگ کا ریشمی رومال تھا۔ بھوکی چیل نے اس رومال کو گوشت سمجھا اور جھپٹا مارا وہ رومال کو لڑکے سمیت لے اڑی۔ میں غل مچاتا اس کے پیچھے بھاگا۔ مگر وہ ایسی تیز اڑی کہ میری نظروں سے غائب ہو گئی۔ میں ہار جھک مار کر لوٹ آیا۔ ہو نہ ہو وہ تمھارا ہی بچہ ہوگا۔ بھلا اس کا کھوج تمھیں کیسے ملتا۔"

یہ سن کر سوداگر چلا اٹھا کہ جھوٹ کہیں چیل بھی بچوں کو اڑا لے جا سکتی ہے۔

سوداگر نے کہا کہ "بھائی جہاں کے چوہے لوہے کو کتر ڈالتے ہیں وہاں کی چیلیں اگر بچوں کو لے اڑیں تو کیا تعجب ہے۔ اس کا دوست سمجھ گیا شرمندہ ہوا۔ اور گھر سے دام لا کر سو من لوہے کی قیمت سوداگر کو دے دی۔ اور اپنی خطا کی معافی مانگی۔ سوداگر نے اس کے بچہ کو اپنے گھر سے بلا کے اس کے حوالہ کر دیا۔

جیواد

اطلاع

پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر پیام بھائیوں کے پاس دیر میں بھیجا گیا تھا، اس لئے اس پرچہ میں قصداً دیر کی گئی۔ آیندہ نمبر وقت پر شائع ہوگا۔

مینجر

جلد ۱۵ نمبر ۱۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

۷ دسمبر سنہ ۳۳ء

فہرست مضامین

ایڈیٹر:۔ سعید انصاری

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

سحر کا ترانہ
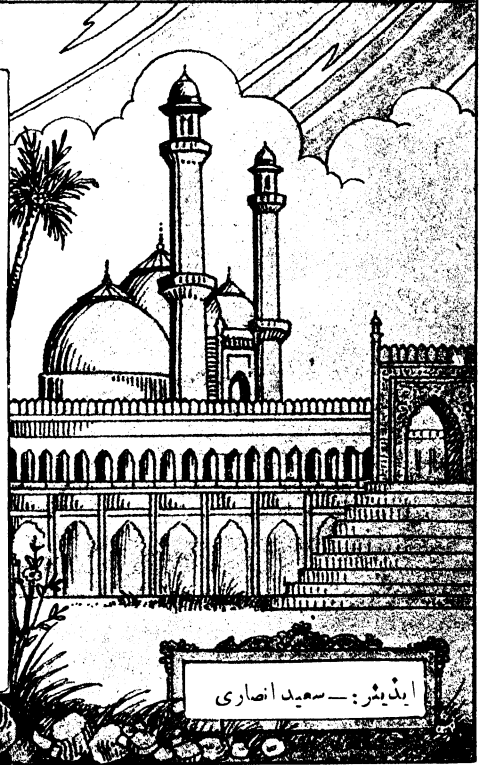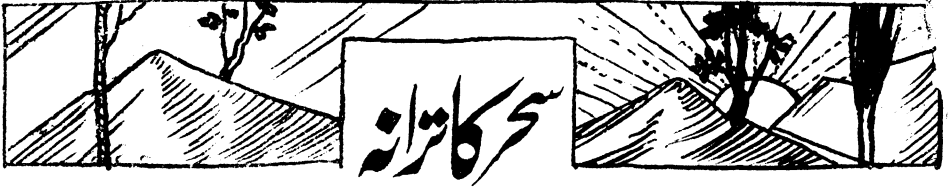
ابوالحسن حیدری ہیڈ مولوی سی اے وی ہائی اسکول - الہ آباد

یہ ہے صبح کا وقت کیسا سہانا وہ چڑیوں کا مل مل کے آپس میں گانا

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

چہک کے اِدھر سے اُدھر ان کا جانا اداؤں سے اپنی دلوں کو لبھانا

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

اُٹھو دیکھو کیسی ہوا چل رہی ہے نسیم[۱] اپنا پنکھا لئے جھل رہی ہے

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

چمن میں یہ شاخیں نہیں ہل رہی ہیں خوشی عید کی ہے گلے مل رہی ہیں

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

کئے صاف شبنم نے دھو دھو کے سبزے گرے پڑتے ہیں مست ہو ہو کے سبزے

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

چمن میں عنادل[۲] جو گاتی ہیں گانے گلوں کو سناتی ہیں اپنے ترانے

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

سنو حیدری کا یہ پُر لطف گانا سحر کا یہ نغمہ سحر کا ترانا

اُٹھو پیارے بچّو اُٹھو پیارے بچّو

---

۱ صبح کی ہوا کو کہتے ہیں۔ ۲ بلبلیں

پیام بھائیو کیا تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ نئی دُنیا کونسی ہے۔ لو آؤ آج ہم تمھیں بتاتے ہیں کہ نئی دنیا کس کو کہتے ہیں اور کیوں کہتے ہیں۔

عرصہ ہوا یورپ والوں کو یہ خیال ہوا کہ ہندوستان (جسے وہ لوگ سونے کی چڑیا کہتے تھے) جانے کے لئے کوئی ایسا راستہ دریافت کیا جائے جس سے ہندوستان اور یورپ کے درمیان تجارت کرنا سہل ہو جائے۔ چنانچہ اکثر سیاح عرصہ تک اسی دُھن میں لگے رہے۔

کولمبس بھی انھیں سیاحوں میں سے ایک مشہور سیّاح تھا جو ہندوستان کا راستہ تلاش کرنے میں سرگرداں اپنے جہاز میں سمندر میں اِدھر اُدھر پھرتا تھا۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ کولمبس بجائے ہندوستان پہنچنے کے ایک اور ہی ملک میں پہنچ گیا۔ جہاں اُس سے پہلے کسی مہذب آدمی کو قدم رکھنے کا شرف حاصل نہ ہوا تھا۔ نہ اس سے پہلے کسی کو معلوم تھا کہ جو ملک اُن کی نظروں میں ہیں اُن کے علاوہ ایک اور ایسا ملک بھی اس دنیا میں ہے جسے وہ نہیں جانتے۔

چنانچہ جب کولمبس نے یہ ملک دریافت کیا اور اپنے ہم وطنوں کو بتایا تو اُنھوں نے اس ملک کا نام نئی دُنیا رکھا۔ جسے آج کل امریکہ کہتے ہیں۔ نئی دُنیا کے دریافت ہونے پر انگلستان کے بہت سے باشندے وہاں جا کر آباد ہو گئے اس کے بعد ہنری ہشتم کے زمانہ میں جو انگلستان کا بادشاہ تھا۔ جب رعایا پر سختی اور ظلم ہوا تو بہت سے لوگ جو تاریخ میں پلگرم فادرس کے نام سے مشہور ہیں دق ہو کر اپنے وطن انگلستان کو خیرباد کہہ کر امریکہ چلے گئے اور اُسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی اور نئی دُنیا جسے اب ہم امریکہ کہتے ہیں آباد ہوتی گئی۔

ابتدا میں امریکہ میں غلاموں کی تجارت کا بازار خوب گرم تھا۔ لوگ افریقہ سے غریب حبشیوں کو پکڑ لاتے۔ اور امریکہ لا کر ان کو غلاموں کی طرح بیچ ڈالتے۔ اور ان بے چارے مظلوموں کے

ساتھ بڑی بدسلوکی اور بے رحمی سے پیش آتے۔

اسی دوران میں خدائے رحیم نے اِن حبشیوں کی سُن لی۔ اور ان پر اپنے رحم و کرم سے یہ احسان کیا کہ سرزمین امریکہ میں جیمز اے گارفیلڈ اور لنکن جیسے قابل آدمی بھیج دیے جنھوں نے غلاموں کے بیچنے کی سخت مخالفت کی۔ اور کہا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک انسان اپنے انسان بھائی کو حیوانوں کی طرح بیچے۔ اگر وہ حبشی ہیں۔ اُن کا رنگ سیاہ ہے تو آخر اس میں اُن کا کیا قصور ہے۔ کہ ہم اُن سے حیوانوں سے بھی زیادہ سخت کام لیں اور اُن کو اُن کے اپنے پیارے رشتہ داروں اور وطن سے محروم کریں غرض ان لائق ہستیوں نے غلام فروشی کو روکنے کے لئے رات دن جان توڑ کوشش کی اور آخر کامیاب ہوئے۔ اور امریکہ میں غلام فروشی کا بازار بند ہوا۔ اور لوگوں نے ترقی کی راہ اختیار کی۔ رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کی کہ آج امریکہ دنیا بھر کے مشہور تجارتی شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ موٹر کا دنیا بھر میں سب سے بڑا کارخانہ امریکہ ہی میں ہے۔ اس کا مالک دنیا کا سب سے بڑا دولت مند مسٹر ہنری فورڈ ہے۔ سینما کے فلم بھی امریکہ ہی میں سب سے زیادہ تیار ہوتے ہیں علاوہ ان کے بہت سی چیزیں امریکہ میں تیار ہوتی ہیں۔ اور دوسرے ملکوں میں اُن کی تجارت ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ امریکہ والوں نے اتنی تھوڑی سی مدت میں اس قدر ترقی کی ہے کہ دیکھنے والے دانتوں میں اُنگلیاں دباتے ہیں۔

امریکہ جیسے ملک کا اگر پورا حال لکھا جائے تو پیام بھائی ہمارا یہ ایک رسالہ تو کیا ایسے ایسے کئی پرچے ہوں تب بھی ناکافی ہوں گے۔ اس لئے اس دفعہ اتنا ہی کافی ہے۔ آیندہ پرچے میں اگر خدا نے چاہا تو ہم تمھیں امریکہ کی اور بہت سی باتیں بتائیں گے۔ جو بہت دلچسپ ہوں گی۔

ایم۔ اے۔ انصاری۔ بھوپال

سمندر کا عجائب خانہ

۳- دریائی ریچھ - سیل کی دوسری قسم دریائی ریچھ ہے۔ سیل میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ اس کے کان باہر کی طرف نکلے ہوتے ہیں۔ اور دونوں پاؤں سیل کی مانند باہم ملے ہوئے نہیں ہوتے۔ بلکہ جُدا جُدا ہوتے ہیں۔ یہی وہ مخصوص سیل ہے جس کی پشمینہ دار کھال بڑی قیمت سے بکتی ہے۔ اس کا شکار اس کثرت سے کیا جاتا تھا کہ اس کی نسل دنیا سے تقریباً مٹ گئی ہوتی۔ مگر بڑی بڑی حکومتیں ان کی اس ہلاکت کو روکنے کے لئے آپس میں سمجھوتہ کرکے اُن دریاؤں کی نگرانی کرنے لگیں جہاں یہ جانور رہتے ہیں تاکہ انھیں کوئی ہلاک نہ کرسکے۔ اسپرم ویل کی طرح دریائی ریچھ بھی سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں باہم مل کے زندگی بسر کرتے ہیں۔ سیل کا خشکی کا جانور ہونا اس امر سے ثابت ہے کہ یہ اپنے

بچوں کو تیرنا سکھاتا ہے۔ کیونکہ اس کا بچہ مچھلی کے برخلاف پیدا ہوتے ہی تیر نہیں سکتا۔ اور ہر قسم کے سیل کو ویل کی طرح ہوا میں سانس لینے کی ضرورت ہے۔ برف بستہ سمندروں میں جو سیل برف کے نیچے رہتے ہیں وہ سانس لینے کے لئے برف میں سوراخ کرلیتے ہیں۔ مگر ویل کے مانند گھنٹوں پانی میں نہیں رہ سکتے۔ بلکہ آدھے گھنٹے کے اندر انھیں سانس لینے کے لئے باہر آنا پڑتا ہے۔ دریائی ریچھ کی ایک اور قسم ممالک متحدہ امریکہ کے شمال مغربی ساحل پر اور شمال مشرقی ایشیا کے برف بستہ علاقے یعنی بہرنگ اسٹریٹ کے قرب و نواح میں پائی جاتی ہے۔ اس کو دریائی شیر کہتے ہیں۔ دریائی شیر کیوں نام رکھا گیا اس کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس میں نہ تو شیر کی سی خونخواری ہے نہ جسمانی مشابہت ، یورپ اور

ایشیا کے شکاریوں نے ان بھولے بھالے جانوروں کو ان کی چربی اور کھال کی خاطر اتنا مارا کہ اگر حکومتوں کی طرف سے ان کی حفاظت نہ کی جاتی تو ان کا نام و نشان بھی دُنیا سے مٹ جاتا یہ جانور بھی گلّوں کی شکل میں زندگی بسر کرتا اور سال کا اکثر حصّہ کنارے سے بہت دور سمندر میں تیرتا رہتا ہے۔ مگر موسم بہار میں ساحل کی طرف بچے جننے کے لئے واپس آتا ہے۔ اس جانور کے سال میں صرف ایک بچہ ہوتا ہے اور ماں اپنے بچوں سے ایسی محبت کرتی ہے جیسے انسان۔ گھوڑے، کتّے اور اونٹ کی طرح سیل بھی آسانی سے سدھایا جا سکتا ہے۔ بعض ساحل کے قریب رہنے والے مچھیرے اور روسی دہقانوں نے تو انھیں ایسا سدھایا ہے کہ نام لے کر پکارنے سے کتّے کی طرح آتا اور جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ کسی روسی کے یہاں ایک کتّا اور سیل دونوں پلے ہوئے تھے ایک سال برف اس شدت سے پڑی کہ موسم گرما میں بھی زمین برف سے ڈھکی ہی رہی نہ دہقان ہی کو کچھ کھانے کو میسر آسکا نہ اُن جانوروں کو، کتّا تو بھوک کے مارے مرگیا۔ دہقان نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا کہ ہمارے ساتھ یہ جانور بھی بھوکے مر رہے ہیں کم سے کم اس سیل کو تو سمندر تک پہنچا دوں یہ کہہ کر اور حوض میں سے سیل کو نکال کر سمندر میں ڈال آیا۔ وہ رات تو ایسے ہی گذر گئی دوسرے دن صبح کو جب دہقان نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ سیل ہانپتا کانپتا دروازے کے آگے لیٹا ہوا ہے۔ دو میل کا راستہ طے کرکے برف سے آنے میں تیز برف کی نوکوں نے اس کے جسم کو جا بجا سے زخمی کر دیا ہے۔ اور دو بڑی بڑی مچھلیاں مُنھ میں لئے ہوئے ہے جوں ہی دہقان نے دروازہ کھولا یہ اُچکتا کودتا اندر داخل ہوا۔ اور دونوں مچھلیاں دہقان کی بیوی کے سامنے ڈال کر اس کی گود میں سر رکھ دیا۔ گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ میں اپنی غذا کا آپ انتظام کر لونگا۔ تم مجھے گھر سے کیوں نکالتے ہو۔

سید محمد عسکری

افریقہ کے چند جانور

۳- دریائی گھوڑا

افریقہ کے تمام دریاؤں اور جھیلوں میں عام طور پر یہ جانور پایا جاتا ہے پہلے زمانہ میں تو یہ مصر کے جنوبی حصّہ میں بھی کثرت سے پایا جاتا تھا۔ مگر اب نیل میں صرف دہانے کے قریب پایا جاتا ہے۔ یہ دریائی جانوروں میں سب سے زیادہ موٹا اور جسیم جانور ہے۔ اس کا بدن گول ہوتا ہے اور اس کے پیٹ کی گولائی ۱۵ سے ۲۰ فٹ تک ہوتی ہے۔ آنکھیں بڑی اور کان جسامت کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس کے جسم پر بال بالکل نہیں ہوتے۔ اس کا رنگ کالا اور بھورا ہوتا ہے۔ اور قد ۱۳ سے ۱۵ فٹ تک ہوتا ہے۔ اور وزن میں یہ تقریباً تیس آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ جانور اپنا زیادہ وقت پانی میں گذارتا ہے۔ مگر پانی میں ٹھہر نہیں سکتا۔ غوطے لگانے کے بعد اس کو تین چار منٹ کے بعد سانس لینے کے لئے سطح پر آنا پڑتا ہے۔ یہ دن میں سونے کے لئے یا تو اوتھلے پانی میں آجاتا ہے۔ یا کنارے پر آکر سوتا ہے۔ رات کے وقت یہ گہرے پانی میں چلا جاتا ہے۔ اور وہیں تیرتا رہتا ہے اس کی آواز بڑی زوردار اور خطرناک ہوتی ہے۔ جب یہ دو چار مل کر چلاتے ہیں تو اس وقت بڑا شور ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ شیر تک ان کی آواز سن کر ٹھٹھک جاتا ہے۔ اس کی خوراک دریائی پودے اور گھاس ہے۔ مگر جب یہ خشکی پر آ جاتا ہے تو وہاں کی ہری ہری گھاس بھی خوب چرتا ہے۔
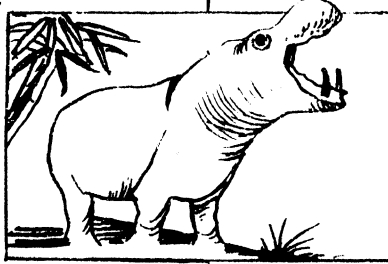
افریقہ کے وحشی قبائل کے لوگ اس کا شکار کھیلنے میں بڑے مشاق ہوتے ہیں

یہ لوگ دو ڈونگیوں کو ایک ساتھ ملا کر باندھ لیتے ہیں - اور پھر اس پر گھاس وغیرہ بچھا کر ان کو برابر کر لیتے ہیں - اس پر آٹھ دس آدمی لمبے اور تیز بھالے - کٹار اور دوسرے تیز ہتھیار لے کر بیٹھتے ہیں - جب جانور ان کے قریب آتا ہے تو یہ اس کے سر پر پوری طاقت سے نیزہ مارتے ہیں - نیزہ گھستے ہی جانور پانی میں چلا جاتا ہے اور اس کے خون سے پتہ چل جاتا ہے کہ جانور کدھر ہے - اب یہ لوگ پھر اس کے پیچھے چلتے ہیں اور چونکہ یہ جانور پانی میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا - اس لئے سانس لینے کے لئے سطح پر آتا ہے - وہاں پھر اس پر حملہ کیا جاتا ہے - آخرکار یہ بُری طرح زخمی ہو کر نیچے چلا جاتا ہے - اور پھر دو چار گھنٹے کے بعد اس کی لاش ہی اوپر آتی ہے - مگر اس کا شکار بڑا خطرناک ہے - کیونکہ بعض اوقات یہ غصے میں ڈونگی میں ٹکر مار دیتا ہے - جس سے ڈونگی اُلٹ جاتی ہے - اس لئے اس کا شکار وہی لوگ کرتے ہیں جو اچھے تیراک بھی ہوتے ہیں - بعض وقت یہ آدمی کو مار بھی ڈالتا ہے - اس کا گوشت افریقہ میں بڑی رغبت سے کھایا جاتا ہے - اور جس دن کوئی دریائی گھوڑا مار ڈالا جاتا ہے اُس دن سارے قبیلے کی دعوت کی جاتی ہے - اس کے بدن سے کافی چربی نکلتی ہے - اور اس کی کھال کی زین - ڈھال بیگ اور دوسری چیزیں بنائی جاتی ہیں - اس کے دانت بھی قیمتی ہوتے ہیں اور ان کی بھی مختلف چیزیں بنتی ہیں -

۴ - زراف یا شتر گاؤ

یہ دُنیا کا سب سے زیادہ اونچا اور لمبا حیوان ہے - بالکل گھوڑے کی طرح ہوتا ہے مگر اس کی ٹانگیں اور گردن بہت لمبی ہوتی ہیں اس کا قد عموماً ۱۸ - ۲۰ فٹ کے درمیان ہوتا ہے - یہ جانور وسطی اور جنوبی افریقہ کے ہر حصے میں حتیٰ کہ صحرائے کلہاری میں بھی پایا جاتا ہے - اس کی خوراک درختوں کی پتیاں ہیں - افریقہ میں
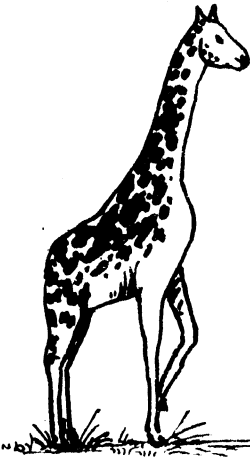
درخت بھی خوب اونچے ہوتے ہیں۔ اس لئے قدرت نے اس کی زبان بھی بہت لمبی بنائی ہے۔ اور یہ اس کو شاخ کے گرد لپیٹ کر پوری شاخ توڑ لیتا ہے۔ لمبی ٹانگوں کی وجہ سے وہ میدانوں میں دُور دُور کی چیز دیکھ لیتا ہے۔ اور دشمن کو دُور ہی سے دیکھ کر فرار ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کھال پر ایسی چتیاں یا دھبے ہوتے ہیں کہ درختوں میں کھڑا ہو تو پہچانا نہیں جاتا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک لمبا درخت کھڑا ہو اور اس کے پتے دھوپ میں چمک رہے ہیں اس میں اونٹ کی طرح یہ صفت بھی ہے کہ کئی کئی دن تک بغیر پانی پئے رہ سکتا ہے۔

محمد احمد سبزواری۔ بھوپال

نظام الملک اور ایک بوڑھا فقیر

نظام الملک بڑا فاضل اور قابل وزیر تھا اس کی خدمت میں بڑے بڑے عالم اور نامور لوگ آیا کرتے تھے اور نظام الملک کا یہ دستور تھا کہ اُن کی تعظیم کے لئے یہ اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور انھیں اپنی مسند پر بٹھاتا تھا ایک بوڑھا فقیر بھی اکثر آیا کرتا تھا۔ اس کی عزت بھی یہ وزیر اسی طرح کرتا جس طرح اوروں کی کیا کرتا تھا۔ کہ اس کو مسند پر اپنی جگہ بٹھاتا اور خود اس کے سامنے بیٹھ جاتا۔ ایک بار نظام الملک سے لوگوں نے کہا یہ کیا بات ہے۔ جو آپ ایک غریب جاہل فقیر کو یہ مرتبہ دیتے ہیں۔ نظام الملک نے جواب دیا جتنے بڑے بڑے لوگ میرے پاس آتے ہیں سب میری جھوٹی تعریفیں کرتے ہیں۔ اور جو خوبیاں مجھ میں نہیں وہ بیان کر دیتے ہیں۔ اِن باتوں سے مجھ میں خود نمائی اور غرور کی شان زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ بزرگ فقیر جب آتے ہیں تو مجھے میرے عیبوں سے آگاہ کرتے ہیں اور میری برائیاں میرے مُنھ پر کہہ دیتے ہیں۔ اس سے میری اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور مجھ میں انکسار پیدا ہو جاتا ہے اور جن بُرائیوں میں مبتلا ہوتا ہوں ان سے نجات پاتا ہوں۔ اس وجہ سے ان کی سب سے زیادہ عزت کرتا ہوں۔ لوگ نظام الملک کی اس ایمان داری اور نیکی کو مان گئے

(مولانا) محوی لکھنوی

(۲)

امرت سر سے سیالکوٹ کو دو راستے جاتے
ہیں ۔ ایک لاہور ہوتا ہوا ۔ اور ایک پسرور،
مگر یہ کچی سڑک ہے ۔ لیکن آسانی یہ ہے کہ ایک
دن پہلے پہنچ جاتے ہیں ۔ چنانچہ یہی طے ہوا
کہ اسی سے چلیں ۔ بیس میل چلنے کے بعد یہ سڑک
اس قابل بھی نہ رہی کہ آسانی سے پیدل چل
سکیں ببول کے درخت دونوں طرف تھے ۔ ریت
اس قدر گرم کہ الاماں ، ذرا اچک کر آگے نظر دوڑائی
تو معلوم ہوا کہ دور تک ریت ہی ریت " قہر درویش
بجان درویش ،، چلتے رہے ۔ آگے دریائے راوی
بہتا ہے ، اب ہمارے اور اس کے درمیان ایک
فرلانگ کا فاصلہ تھا جون کا مہینہ ۔ ۳ بجے کا وقت
لو زوروں پر چل رہی تھی ۔ ریت اس قدر گرم کہ
چنے ڈال دو تو بھن جائیں ۔ پیروں نے جواب
دے دیا ۔ اور ہم بے تحاشا چیخنے لگے ۔ چند گاؤں
والوں کو ہماری اس صحرانوردی پر ترس آیا ، آکر
سائیکلیں کنارہ تک پہنچا دیں ۔ یہاں اقبال
صاحب نے ہم سب کی ایک تصویر لی ۔ پھر کشتی
پر بیٹھ کر پار ہوئے ، اس طرح یہ راستہ مشکلوں
سے طے کرتے سیالکوٹ پہنچے ۔ یہاں سے جموں
تیس میل ہے ۔ سیالکوٹ سے جتنی دور ہوتے جاتے
تھے ۔ گرمی کم ہوتی جاتی تھی ۔ رات کو آٹھ بجے
ہمیں جموں شہر کی روشنیاں نظر آئیں ۔ یہیں سے
پہاڑی علاقہ شروع ہوتا ہے ۔ ہماری زبان سے
بیساختہ نکلا " لو مبارک نظر آنے لگے منزل کے نشاں "
جموں میں دو دن کے قیام کے بعد سرینگر روانہ ہو گئے
اب بالکل پہاڑی علاقہ تھا ۔ غالباً دو دن کے سفر
کے بعد ہم رام بن پہنچے ۔ ۱ بجے صبح کھانا کھایا اور
ایک درخت کے نیچے پڑ کر سو رہے ۔ ماسٹر صاحب
کی چونکہ آج کچھ طبیعت خراب تھی ۔ لہذا ۵ بجے یہ

کہہ کر روانہ ہوگئے کہ" میں آہستہ آہستہ چلتا ہوں
تم لوگ شام کا کھانا کر، ۶ بجے کے قریب چلنا، صرف
دس میل چلنا ہے۔" ماسٹر صاحب تو چلے گئے۔ ہم نے
کھانے کی تیاری شروع کردی، اسٹو پر ماش کی
کالی دال پکائی اور روٹی بازار سے منگائی گئی۔
کھانا شروع کردیا۔ معلوم ہوا کہ دال کچھ کچی رہ گئی
مگر معدہ خدا کے فضل سے اس قدر صحیح کہ پتھر کھائیں
تو گل جائے۔ خیر جناب! ہم فارغ ہو، روانہ ہوگئے۔
باوجود اس کے کہ ہم تین تھے اور کوئی مصیبت
آتی بھی تو ماسٹر صاحب اکیلے کیا کرلیتے۔ مگر شام کا
وقت سنسان راستہ، چاروں طرف پہاڑ۔ چشموں
کے بہنے کی سنسناہٹ۔ ہوش اُڑے جاتے تھے۔ اتنی
تیزی سے سائیکلیں چلائیں کہ اونچ نیچ سب
بھول گئے۔ وہی لطیف جو سب سے پیچھے رہا کرتا
تھا اب سب سے آگے تھا۔ تیزی سے چلے جارہے
تھے کہ میرے سامان کی رسی ٹوٹی اور ایک ایک
چیز راستہ میں منتشر ہوگئی۔ کمبخت اس کو ٹوٹنا بھی
اسی وقت تھا۔ جلدی جلدی سب چیزیں سمیٹیں
باندھیں اور پھر وہی تیزی۔ ۸ بجے کے قریب ایک گاؤں
میں پہنچے۔ تو سیٹی کی آواز سنی۔ جو ماسٹر صاحب نے
بجائی تھی۔ اب جان میں جان آئی۔ اور خدا کا شکر
ادا کیا۔ غرض اسی پرتکلف طریقہ سے ہم نے یہ پہاڑی
سفر چھ دن میں طے کیا اور سری نگر پہنچ گئے۔

سری نگر میں ایک ڈاکٹر آنری صاحب اسکاوٹ
کمشنر ہیں۔ ان کا پتہ ہمیں معلوم تھا۔ چنانچہ ان سے
ملے۔ انھوں نے ہمیں ایک ہوٹل میں ٹھہرا دیا۔
سیاح اور طالب علم سمجھ کر ہوٹل والے نے رعایت
بھی کی۔ مگر سوا روپے روز سے کم کرایہ نہ ہوسکا۔ ہمارے
بس سے یہ بات باہر تھی۔ اس لئے ہم عبدالمالک
صاحب کے یہاں چلے گئے۔ یہ جامعہ کے طالب علم
رہ چکے ہیں۔ کھانا ہم خود پکایا کرتے تھے۔ آب و نمک
عموماً اچھا ہوا کرتا تھا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اچھے اچھے
کھانے بھی کھائے ہیں۔ دعوتیں بھی اُڑائی ہیں۔ مگر
جیسا یہ کھانا ہوتا تھا، ایسا تو کبھی آئندہ ایسے ہی
کسی اور موقع پر نصیب ہوگا۔ تو کشمیر کی خوب خوب
سیر کی۔ شالامار باغ دیکھا۔ نشاط باغ دیکھا۔ مگر
ان کی خوبصورتیوں کی تعریف کروں تو کیسے۔ اول
تو قلم میں اتنی طاقت ہی نہیں۔ اور اگر کوشش بھی
کی جائے تو کاغذ میں اتنی گنجائش نہیں طرح طرح
کی خوبصورت مکانی کشتیاں دیکھیں ان میں لوگ
پرلطف زندگی بسر کرتے تھے۔ ہمارے لئے اس
میں پیسے کی کمی کی وجہ سے رہنا ناممکن تھا۔ ہم جب

شالامار جاتے تو کشتی دن بھر کے لئے کرایہ کر لیا کرتے تھے۔ اور وہیں سے خرید کر خوب پھل کھایا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں سری نگر میں ہندو مسلم فساد بھی ہوا۔ سیلاب بھی آیا۔ مگر ہماری تفریحیں جاری رہیں۔ جہاں اور مقامات دیکھے ان میں قابل ذکر خاص طور سے یہ ہیں۔ کہ ہم گل مرگ گئے۔ یہاں جانے کے لئے لاری صرف تنگ مرگ تک جاتی ہے۔ یہاں سے گل مرگ دو میل پگ ڈنڈی سے اور غالباً ۴ میل سڑک سے رہ جاتا ہے۔ پگ ڈنڈی کا راستہ بہت دشوار ہے۔ ہم پگ ڈنڈی سے گئے تھے۔ راستہ کے دونوں طرف بے اندازہ خوشنما اور رنگین پھول تھے۔ رات گذار کر اگلے دن گھوڑوں پر کھلن مرگ پہنچے۔ یہاں برف دیکھی جس سے کھیلے لطف اُڑائے۔ واپسی میں گھوڑوں کی دوڑ کرتے آئے۔ مگر یہ نہ سمجھئے کہ ڈھلان پر دوڑ کی۔ نہیں میدان میں ورنہ گھوڑے کا پیر پھسلتا اور ہم نیچے ہوتے۔

سری نگر میں ہم نے تقریباً ایک مہینہ گذارا خوب خوب تفریح کی اور ۱۵ جولائی کو راولپنڈی کے راستہ سے دہلی کو روانہ ہوگئے۔ اس دن ہم نے کچھ ڈھلان کی وجہ سے کچھ تازہ دم ہونے کی وجہ سے ایک دن میں ۹۸ میل سفر کیا۔ اگر دو میل بعد کوئی گاؤں ہوتا تو ہم ضرور باوجود تھک جانے کے پورے ۱۰۰ میل کر لیتے۔ ماسٹر صاحب نے کہا بھی: "بھئی پلنگ کے ارد گرد ہی گھوم لو، یہ دو میل پورے کر لو"۔ ہم اس دن اتنا چلے جتنا وہ لاریاں چلیں، جو صبح ہمارے ساتھ سری نگر سے چھوٹی تھیں۔ راولپنڈی کا راستہ بہت خطرناک ہے، پہاڑ ہر وقت گرتا رہتا ہے۔ ماسٹر صاحب کہا کرتے تھے کہ "بھئی جلد ہی نکل چلو کہیں پتھر نہ آپڑے"۔ سری نگر سے راولپنڈی دو دن میں پہنچے۔ یہاں سے لاہور تک ہمارے ساتھ ایک سائیکل سوار محکمہ پولیس کا رہتا تھا۔ اس لئے کہ ہمیں پولیس والے بم پارٹی کا سمجھتے تھے۔ یہ لوگ دس دس میل چلتے تھے اور ہماری تیزی کی وجہ سے چکنا چور ہو جاتے تھے۔ راستہ میں ہم انھیں چھیڑنے کو اور بھی تیز ہو جاتے تھے۔ مگر لاہور میں جب تحقیق ہو گیا کہ ہم بم پارٹی کے ممبر نہیں تو پھر ان کا ساتھ چھوٹا۔ لاہور سے چل کر ایک دن میں ہم جالندھر پہنچے۔ یہ فاصلہ ۸۸ میل کا ہے۔ یہاں عبد القادر صاحب کے یہاں ٹھہرے تھے۔ آپ جامعہ کے پرانے طالب علم ہیں۔ آپ کی محبت نے ہمارے دلوں میں اس قدر گھر کر لیا تھا کہ اس وقت یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم گھر پہنچ گئے اور گویا ہماری منزل یہی تھی۔ یہاں ہمیں جامعہ کا خط ملا کہ بجائے یکم

اگست کے ۵ کو پہنچو۔ چنانچہ فرصت غنیمت جان کر ہم شملہ بھی ہو آئے۔ ۶۔ اگست کو دہلی پہنچے۔ بڑی دھوم دھام سے روشن آرا باغ میں ہمارا استقبال ہوا فوٹو کھینچے گئے نظمیں پڑھی گئیں۔ ہار اتنے پہنائے گئے کہ گردنیں جھکی جاتی تھیں۔ اس کے بعد خوشی خوشی اپنے دار الاقامہ بشیر منزل پہنچ گئے۔

آپ ذرا آپ تا سیس نمبر کی تصویروں میں بشیر منزل بھی دیکھ لیجئے۔ یہی ہماری رہنے کی جگہ اور تربیت گاہ ہے۔ اسے دیکھ کر ہمارے ساتھ دعا کیجئے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سفر کی آرزو ہے۔ خدا اُن کی بھی پوری کرے آمین۔

(از عبد الرحیم جوہر)

ایک بادشاہ اپنے ملک کا لگان وصول کرنے کے لئے کسی ایمان دار آدمی کی تلاش میں تھا۔ بادشاہ کے ایک بوڑھے وزیر نے مشورہ دیا کہ سارے ملک میں اس بات کی خبر کر دیجئے۔ اور جو لوگ ایمان داری سے یہ کام انجام دینے کی ذمہ داری اپنے سر لیں انھیں ایک خاص تاریخ کو اپنے محل میں بلایئے۔ جب تمام اُمیدوار حضور کے روبرو محل میں جمع ہو جائیں تو آپ اُن سے ناچنے کے لئے کہیں اور پھر میں حضور کو بتا دوں گا کہ کون اِن میں ایمان دار اور نوکر رکھنے کے قابل ہے" بادشاہ اس پر راضی ہو گیا۔

اس خاص تاریخ کو تمام اُمیدوار ایک تنگ اور اندھیرے راستہ سے بادشاہ کے محل میں لائے گئے۔ جب سب بادشاہ کے تخت کے سامنے جمع ہو گئے تو بادشاہ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا:۔ "عزیزو میں تمھارا ناچ دیکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن سوائے ایک کے کوئی بھی راضی نہ ہوا۔ اور طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگے۔ صرف ایک شخص نے فوراً شاہی حکم پر عمل کیا اور ناچنے لگا۔

ناچنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عقل مند

وزیر نے کہا یہی آدمی ایمان دار اور نوکر رکھنے کے قابل ہے۔ بات یہ ہے کہ اس تنگ و تاریک راستہ میں وزیر نے ان لوگوں کی جانچ کے لئے اشرفیوں اور روپیوں کے تھیلے رکھ دیئے تھے۔ اور جو شخص بھی اس راستہ سے گذرتا تھا ان روپیوں اور اشرفیوں کو دیکھ کر اُس کے مُنھ میں پانی بھر آتا تھا۔ اور وہ اپنی جیبیں اُن سے بھر لیتا تھا۔ صرف ایک شخص تھا جو اس امتحان میں پورا اُترا اور اپنے ایمان جیسی قیمتی چیز کو ان روپیوں اور اشرفیوں پر قربان نہیں کرنا چاہتا وہی آدمی وزیر کی نظر میں ایمان دار ٹھہرا۔ ادھر اور سب لوگوں کی چونکہ جیبیں بھری ہوئی تھیں اگر ناچتے تو آواز پیدا ہوتی اور سارا بھید کھُل جاتا اسی لئے وہ نہیں ناچے اور حیلے حوالے کرکے رہ گئے

بادشاہ نے بھی صرف اسی ایمان دار آدمی کو نوکری کی عزت بخشی۔ اور باقی سب کو ذلت و خواری کے ساتھ نکال دیا۔

گرم اور سرد لباس

(جناب نور شاہ صاحب مدرس تعلیمی مرکز جامعہ)

پیام بھائیو! گرمیوں میں آپ مہین اور باریک کپڑے پہنتے ہیں۔ سردیوں میں اونی اور گرم۔ اگر سردیوں میں آپ ململ کا مہین کپڑا پہنتے رہیں تو مارے سردی کے ٹھٹھر جائیں۔ اور اگر گرمیوں میں گرم کپڑے بدن پر لادلیں تو گرمی سے بُرا حال ہو جائے۔ کیا کبھی اس پر بھی آپ نے غور کیا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ آیئے آج ہم آپ کو بتائیں۔

سردی کے موسم میں آپ روئی کا لحاف اوڑھتے ہیں۔ اون کی شیروانی کوٹ اور قمیص پہنتے ہیں۔ گویا یہ سب چیزیں آپ کو پہننا پڑتی ہیں۔ مگر یہ تو بتایئے کہ یہ گرمی آپ کے کوٹ یا قمیص میں ہوتی ہے؟ عام طور پر ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے مگر ایسا ہے نہیں۔۔۔

سردیوں میں جب آپ صبح کے وقت کھونٹی سے کوٹ اتار کر پہنتے ہیں، تو وہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر پہننے سے گرم معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ گرمی اس میں کہاں سے آگئی۔ کوٹ کے باہر کا حصہ ذرا چھو کر دیکھئے وہ تو اب بھی پہلے کی طرح ٹھنڈا ہے، اچھا اب اپنے جسم کے اس حصہ کو چھو کر دیکھئے جو کوٹ کے اندر ہے لیجئے وہ گرم ہے۔ یہ گرم کیوں ہے؟ گرمی دو ہی چیزوں سے پیدا ہو سکتی ہے یا تو جسم سے یا کپڑوں سے کیوں کہ باہر کی ہوا تو بہت ٹھنڈی ہے۔ پہنتے وقت کوٹ بھی سرد تھا۔ اس کا باہر کا حصہ اب بھی ٹھنڈا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کوٹ سے نہیں نکلی۔ بلکہ جسم ہی میں موجود تھی جو کوٹ پہننے سے پہلے جسم سے باہر نکل جاتی تھی لیکن کوٹ نے اسے باہر نکلنے سے روک دیا اور اندر ہی محفوظ رکھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کوٹ یا کوئی اور کپڑا گرم نہیں ہوتا

آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو دوسری چیزوں کے لئے روک یا آڑ بن جاتی ہیں۔ اور انھیں بکھرنے اور منتشر ہونے سے روکتی ہیں۔ مثلاً گلاس پانی کو، پردہ روشنی کو اور ہانڈی کا ڈھکن گرمی کو لیکن اسی طرح گرم کپڑے گرمی کو باہر نکلنے سے روکتے ہیں اور لوگ اسی لئے سردیوں میں خوب موٹے گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ اور گرمیوں میں چونکہ گرمی کو جسم میں محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے ململ اور اسی قسم کے مہین کپڑے پہنتے ہیں۔

لطیفہ

اکبر نے ایک مرتبہ بیربل سے پوچھا کہ ہماری ہتھیلی پر بال کیوں نہیں۔ بیربل نے کہا حضور ہاتھوں سے روپیہ بخشتے ہیں۔ اور خیرات کرتے ہیں اس لئے بال نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا تمھاری ہتھیلی پر بال کیوں نہیں بیربل نے کہا حضور مجھے انعام اکرام دیتے ہیں۔ اس لئے روپیہ کی رگڑ سے میری ہتھیلی پر بھی بال نہیں

اکبر نے پوچھا پھر اوروں کی ہتھیلیوں پر؟ بیربل نے کہا حضور مجھے انعام دیتے ہیں تو دوسرے حسد اور غصے سے جلتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہتھیلیوں پر بھی بال نہیں۔

(اقبال الدین احمد۔ علی گڑھ)

انعامی

معمّا

(از جناب عثمان الرحمن صاحب میرٹھ)

۴		۳	۲	■	۱	■
	■		۶	■		۵
■	۹			۸	۷	■
		۱۱	■			۱۰
■			۱۳			۱۲
	۱۵	■		۱۴	■	
■		■				۱۶

(اشارات)

اوپر سے نیچے

۱- بھاگوان

۲- بات

۳- ایک براعظم

۴- ایک قسم کی گاڑی

۸- بندگی کرنے والا

۹- ایک خاص قوم کا رسول

۱۰- ایک اردو شاعر

۱۳ ملائم

(اشارات)

دائیں سے بائیں

۲- میٹھا

۵- وقت ظاہر کرنیوالا ایک لفظ

۶- حرف ندا

۷- برہمی

۱۰- بہشت

۱۱- دن

۱۲- انسانی آبادی کا حصہ

۱۴- سونا

۱۵- حرف ندا

۱۶- خدا کا نام

ہدایات

(۱) صحیح حل بتلانے والوں کو ایک اچھی سی کتاب انعام میں دی جائیگی۔

(۲) صحیح حل زیادہ تعداد میں آئے تو فیصلہ قرعہ سے ہوگا۔

(۳) حل کے ساتھ ٹکٹ بھیجنا ضروری نہیں صرف نیچے لکھے ہوئے کوپن کو بھر کر بھیج دینا کافی ہوگا

۴- شائع ہونے کے پندرہ دن بعد تک حل قبول کئے جائیں گے۔

نام .. .. عمر .. ..
اسکول .. ..
پورا پتہ .. ..

اس کوپن کو بھر کر اور اس رسالہ میں سے پھاڑ کر بھیج دیجئے بغیر اس کے آپ کا صحیح حل بھی بیکار ہوگا۔

حل اس پتہ پر بھیجئے :-

"ایڈیٹر پیام تعلیم - مکتبہ جامعہ قرول باغ - دہلی"

دو دو باتیں

سال گرہ نمبر میں جو انعامی معمّے شائع ہوئے تھے اُن کے حل برابر آرہے ہیں۔ یہ معمّے بہت آسان ہیں۔ اس لئے ہمیں اُمید ہے کہ صرف چھوٹے بچّے ہی ان میں حصّہ لیں گے اور چھوٹے بچوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ حل بھیجنے میں جلدی کریں تاکہ پہلی دسمبر تک ہمیں سب حل وصول ہوجائیں اور ہم ۷ ر یا زیادہ سے زیادہ ۲۱۔ دسمبر کے پرچہ میں انعام کا اعلان کردیں۔

اس نمبر میں بھی ایک معمّا شائع ہورہا ہے وہ خاص نہیں ہے۔ پیام بھائیوں میں سے ہر ایک اس میں حصہ لے سکتا ہے۔ اب انشاء اللہ پیام تعلیم کے ہر نمبر میں ایک یا دو معمّے ضرور شائع ہوں گے۔

پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کی تیاری میں ہمیں بہت تھوڑا وقت ملا۔ علاوہ اس کے اس زمانہ میں کام کرنے والے ملیریا میں مبتلا تھے۔ پھر بھی خدا کا شکر ہو کہ ہم سے ایسی حالت میں جو کچھ بھی ہوسکا سب نے اُسے پسند کیا۔

سال گرہ نمبر کی تعریف میں برابر خط آرہے ہیں ہم یہاں ان میں سے صرف دو خط نقل کرتے ہیں۔

ایڈیٹر صاحب چلڈرنس نیوز دہلی لکھتے ہیں:۔

"پیام تعلیم کے تاسیس نمبر کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس کے معیار کی بلندی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس پرچہ میں جامعہ کی بعض تصویریں بہت دلچسپ ہیں میں ان تصویروں کو اپنی پرچہ میں بھی شائع کرونگا۔"

ہمارے ایک مضمون نگار لکھتے ہیں:۔

مکرمی تسلیم۔ پیام تعلیم کا تاسیس نمبر موصول ہوا بعد شکریہ..... ایک تو پرچے کا دوسرے مضمون شائع کرنیکا پرچہ بہت ہی اچھا ہے۔ مضامین کا انتخاب بھی بہت ہی موزوں ہو شروع کے دو مضمون بہت ہی اہمیت رکھتے ہیں"..... (محمد بشیر الدین ماک لیٹڈ سیف آباد حیدرآباد دکن)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱ قیمت سالانہ دو روپیہ ۸ آنہ

دو دو باتیں

جامعہ کے بچوں کے مدرسے (تعلیمی مرکز نمبر ۱) میں ہر سال میلاد النبی کا جلسہ کیا جاتا ہے، یہ جلسہ دوسرے میلادوں سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ اس میں شروع سے آخر تک سارا انتظام اپنے استادوں کی رہنمائی میں خود بچے ہی کرتے ہیں، وہی آپس میں چندہ جمع کرتے ہیں وہی جلسے میں شرکت کے لئے دعوت نامے بھیجتے ہیں وہی مختلف کتابوں سے آں حضرت کے حالات جمع کرتے اور آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مضمون لکھتے ہیں۔ پڑھنے کے لئے اچھی اچھی نظمیں انتخاب کرتے ہیں۔ جلسہ کے لئے بڑے سلیقہ سے ہال کو سجاتے ہیں اور جلسہ کے دن سوائے اس کے کہ استادوں میں کسی کو صدر بنا دیا جاتا ہے، سب کام خود ہی انجام دیتے ہیں

اس سال یہ جلسہ ۳۰ر نومبر کی رات کو بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ تمام انتظام بچوں نے بہت ہی سلیقہ سے کیا تھا۔ ان کی تقریریں اور نظمیں بہت اچھی رہیں۔ خاص کر ثبے کی دعا "ایک بہت ہی کم عمر کے بچے نے بالکل بھولے بھالے انداز میں پڑھی اور بے انتہا پسند کی گئی۔ ہم پیام بھائیوں کے لئے یہ دعا انشاء اللہ اگلے پرچے میں درج کریں گے۔

کسی پچھلے نمبر میں ہم نے سال گرہ نمبر کے سلسلہ میں چند تعریفی جملے نقل کئے تھے آج ہم دو تین خط اور نقل کرتے ہیں جو ہمارے بعض معزز مضمون نگاروں نے لکھے ہیں۔ مولانا محمد حسین صاحب محوی اردو لکچرر مدراس یونیورسٹی تحریر فرماتے ہیں:۔

"پیام تعلیم کا خاص نمبر پہنچ گیا شکریہ بہت خوب ہے۔ ایک نظم لکھ کر روانہ ہے جگہ ہو تو شامل کر دیجیے۔"

ہمارے ایک اور پرانے مضمون نگار جناب جیو اد صاحب میرٹھ سے لکھتے ہیں:۔

"پیام تعلیم کا تامیس نمبر مل گیا شکریہ قبول فرمائیے۔ ہر مضمون اپنی اپنی جگہ خوب ہے۔ بچوں کے نام شیخ الجامعہ کا پیام بہت ہی ہمت افزا ہے تصویریں بھی بے حد دلچسپ ہیں۔ دراصل بچوں کے رسالوں میں ایسی ہی تصویریں ہونی چاہئیں جو ان کو کام کرنے کی ترغیب دلائیں۔ غرض یہ نمبر ہر لحاظ سے کامیاب ہے۔ میں عملۂ ادارت کو ایسا نمبر شائع کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں اور بچوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایسے رسالہ کی ہر ممکن مدد کریں۔"

جناب علی اسد اللہ خاں صاحب حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"پیام تعلیم کا خاص نمبر اس شان بان کا ملا اور بلا مبالغہ ہر طرح دوسرے پرچوں سے بازی لے گیا۔ پہلے تین مضامین کے متعلق آپ کا شکریہ نہیں ادا کیا جا سکتا۔"

صبح اٹھنا

(جناب حسن سعید صاحب سروی ناظم مسلم لائبریری)

یہ وقتِ صبح کیسا جاں فزا ہے — کہ کرتا ذکرِ حق[1] ہر رونگٹا ہے

سہانا وقت ہے پیارا سماں ہے — منور[3] سب زمین و آسماں ہے

جو چڑیاں شب[2] کو شاخوں پر رہی ہیں — وہ سب حمدِ الٰہی کر رہی ہیں

سحر کا وقت برکت کی گھڑی ہے — لگی بارانِ[4] رحمت کی جھڑی ہے

اٹھو اور برکتیں حاصل کرو تم — ذرا مسرور[5] جان و دل کرو تم

نہیں ہے بے خبر سونے کا یہ وقت — نہیں ہے رائگاں[6] کھونے کا یہ وقت

چمن میں ہر طرف پھیلی ہے خوشبو — ہر اک سو قمریاں کرتی ہیں کو کو

عنادل[7] شاخ گل پر نغمہ زن ہیں — کبوتر انجمن[8] در انجمن ہیں

غٹرغوں اور غٹرغوں کر رہے ہیں — کسی کے عشق کا دم بھر رہے ہیں

ہے کوئل کا اگر مستی کا نعرہ — تو کوّے کا زبردستی کا نعرہ

زباں ہر اک پرندے کی جدا ہے — مگر مقصود بس حمدِ خدا ہے

سحر خیزی[9] سے آتی ہے وہ فرحت — نکل جاتی ہے سب دل کی کدورت

سحر خیزی سے دانائی بڑھے گی — بہت تن کی توانائی بڑھے گی

طبیعت اس سے بے حد تیز ہوگی — رہوگے تم ہمیشہ ورنہ روگی

بنی رہتی ہے اس سے تندرستی — نہیں آتی ہے ہرگز پاس سستی

---

۱ خدا کا ذکر مراد عبادت
۲ رات
۳ روشن
۴ مینہ یعنی رحمت کا مینہ برس رہا ہے۔
۵ خوش
۶ رائگاں کھونا یعنی ضائع کرنا
۷ عنادل۔ بلبلیں یعنی بلبلیں پھول کی شاخ پر
۸ انجمن در انجمن۔ ہجوم۔ مجمع۔ بھیڑ۔ مراد کثرت سے۔
۹ صبح اٹھنا

حیاتین

محترمہ رقیہ ریحانہ صاحبہ

کھانا کچھ نہ کچھ تو سب ہی کھاتے ہیں۔ پر یہ بات سب نہیں جانتے کہ بس پیٹ بھر لینے سے کام نہیں چلتا، چاہے کھانے کیسے ہی مزے کے اور چٹ پٹے ہوں۔ کچھ چیزیں ہیں کہ اگر وہ کھانے میں نہ ہوں تو پیٹ بھرنے پر بھی بدن کی سب ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ آؤ، آج تمھیں ان چیزوں کا ذرا سا حال سنائیں جن کا کھانے میں ہونا بہت ضروری ہے۔

یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ جب لوگ سمندر کا سفر کرتے ہیں تو جہاز پر اپنے ساتھ کھانے پینے کی بہت سی چیزیں رکھ لیتے ہیں۔ سمندر میں تازہ تازہ چیزیں تو مل سکتی نہیں۔ پھل ترکاری جلد سڑ جاتی ہے، اس لئے یہ لوگ گوشت، دال، چاول اور ٹین کے ڈبوں میں بند چیزیں ساتھ لے لیتے ہیں۔

ان جہاز کے مسافروں اور ملاحوں کو کھانا خوب پیٹ بھر کر ملتا ہے۔ لیکن اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ کہیں مسوڑے سوج گئے ہیں، دانتوں میں درد ہے، کبھی بدن کے سارے جوڑ دکھتے ہیں۔ مگر عجیب بات ہے کہ جہاں کسی بندرگاہ پر پہنچ کر خوب نارنگیاں اور سنترے یا کوئی اور تازہ پھل کھائے کہ پھر ٹھیک ہو گئے۔

اس سے لوگوں کو خیال ہوا کہ ہو نہ ہو جہاز کے کھانے میں کچھ کسر ہوتی ہے اور وہ کمی پھلوں سے پوری ہو جاتی ہے۔ یہ خیال تو تھا ہی کہ کوئی پچاس برس ہوئے جاپانی جہازوں کے ملاحوں میں ایک مرض پھیلا جسے "بیری بیری" کہتے ہیں۔ اس مرض میں دل بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ جاوا کے ایک ڈاکٹر نے پتہ لگایا کہ یہ مرض اس وقت پیدا ہوتا ہے جب رگڑے ہوئے چاول کھائے جائیں اور سبزی ترکاری بالکل نہ ملے۔

اسی طرح پتہ لگاتے لگاتے ان لوگوں نے آخر کو سراغ چلا ہی لیا کہ کھانے میں کچھ چیزیں ایسی ضروری ہیں کہ اگر یہ نہ ہوں تو صحت بگڑ جاتی ہے اور لطف یہ کہ یہ چیزیں بہت ہی ذرا سی مقدار میں ہوتی ہیں۔ تھوڑی سی بھی پہنچ جائیں تو کھانا پینا سب ٹھکانے لگ جائے، نہ پہنچیں تو سب اکارت۔ ان چیزوں کا نام لوگوں نے "وٹامین" (Vitamine) رکھا۔ اپنی زبان میں لوگ اسے "حیاتین" کہتے ہیں۔

اس لئے کہ vita کا زندگی کو کہتے ہیں اور حیات کے معنی بھی یہی ہیں۔

اب تک ایسی کوئی چھ چیزوں کا پتا چل چکا ہے اور انھیں وٹامین A, B, C, D, E, G کہنے لگے ہیں۔ یہ اس لئے کہ نہ جانے اور کتنی ایسی چیزیں نکلیں کہاں تک کوئی نئے نام ڈھونڈے گا، چلو یہی ایک ایک حرف لگاتے جاؤ۔ تمھارا جی چاہے تو تم انھیں حیاتین الف، ب، ج، د، ہ، و کہہ سکتے ہو۔

ان میں سے ب اور ج کھانے میں نہ ہوں تو وہی مسوڑوں اور دل کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ دونوں پانی میں گھل جاتے ہیں۔ جن چیزوں میں یہ ہوتے ہیں انھیں پانی میں ابال کر پانی پھینک دو تو اس پانی کے ساتھ یہ بھی نکل جاتے ہیں اور کھانے میں کسر پیدا ہو جاتی ہے۔

حیاتین و بھی پانی میں گھل جاتا ہے۔ اگر کھانے میں یہ نہ ہو تو بدن کے جو حصے کھلے رہتے ہیں ان کا چمڑا ایسا لال ہو جاتا ہے جیسے خون، اور دست بھی آنے لگتے ہیں۔

حیاتین الف، د اور ہ تیل اور چکنائی میں گھل جاتے ہیں۔ د نہ ہو تو بدن بڑھتا کم ہے اور ہڈی کمزور رہ جاتی ہے۔ ہ نہ ہو تو سارا بدن کمزور ہو جاتا ہے۔

تم بھی کہتے ہوگے کہ یہ کیا الف، ب، ج، د کر رکھی ہے۔ ہم کہاں جا کر انھیں ڈھونڈھیں اور کس سے مانگیں۔ کسی سے کہیں کہ ہمیں الف چاہئے یا ب تو وہ کہے گا صاحبزادہ کچھ باؤلے ہوئے ہو۔ تو لو ہم تمھیں بتا دیں کہ یہ کہاں مل سکتے ہیں تمھیں کسی سے جا کر پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بہت سی چیزیں ہیں جو آسانی سے مل سکتی ہیں اور جن میں یہ نرالی چیزیں 'وٹامین' یا 'حیاتین' موجود ہوتی ہیں۔

سیب میں الف، ب، ج اور ہ چار حیاتین ہوتے ہیں۔ آٹے کو چھان کر بھوسی نہ نکال دی گئی ہو تو روٹی میں الف، ب اور ہ 'حیاتین' ہوتے ہیں۔ مکھن میں الف بہت ہوتا ہے۔ گوبھی میں الف، ب، ہ، و ہوتے ہیں۔ اور گاجر میں تو ایک نہ دو پانچ یعنی الف، ب، ج، ہ، و حیاتین ہوتے ہیں۔ اسی طرح انڈے کی زردی میں، دودھ میں، لیمو اور نارنگی میں، پالک کے ساگ، ٹماٹر میں کئی کئی حیاتین ہوتے ہیں۔

اس لئے اگر تندرست رہنا چاہتے ہو، ایسے کہ بدن مضبوط ہو، ہڈی خوب چوڑی ہو، دل دھڑ دھڑ نہ کرے، مسوڑوں سے خون اور پیپ نہ بہے تو بے چھنے آٹے کی روٹی، خوب تازہ پھل اور ترکاریاں کھایا کرو، اور تازہ تازہ دودھ پیا کرو۔

یہ بات اگر تم سمجھ گئے ہو تو اس کا ذکر اپنی اماں اور بہنوں سے بھی کر دو تاکہ وہ کھانے میں تمھیں ایسی چیزیں ضرور دیا کریں جن میں یہ انوکھے حیاتین بھی ہوں۔

مہمان نوازی

(مولانا محمد حسین صاحب محوی لکھنوی)

محمد بن مروان نے ایک بار خلیفہ مہدی سے بیان کیا کہ جس وقت ہمارے خاندان پر تباہی آئی تو میں نوبہ (ایک مقام کا نام ہے) چلا گیا اور میں نے کوشش کی کہ نوبہ کا بادشاہ چند روز کے لئے مجھے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دے دے۔ نیک دل بادشاہ نے بڑی خوشی سے میری یہ درخواست قبول کی بلکہ خود مجھ سے ملنے کے لئے میرے مکان پر آیا۔ بادشاہ کا رنگ کالا اور قد لمبا تھا۔ مجھے بادشاہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو میں بھی کمرے سے استقبال کے لئے نکل کر گیا اور کہا کہ کمرے کے اندر تشریف لے چلئے مگر اس نے انکار کر دیا اور باہر زمین پر ہی بیٹھنا پسند کیا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس تکلف کا کیا سبب ہے؟ آخر میں نے دریافت کیا۔ بادشاہ نے نہایت اخلاق سے جواب دیا "اللہ نے مجھے یہ ملک عطا فرمایا ہے۔ میں میزبان ہوں اور آپ مہمان۔ آپ کی تعظیم کرنا میرا فرض ہے اور تواضع ہی سے مجھے پیش آنا چاہئے۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ آپ تعجب نہ کریں"۔ آخر مجھے خاموش ہو جانا پڑا۔

واہ کیا خاکساری تھی کہ بادشاہوں کو بھی زمین پر بیٹھنا ناگوار نہ تھا۔

لطیفے

استاد: (جغرافیہ پڑھاتے وقت) گنگا! کیا یہ صحیح ہے کہ آج سے سو برس پہلے سکھر میں کپڑے کے بہت سے کارخانے تھے۔

گنگا: ماسٹر صاحب! اس وقت میں موجود نہیں تھا۔

استاد: رامو کل تم غیر حاضر کیوں تھے؟

رامو: ماسٹر صاحب کل میں اسکول آ رہا تھا کہ میں نے ایک بلی سڑک پر گذرتے ہوئے دیکھی بس میں بدشگونی سمجھ کر گھر لوٹ گیا۔

مور

(جناب اکرام الحق صاحب متعلم جامعہ)

یہ بہت ہی خوبصورت اور پیارا پرندہ ہے۔ تم نے اسے جنگل یا باغوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہوگا۔ نکلتی یا ڈھلتی دھوپ میں یہ اپنے رنگ برنگ کے سنہرے اور چمکیلے پروں کے ساتھ کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اپنے بھاری پن کی وجہ سے اڑتا بہت کم ہے لیکن اگر تم اس کے قریب جاؤ گے یا پکڑنے کی کوشش کروگے تو بڑی دور تک اڑتا چلا جائے گا اور کسی درخت یا اونچی دیوار پر جاکر بیٹھ جائے گا۔ غرض تمھارے ہاتھ نہیں آئے گا۔

یہ کوئی ڈیڑھ یا دو فٹ اونچا ہوتا ہے۔ ٹانگیں بھی نو انچ یا ایک فٹ لمبی ہوتی ہیں اور چونچ کوئی ڈیڑھ انچ کی ہوتی ہے۔ رنگ نیلا اور سنہرا، دم بہت لمبی اور اس پر سنہرے رنگ کے پیسے سے بنے ہوتے ہیں۔

مادہ نر سے بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ یہ برسات کے موسم میں جنگل کی جھاڑیوں میں تین چار انڈے دیتی ہے۔ پھر آپ ہی انھیں سیتی اور بچے نکالتی ہے۔ اس کے بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو بطخ کے بچے کے برابر ہوتے ہیں اور ان کا رنگ تیتر کا سا ہوتا ہے۔ جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں رنگ بدلتا جاتا ہے آخر یہ اپنے ماں باپ جیسے ہو جاتے ہیں۔ اگر ان بچوں کو کوئی پکڑنے کی کوشش کرے تو یہ ہاتھ نہیں آتے، بھاگ جاتے ہیں، چھوٹے چھوٹے ٹیلوں اور درختوں پر چڑھ جاتے ہیں یا جھاڑیوں میں چھپ جاتے ہیں۔

مور، برسات میں جب ننھی ننھی بوندیں پڑتی ہیں، تو خوب ناچتے ہیں اور اپنی دم کو پنکھا بنا کر کھڑا کر لیتے ہیں۔ جب بہت دیر تک ناچ چکتے ہیں تو گردن نیچی کرکے اپنے پیروں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور مشہور ہے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور وہ رونے لگتے ہیں۔

یہ جب بولتا ہے تو بلّی کی سی آواز ہوتی ہے۔ جو لوگ اسے پالتے ہیں وہ اسے کھلا رکھتے ہیں کیونکہ یہ بہت جلد ہل جاتا ہے۔ اس کا گوشت گرم اور دیر میں ہضم ہوتا ہے۔

لوگ اس کی دم کے پروں کا پنکھا بناتے ہیں۔ بعض لوگ کوٹ کے کالر میں لگاتے ہیں۔ اس کے پر میں یہ خاص بات ہے کہ اگر اسے کسی کپڑے پر پٹ پھینکا جائے تو یہ چمپٹ جاتا ہے اور بغیر چھڑائے نہیں چھٹتا۔

مور سانپ کا بڑا دشمن ہے جس کے گھر میں سانپ ہو وہ اسے رکھ لے تو سانپ نہیں رہتا۔

(جیواد صاحب)

بیج ایک چھوٹی سی چیز ہے مگر تم سب جانتے ہو کہ بہت بڑے بڑے درخت بھی اس چھوٹے سے بیج ہی سے اگتے ہیں پیپل، نیم، آم، جامن ان سب درختوں کے بیج بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔

تھوڑے سے سیم کے بیج لے لو۔ انھیں غور سے دیکھو۔ پھر ان بیجوں کو پانی میں بھگو دو جس سے وہ نرم ہو جائیں۔ جب یہ بیج نرم ہو جائیں تو ان میں سے دو ایک کا چھلکا اتار دو۔ اب بیج کو اندر سے دیکھو۔ تمھیں ایک کالا دھبا دکھائی دے گا اور ایک باریک سی لکیر نظر آئے گی۔ اس بیج کے لکیر پر سے دو حصے کر لو جو بہت آسانی سے ہو جائیں گے۔ اب تمھیں معلوم ہو گیا کہ سیم کے بیج میں دو دالیں ہوتی ہیں۔ یہ دونوں دالیں برابر ہوتی ہیں جتنی موٹی اور وزنی دال ہوتی ہے بیج اتنا اچھا ہوتا ہے۔ جو کالا دھبا تم نے دیکھا تھا دراصل اس جگہ بیج جڑا رہتا ہے۔ جہاں بیج کی دونوں دالیں جڑتی ہیں اس حصے کو غور سے دیکھو۔ سیم کے بیج میں اس جگہ ایک سفید نوکدار ٹکڑا ہوتا ہے۔ یہ ٹکڑا بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے پاس ہی دو سفید چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں۔ جب بیج بویا جاتا ہے اور اسے پانی دیا جاتا ہے تو وہ پھوٹ نکلتا ہے اور چھوٹا نوکدار ٹکڑا سیم کی جڑ بن جاتا ہے اور جو دو پتیاں تم نے دیکھی تھیں وہ بڑھنی اور اگنی شروع ہو جاتی ہیں اور شاخیں اور نئی نئی پتیاں پھوٹنے لگتی ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر دو دالوں کا کیا فائدہ ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ نیا پودا زمین سے اپنی خوراک حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی جڑ بہت چھوٹی اور کمزور ہوتی ہے جب تک پودا زمین سے خوراک حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتا یہ دالیں ہی اسے خوراک پہنچاتی ہیں اور وہ انھیں کے ذریعہ پرورش پاتا ہے۔

سچ بولو

(محمد علی خاں صاحب نگار گوالیاری)

چھوٹا حامد ایک روز اپنے مکان کے کمرے میں کھیل رہا تھا۔ کمرے میں جگہ جگہ طاقوں اور الماریوں میں چینی کے برتن اور شیشے کے گلاس سلیقے سے رکھے تھے۔ حامد کو یہ چیزیں بہت پسند تھیں۔ وہ انھیں اپنے قبضہ میں کرنا اور ان سے کھیلنا چاہتا تھا مگر امّی کے ڈر سے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ ایک دن کمرے میں کوئی نہ تھا۔ میدان خالی دیکھ کر حامد کی طبیعت للچائی اور موقع کو غنیمت سمجھ کر چینی اور شیشے کے برتن الماری اور طاق سے نکال لایا اور فرش پر بیٹھ کر کھیلنے لگا۔ شیشے کے برتن نازک تو ہوتے ہی ہیں دو ایک گلاس ٹوٹ گئے۔ اب تو وہ بہت گھبرایا اور پریشان ہوا کہ امی جان دیکھ پائیں گی تو کیا کہیں گی۔ اس پریشانی میں رونے لگا۔

اس نے اپنے دل میں کہا یہ میرا قصور ہے۔ امی جان یا ابا جان کو معلوم ہو گیا تو وہ ضرور ناخوش ہوں گے۔ اگر ان چیزوں کو کہیں چھپا دوں تو کسی نہ کسی دن پتہ چل ہی جائے گا اس لئے کیوں نہ میں امی سے صاف صاف ذکر کر دوں اور کہہ دوں کہ امی! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کی امّی نے آواز دی "حامد یہاں آؤ۔" اب تو وہ اور گھبرایا لیکن ہمت کر کے امی کے پاس چلا گیا اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ امی نے اسے خاموش دیکھ کر کہا "کیا تم نے کچھ بگاڑا ہے؟" یہ سن کر تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ امی نے کہا "بیٹے! روتے کیوں ہو؟ بات کیا ہے؟ کسی نے مارا ہے؟" حامد نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا "میں شیشے کے برتنوں سے کھیل رہا تھا۔ ان میں سے دو تین ٹوٹ گئے۔" یہ کہہ کر پھر سسکیاں لینے لگا۔ اس پر امی جان بولیں "مجھے افسوس ہے کہ تم نے کئی قیمتی برتن توڑ دئے مگر تمھارے سچ بولنے سے میں بہت خوش ہوں۔ مگر دیکھو پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ جاؤ کھیلو میں تمھارے ابا جان کو بھی منع کر دوں گی کہ میرے حامد سے کچھ نہ کہیں۔"

پہاڑوں کے فائدے

(از خورشید تاج صاحبہ رائے پوری)

گرمیوں کے زمانے میں تم میں سے کچھ لوگ تو کسی پہاڑی مقام پر گئے ہوں گے، نہ گئے ہوں گے تو ریل میں گزرتے ہوئے تو کسی پہاڑ کو دیکھا ہی ہوگا یا کم از کم جغرافیے میں تو پہاڑوں کا بیان ضرور پڑھا ہوگا۔ آؤ، آج ہم تمھیں اس کے کچھ فائدے بتائیں۔

اللہ میاں نے اپنی دنیا کا انتظام کچھ ایسا رکھا ہے کہ جا بجا جتنا غور کریں ہماری تمھاری چھوٹی عقلیں تو کچھ کام نہیں کرتیں۔ دور کیوں جاؤ ایک پانی ہی کو لے لو۔ زندگی کے لئے کتنی ضروری چیز ہے۔ انسان، حیوان، درخت، پودے غرض کوئی چیز بغیر پانی کے زندہ رہ سکتی ہے؟

خدا نے پہاڑوں کو پانی کا ایک خزانہ بنایا ہے۔ سردیوں میں ان پہاڑوں پر اتنی سردی پڑتی ہے کہ برف جم جاتا اور پھر گرمیوں کی دھوپ سے پگھلنا شروع ہوتا ہے۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ رقیق[1] چیز ہمیشہ اوپر سے نیچے کی طرف بہتی ہے۔ تو یہی برف پانی ہو کر پہاڑوں پر سے زمین کی طرف آتا اور دریاؤں کی شکل میں بہنے لگتا ہے اور ملک کے اکثر حصوں کو سیراب کرتا ہوا سمندروں میں جا ملتا ہے۔ ان ہی دریاؤں سے کھیت سینچے جاتے ہیں، مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں اور کشتیوں کے ذریعے تجارت کا مال ادھر سے اُدھر لایا اور لے جایا جاتا ہے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو ہمیں دریاؤں سے یہ فائدے بھی حاصل نہ ہوتے۔

جغرافیہ والوں نے پہاڑوں کا سلسلہ ایک ہی مانا ہے۔ یہ سلسلہ زمین کے چاروں طرف لپٹا ہوا ہے۔ جنوبی امریکہ کے نیچے کے حصے سے شروع ہوتا ہے اور سمندروں کو پار کر کے براعظموں میں داخل ہوتا ہے۔ ہر ملک میں اسی سلسلے کے نام الگ الگ رکھ دئے گئے ہیں مثلاً ہندوستان میں یہی سلسلہ ہمالیہ کے نام سے مشہور ہے، یورپ میں ایلپس اور کوہ قاف کے نام سے، روس میں الطائی کے نام سے۔ غرض ہر ملک

[1] پتلی، بہنے والی جیسے پانی وغیرہ۔

ہیں ایک نیا نام رکھ دیا گیا ہے۔

تم ان پہاڑوں کی فائدے کے لحاظ سے چار تقسیمیں کر سکتے ہو۔

(۱) وہ پہاڑ جو ہمیشہ سرسبز اور شاداب رہتے ہیں جن پر سبزے کا مخملی فرش بچھا رہتا ہے اور رنگ برنگ کے جنگلی پھول پہاڑ کی خوبصورتی میں چار چاند لگاتے ہیں۔ ان پہاڑوں پر قیمتی عمارتی لکڑیاں پیدا ہوتی ہیں جو مکانوں اور جتنی لکڑی کی چیزیں ہم استعمال کرتے ہیں ان کے بنانے میں کام آتی ہیں۔

(۲) پہاڑوں کی دوسری قسم آتش فشاں کہلاتی ہے۔ ان پہاڑوں پر درختوں اور سبزے کا تو خیر کیا ذکر ان میں سے ہر وقت دھواں نکلتا رہتا ہے اور جب کبھی یہ جوش میں آجاتے ہیں تو پس پھٹ پڑتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں من لاوا[1] چشمے کی طرح بہ نکلتا ہے۔

(۳) پہاڑوں کی تیسری قسم بہت کارآمد ہے کیونکہ اس میں سونے چاندی، پیتل، رانگ اور ابرک کی کانیں نکلتی ہیں۔ طرح طرح کے قیمتی پتھر اور اکثر دوائیاں ملتی ہیں۔

[1] پگھلے ہوئے پتھر اور چٹانیں۔ آتش فشاں پہاڑ پر ۲۱ اگست ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں مضمون شائع ہو چکا ہے۔

(۴) پہاڑوں کی چوتھی قسم وہ ہے جس پر ہر جاندار کی زندگی کا دارومدار ہے۔ یہ پہاڑ بہت اونچے ہوتے ہیں۔ انھیں میں سے دریا نکلتے اور چشمے پھوٹتے ہیں جو ملک کے مختلف حصوں میں بہ کر زمین کو زرخیز بناتے ہیں۔ علاوہ اس کے بارش بھی انھیں اونچے پہاڑوں کی بدولت ہوتی ہے اس لئے کہ پانی بھری ہوائیں سمندر سے اٹھتی ہیں تو ان اونچے پہاڑوں سے ٹکرا کر واپس آتی اور برس پڑتی ہیں۔ اگر ہندوستان میں ہمالیہ پہاڑ نہ ہوتا تو یہ ملک بھی عرب کی طرح ریگستان بن جاتا۔ عرب میں کوئی ایسا اونچا پہاڑ نہیں ہے جو پانی بھری ہواؤں کو روک سکے اور نہ ایسے دریا ہیں جو ملک کو سیراب کریں اس لئے عرب کا ملک ریگستان بن گیا ہے۔

بعض پہاڑوں کی آب و ہوا اس قدر مفید ہوتی ہے کہ وہاں مریض رکھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسی کئی جگہیں ہیں۔ آج کل یہ بھی رواج ہو گیا ہے کہ شہروں میں جب گرمی زیادہ ہو جاتی ہے تو امیر لوگ پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں اور گرمیاں وہیں گذارتے ہیں۔

غرض بے شمار فائدے ہیں۔ ہمیں اللہ میاں کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمارے آرام و آسائش کے لئے کیسے کیسے سامان پیدا کئے ہیں۔

بھوپال تال

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

سارے ہندوستان میں بھوپال کا تالاب ضرب المثل[1] کی طرح مشہور ہے اور آج بھی جو لوگ بھوپال جاتے ہیں تالاب کا دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ موجودہ تالاب تو دو قدیم جھیلیں ہیں اصل تالاب کا اب نام و نشان بھی باقی نہیں ہے۔ یہ تالاب کوئی ۲۵۰ مربع میل میں پھیلا ہوا تھا جہاں کسی زمانے میں پانی کا ایک سمندر موجیں مارتا تھا ایسا کہ دوسرا کنارہ نظر نہ آتا تھا وہاں آج تقریباً ۲۵۰ گاؤں آباد ہیں۔

نو سو برس ہوئے یہ تالاب دھار کے راجا بھوج نے بنوایا تھا اور جگہ کا انتخاب نہایت عقلمندی اور ہوشیاری سے کیا تھا کیونکہ یہ مقام چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور پانی کے بہ جانے کا دو جگہ کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ ان دونوں جگھوں پر زبردست بندھ باندھ کر پانی روکا گیا تھا۔ اس تالاب کو بھرنے کے لئے ایک تو دریائے بیتوا کا پانی لایا گیا تھا لیکن وہ ناکافی تھا اس لئے ایک دوسری ندی کلیاسوت کا رخ بھی اسی طرف کر دیا تھا۔

کوئی چار سو برس بعد جب مالوے میں ہوشنگ شاہ کی حکومت ہوئی اور اس نے اس علاقے پر بھی قبضہ کیا تو ایک بند کو کاٹ کر تالاب کا پانی بہا دیا اور تالاب کی زمین کا بہت بڑا حصہ کارآمد ہو گیا۔ گونڈوں کی روایت ہے کہ ان کی فوج کی فوج کو تین مہینے اس بند کے کاٹنے میں لگے تھے۔ تین سال میں تالاب خالی ہوا تھا اور تیس سال کے بعد زمین رہنے کے قابل ہو سکی تھی۔ اس تالاب کے خشک ہونے سے تمام مالوے کی آب و ہوا میں بھی بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔

جغرافیہ میں تم نے پڑھا ہوگا کہ جو مقامات پانی کے قریب ہوتے ہیں ان کی آب و ہوا عموماً معتدل[2] ہوتی ہے۔ یہی حال اس تالاب کی وجہ سے مالوے کا تھا لیکن جب سے یہ تالاب خشک ہوا ہے یہاں گرمی زیادہ ہونے لگی ہے۔ دوسرے پانی کے قرب کی وجہ سے ہوا میں نمی ہوتی ہے اور جس جگہ نمی رہتی ہے وہاں طرح طرح کی بیماریاں پھیلتی رہتی ہیں اور لوگوں کی صحت بھی خراب رہتی ہے۔ اس تالاب کے خشک

[1] کہاوت۔

[2] نہ زیادہ گرم نہ زیادہ سرد۔

ہو جانے سے لوگوں کی صحت پر اچھا اثر پڑا" بھوپال تال" اسی تالاب کا نام تھا لیکن اب اصل حالات نہ جاننے کی وجہ سے لوگ بھوپال شہر کی جھیلوں ہی کو "بھوپال تال" سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھوپال تال کے زمانے میں بھی اسی طرح موجود تھیں۔ ان میں سے بڑی جھیل سوا دو مربع میل ہے اور اوسط گہرائی دس فٹ ہے۔

چھوٹی جھیل چوتھائی مربع میل ہے اور اوسط گہرائی ۲۶ فٹ ہے۔ شہر کے جنوب کی جانب پہاڑیوں کے نیچے دور تک یہ جھیلیں چلی گئی ہیں اور منظر بڑا ہی خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی بھوپال شہر قدرتی مناظر کے لحاظ سے بہت خوبصورت ہے لیکن ان جھیلوں نے اور چار چاند لگا دئے ہیں۔

سمندر کا عجائب خانہ

(سید محمد عسکری صاحب)

۵۔ **دریائی انسان**۔ ایک زمانے تک دنیا یہ سمجھتی رہی کہ سمندر میں انسانوں کی وضع کا ایک جانور ہوتا ہے کہ جس کا اوپر کا آدھا جسم انسان کا سا اور نیچے کا باقی

تو بیان کیا کہ اسے گاتا ہوا سنا، کبھی کہا کہ نر و مادہ کے جوڑے کو تیرتا ہوا دیکھا اور مادہ کے سر کے بالوں کی ایسی ایسی تعریفیں کیں کہ بہت سی سننے والیوں کو رشک

حصہ مچھلی کا سا ہے۔ جہاز چلانے والے یعنی ملاحوں وغیرہ نے اور دور دور دراز کے دریائی سفر کرنے والوں نے اس جانور کی بہت سی کہانیاں بھی بیان کی تھیں کبھی

پیدا ہو گیا۔ یہ تو سب قصے کہانیاں ہیں مگر پکی بات یہ ہے کہ سمندروں میں ایک جانور پایا جاتا ہے جسے سیرینیہ کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں "مینیٹی" اور "ڈیوگانگ"

یہ گوشت خور جانور نہیں بلکہ سمندری پودوں پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ ان جانوروں کے سر انسانوں کے سروں کی طرح گول اور کالے ہیں۔ یہ بھی وہیل اور سیل کی طرح خشکی کا جانور تھا مگر سمندر کی زندگی اختیار کر لی اور اس کے دونوں ہاتھ دو کھپوٹوں کی شکل میں بدل کے رہ گئے۔ یہ جانور بھی اپنے بچوں کو دودھ پلا کے پرورش کرتا ہے اور سانس لینے کے لئے اسے بھی ہوا کی ضرورت ہے۔ جب یہ اپنے دونوں کھپوٹوں کے درمیان بچے کو لے کر دودھ پلاتا ہے تو دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان بچے کو گود میں لئے پانی کی سطح پر پڑا ہے۔ ممکن ہے کہ اس مشابہت سے دریائی انسان والی کہانی لوگوں کے ذہن میں آئی ہو۔ ہندوستان کے قریب جزیرہ ملایا کے ساحل پر جو "ڈیوگانگ" پائے جاتے ہیں وہ غذا کی تلاش میں سمندر چھوڑ کے ندیوں میں بھی تیرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ ان جانوروں کے پاس اپنی حفاظت کا کوئی سامان نہیں اور اسی لئے شارک وغیرہ کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ مینیٹی ساحل برازیل کے قریب بہت پایا جاتا ہے۔ حکومتوں نے ان دریائی انسانوں کی حفاظت کے لئے بھی خاص اہتمام کیا ہے۔ معلوم نہیں انھیں انسان کیوں کہا گیا۔ ان بیچاروں میں تو اتنی بھی عقل نہیں جتنی سیل میں ہے۔ آج کل انھیں "دریائی گائے" کہتے ہیں۔

لطیفے

ماں: اگر تم شرارت کئے جاؤ گے اور اچھے بچے نہیں بنو گے تو میں پولس والے کو بلوا لوں گی۔

بچہ: اچھی بات ہے اماں۔ وہ جب آئے گا تو میں اس سے کہوں گا کہ ہمارے یہاں ایک کتا ہے جس کا لائسنس نہیں لیا گیا ہے۔

استاد (جغرافیے کا سبق پڑھاتے وقت): کیا زمین بہت بڑی ہے یا چھوٹی سی؟

گوپال: بہت بڑی ہے ماسٹر صاحب۔

استاد: اچھا تو کیا تمھارے باپ اس کے چاروں طرف چکر لگا سکتے ہیں؟

گوپال: نہیں ماسٹر صاحب!

استاد: کیوں اس کی کیا وجہ ہے؟ بتا سکتے ہو؟

گوپال: کل رات کو وہ زینے سے گر پڑے تھے بس ماسٹر صاحب! اس لئے وہ زمین کا چکر نہیں لگا سکتے۔

نازک راجہ

(از حامد حسین صاحب حمدی صدیقی متعلم درجہ ہشتم مدرسہ ابن مولانا محو حق صدیقی لکھنوی)

بہت زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک نازک مزاج راجہ بیماری سے بہت ڈرتا تھا۔ سردی کے دنوں میں وقت اپنے محل کے کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے اچھی طرح بند رکھتا اور کمرے سے کبھی باہر نہ نکلتا تھا۔ اتفاق سے اگر کبھی بارش ہو جاتی تو ڈر کے مارے کانپنے لگتا اور جب کبھی سورج اپنے کو بادلوں میں چھپا لیتا تو یہ نازک راجہ جھٹ اپنا گرم کوٹ پہن کر اچھی طرح اپنے بدن سے لپیٹ لیتا تھا۔ غرض وہ سردی سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا لیکن اتنی توجہ اور اتنی احتیاط پر بھی وہ زکام اور بخار میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے وزیر کو بلایا اور اس سے پوچھا "مجھے بڑی حیرت ہے کہ میں اتنا نازک کیوں ہوں حالانکہ میں اچھی طرح اپنے بدن کی حفاظت کرتا ہوں، جب اندر آتا ہوں تو اپنے جوتے فوراً بدل دیتا ہوں، میرے پاؤں نہ کبھی بھیگتے اور نہ گیلے رہتے ہیں اور جب سورج ڈوبتا ہے تو میں اپنے کو اچھی طرح لپیٹ لیتا ہوں باوجود اس حفاظت کے مجھے سردی، زکام اور بخار ہو جاتا ہے۔ تم بتا سکتے ہو تو بتاؤ کہ یہ کیا بات ہے؟"

وزیر نے جواب دیا "سب سے بہتر یہ ہے کہ اتنی حفاظت نہ کی جائے کیونکہ آپ جتنی حفاظت کریں گے اتنا ہی نقصان ہوگا اور سردی، زکام یا بخار میں مبتلا رہیں گے۔ کیا آپ میرے ساتھ تھوڑی دور چلئے گا؟"

راجہ چلنے پر راضی ہو گیا اور وہ دونوں جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ وزیر نے ایک بات سوچ لی تھی۔ وہ راجہ کو سیدھا ایک گڈریے کے پاس لے گیا جو ایک پہاڑی پر بیٹھا بکریاں چرا رہا تھا۔ یہ گڈریا بہت غریب تھا وہ صرف ایک لنگی باندھے اور ایک کپڑا کاندھے پر ڈالے ہوئے تھا۔ اس کے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے۔

"حضور، آپ نے اس گڈریے کو دیکھا" وزیر نے راجہ سے پوچھا۔ پھر کہا کہ "میں شرط باندھتا ہوں کہ یہ گڈریا کبھی بخار یا زکام میں مبتلا نہیں ہوا ہوگا۔ دیکھئے یہ کتنے تھوڑے سے کپڑے پہنے ہے۔ رات میں بھی اسی طرح بغیر کچھ اوڑھے اسی پہاڑی پر رہتا ہے۔"

راجہ اس گڈریے کے قریب گیا اور اس سے

پوچھا "کیا تمھیں کبھی سردی زکام وغیرہ نہیں ہوا ہے۔ میرے وزیر نے مجھے بتایا کہ تم رات بھر یہیں پہاڑی پر رہتے ہو۔"

"نہیں حضور" گڈریے نے جواب دیا "مجھے کبھی بخار یا زکام نہیں ہوا۔ میرا باپ بھی ایک گڈریا ہی تھا۔ وہ اپنے بڑھاپے میں گٹھیا میں مبتلا ہوا تھا۔ اس کے سوا اسے اور مجھے کبھی بخار وغیرہ نہیں آیا۔ بچپن سے میں اسی کھلی ہوئی اور صاف ہوا میں رہتا ہوں اور رات بھر یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

راجہ کو بہت اچنبھا ہوا اور اپنے وزیر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "میرا خیال ہے کہ یہ آدمی بہت طاقتور اور مضبوط ہوگا۔ یہ جہاں کہیں بھی رہے اسے زکام وغیرہ نہیں ہو سکتا۔"

وزیر نے کہا "ہم کو آزمایش کر لینا چاہیے، ممکن ہے آپ کے گرم محل میں اسے بھی زکام اور بخار ہو جائے۔ ذرا دیکھنا چاہیے کہ وہاں اس گڈریے کا کیا حال ہوتا ہے۔ اسے حضور اپنی ہی طرح اچھے اور گرم کپڑے پہنائیں، اچھی غذا کھلائیں پھر دیکھیں کہ اسے زکام وغیرہ ہوتا ہے یا نہیں۔"

"اچھا" راجہ نے کہا۔ وزیر اس گڈریے کو راجہ کے محل میں لے آیا، اسے اچھے گرم اور نرم کپڑے پہنائے، عمدہ روغن دار غذائیں دیں جیسی خود راجہ استعمال کرتا تھا اور راجہ کے کمرے کی طرح اس کے کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے بھی بند کر دئے۔ غرض راجہ ہی کی طرح اس کو رکھا گیا۔ ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ اس غریب گڈریے کو سردی ہو گئی اور بیمار پڑ گیا اور اس طرح ایک بیماری سے اچھا ہوا تو دوسری بیماری میں مبتلا ہو گیا اور جب اس نے کمرے کے باہر نکلنے کی کوشش کی تو زیادہ بیماریوں نے گھیر لیا۔

راجہ کو بہت تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگا "ضرور یہ محل صحت کو نقصان دینے والا ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا" وزیر نے جواب دیا "یہ محل صحت کو نقصان دینے والا نہیں ہے بلکہ آپ کے رہنے سہنے کا طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو اس محل پر الزام نہیں لگانا چاہیے۔ صاف ہوا سانس لینے کے لئے ضروری چیز ہے لیکن آپ اسے برابر بند رکھتے ہیں۔ سادہ غذا صحت کے لئے ضروری اور اچھی چیز ہے لیکن آپ مرغن غذائیں استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ بیماریوں میں گرفتار رہتے ہیں، سردی زکام ہو جاتا ہے۔ حضور اس گڈریے سے سبق حاصل کیجیے۔ سادہ زندگی، سادہ غذا اور صاف ہوا انسان کے لئے ہر طرح مفید ہے۔ آپ یہی چیزیں استعمال کیجئے اور اپنی صحت

قائم رکھیئے۔ اگر آپ کو سردی ہو جائے تو اتنا چلیے کہ پسینہ آجائے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں ہرگز بند نہ کیجیے ان سے صاف ہوا اندر آنے اور بری ہوا باہر نکلنے دیجیے۔ یہی طریقہ زندگی قائم رکھنے اور تندرست رہنے کا ہے"۔

راجہ نے اپنے عقلمند وزیر کی تجویز مان لی اور پھر کبھی کسی بیماری میں گرفتار نہیں ہوا۔

امید ہے کہ ہماری عمر کے بچے بھی ضرور ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔

(انگریزی سے ترجمہ)
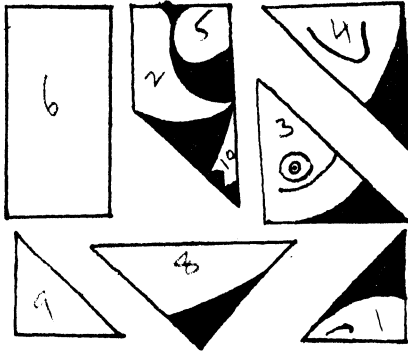
میاں مٹھو کا سر

ان ٹکڑوں کو اس طرح جوڑیے کہ میاں مٹھو کا سر بن جائے۔
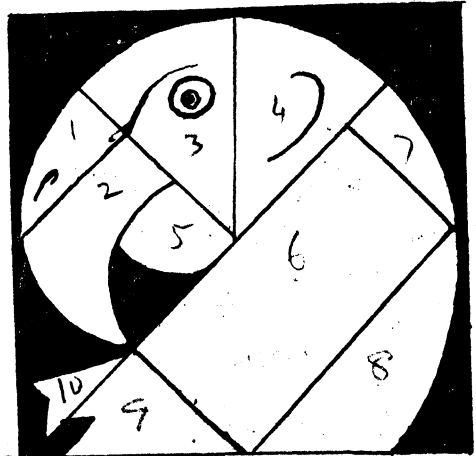
ان ٹکڑوں کے جوڑنے سے دیکھیے میاں مٹھو کا سر بن گیا ہے۔

(محمد رشید الدین)